احسن البیان

فی تفسیر القرآن

سید فضل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احسن البیان

فی تفسیر القرآن

سید فضل الرحمن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

نام کتاب	:	احسن البیان فی تفسیر القرآن
حصہ پنجم	:	تفسیر سورۂ ابراہیم تا سورۂ انبیا
تعداد	:	گیارہ سو
اشاعت اوّل	:	شعبان ۱۴۲۱ھ / نومبر ۲۰۰۰ء
صفحات	:	۴۶۴
کمپوزنگ	:	عبدالماجد پراچہ (پراچہ پرنٹ)
ناشر	:	زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی

ملنے کے پتے

۱۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، اے۔۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی ۔۱۸، پوسٹ کوڈ: ۷۴۶۰۰، فون: ۶۶۸۴۷۹۰،

۲۔ فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار کراچی،

۳۔ زوار اسٹیشنرز، دکان نمبر ۴۴، اردو بازار کراچی،

۴۔ مکتبہ قاسمیہ، نیو ٹاؤن کراچی،

۵۔ اسلامی کتب خانہ، نیو ٹاؤن کراچی

۶۔ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور،

۷۔ مکتبہ صدیقیہ، نور محل روڈ بہاولپور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ابراہیم

وجہ تسمیہ: اس سورت کے آخر میں خانہ کعبہ اور حج بیت اللہ کے متعلق حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دعاؤں کا ذکر ہے جو خانہ کعبہ کی عظمت اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لئے یہ سورت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے موسوم ہو گئی۔

تعارف: اس میں سات رکوع، باون آیتیں، ۸۳۱ کلمات اور ۳۴۳۴ حروف ہیں۔

یہ سورت مکی ہے۔ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں بھی توحید و رسالت اور قیامت کے مضامین کا بیان ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم کی عظمت و حکمت کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یاد دلائے ہیں۔

رکوع ۲: بنی اسرائیل کی آزمائش، گزشتہ امتوں کے احوال اور پیغامِ حق کے بارے میں منکرین کا شک و شبہ کرنا اور انبیاء علیہم السلام کا ان کو جواب دینا۔

رکوع ۳: عاجز و لاجواب ہو جانے کے بعد کافروں کا انبیاء علیہم السلام کو ملک سے نکال دینے کی دھمکی دینا۔ کافروں کے ایمان سے مایوس ہو کر انبیاء علیہم السلام کا ان کے لئے عذاب کی دعا کرنا مذکور ہے۔ پھر کافروں کے اعمال کی مثال، اللہ کی قدرتِ کاملہ اور قیامت کے روز کافروں کی باہم گفتگو کا بیان ہے۔

رکوع ۴: شیطان سے کافروں کا مخاصمہ اور کلمۂ ایمان اور کلمۂ کفر کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

رکوع ۵: کفار و مشرکین کی مذمت اور مومنین و صالحین کی مدح کا بیان ہے۔ آخر میں منعم حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی دس صفات مذکور ہیں۔

رکوع ۶: اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مختلف دعائیں مذکور ہیں جو انہوں نے مکہ شہر، اپنی اولاد اور اپنے والدین کے لئے کیں۔

رکوع ۷: شروع میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال سے غافل نہیں، ان کا دنیا میں پھلنا پھولنا اللہ کے ہاں مقبولیت کی بنا پر نہیں بلکہ مہلت اور ڈھیل کی وجہ سے ہے۔ آخر میں قیامت کے روز زمین و آسمان کا تبدیل ہونا بیان کیا گیا ہے۔

بعثِ رسول کا مقصد

۱۔　الٓرٰ ○

یہ حروفِ مقطعات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ان کی مراد معلوم نہیں۔ جمہورِ مفسرین کے نزدیک یہی قول راجح اور مختار ہے۔

۱-۳۔　كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ○ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ○ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ○

(یہ قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو اُن کے رب کی اجازت سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں (اور) غالب و قابل تعریف (خدا کے) راستے

کی طرف (لے جائیں)۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور افسوس ہے کافروں پر سخت عذاب سے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور دین حق میں کجی تلاش کرتے ہیں۔ یہی لوگ بڑی دور کی گمراہی میں (پڑے ہوئے) ہیں۔

تشریح: گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی عظمت سے کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی بتادیا کہ اس عظیم قرآن کو آپ پر نازل کرنے اور آپ کو نبی بنا کر دنیا میں بھیجنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ اس کتاب کے ذریعے اپنے رب کے حکم سے لوگوں کو کفر وشرک اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت وایمان کی روشنی میں لے آئیں، جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ اسی کی ذات غالب اور حمد وستائش کی مستحق ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی تعریف کے لائق نہیں۔

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ کافروں کے لئے بڑی خرابی اور بربادی ہے اور بڑا سخت عذاب ہے کیونکہ وہ لوگ اپنی جہالت کی بنا پر دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی تمام تر جدوجہد صرف حصول دنیا کے لئے ہے۔ انہوں نے آخرت کو بالکل بھلا رکھا ہے۔ یہی نہیں کہ خود تو آخرت سے بالکل غافل ہیں بلکہ یہ دوسروں کو بھی اللہ کا راستہ اختیار کرنے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی اور عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ ایسی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جو حق سے بہت دور ہے۔ بظاہر اب ان کے ہدایت پانے کی کوئی امید نہیں۔ (مظہری ۲۵۲/ ۵، مواہب الرحمٰن ۲۸۰، ۲۸۴/ ۱۳)

تمام انبیاء کا اپنی قوم کی زبان بولنا

۴۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِن رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور ہم نے تمام (پہلے) رسولوں کو (بھی) ان کی قوم ہی کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا تاکہ وہ ان کو (ہمارے احکام آسانی سے) بیان کر سکیں۔ پھر (بھی) اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ زبردست، حکمت والا ہے۔

تشریح: کفار آنحضرت ﷺ سے یہ کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن چونکہ آپ کی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید اس کو آپ نے خود ہی بنایا ہو۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ہر پیغمبر کو اسی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ پیغمبر اللہ کے احکام کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کر دے اور اس کی قوم کے لوگ ان احکام کو آسانی کے ساتھ سمجھ لیں۔ اگر اللہ تعالیٰ جن یا فرشتے کو یا کسی ایسی زبان بولنے والے انسان کو جس کی زبان اس کی قوم سے مختلف ہوتی، پیغمبر بنا کر بھیجتا تو لوگوں کے لئے اس کی بات کو سمجھنا دشوار ہوتا۔ یہ اللہ کا بڑا احسان و انعام ہے کہ اس نے ہر قوم میں انہیں میں سے کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

پھر جب لوگوں پر اللہ کی حجت قائم ہو جاتی ہے تو وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور ایمان کی توفیق نہیں دیتا اور جس کو چاہتا ہے ایمان کی توفیق دے دیتا ہے اور اس کے دل میں حق کا یقین پیدا کر دیتا ہے۔ وہ ایسا غالب اور زبردست ہے کہ کوئی اس کی مشیت کو روک نہیں سکتا۔ وہ جس کو ہدایت کر دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ وہ بڑی حکمت والا ہے وہ اپنی حکمت و مصلحت کے تحت ہدایت یاب یا گمراہ کرتا ہے۔ (مظہری ۲۵۳، ۲۵۴/ ۵، مواہب الرحمٰن ۲۸۵، ۲۸۸/ ۱۳)

حضرت موسیٰؑ کے معجزے

۵۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ

صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ○

اور البتہ ہم نے (حضرت) موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر (اس لئے) بھیجا تھا کہ وہ اپنی قوم کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لے جائے اور ان کو اللہ کے دنوں کی یاد دلائے۔ بیشک اس میں ہر صبر و شکر کرنے والے کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

اَيّٰمِ اللّٰهِ: اللہ کے دن۔ اس سے مراد وہ ایام ہیں جن میں بنی اسرائیل پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے پھر اللہ نے ان کو ان مصائب سے نجات دی اور ان پر اپنی رحمت فرمائی۔

تشریح: اے نبی ﷺ! جس طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے آپ پر اپنی کتاب نازل کی ہے۔ بلاشبہ اسی طرح ہم نے حضرت موسیٰ کو بہت سی نشانیاں (معجزے) دے کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا۔ ان کو بھی یہی حکم تھا کہ وہ لوگوں کو نیکیوں کی دعوت دیں اور ان کو کفر وشرک اور جہالت و گمراہی کی تاریکی سے نکال کر علم وہدایت اور ایمان کی روشنی میں لے آئیں اور ان کو وہ ایام یاد دلائیں جن میں وقتاً فوقتاً بنی اسرائیل پر مصائب و شدائد کے پہاڑ ٹوٹے پھر اللہ نے ان کو ان مصائب سے نجات دی اور ان پر اپنے انعامات فرمائے اور طرح طرح کے معجزات ظاہر کر کے ان کے دشمنوں کو زیر کیا، جیسے سمندر کے اندر ان کے لئے خشک راستہ بنانا، ان پر ابر کا سایہ کرنا، من وسلویٰ اتارنا، عصائے موسیٰ سے فرعون کا مغلوب ہونا، ساحروں کا ایمان لانا، طوفان، جوؤں، مینڈکوں اور خون وغیرہ کے عذابوں سے فرعونیوں کا مقہور ہونا وغیرہ وغیرہ۔ بیشک ان احوال وواقعات میں ہر صبر و شکر کرنے والے بندے کے لئے، جو سختی اور مصیبت میں ایمان و توحید پر اسی طرح ثابت رہے جیسے بنی اسرائیل اپنی اولاد کے قتل اور رزق میں تنگی اور دوسرے طرح طرح کے مصائب پر صابر و ثابت رہے، بڑی عبرت و نصیحت ہے۔

(مظہری ۲۵۴،۲۵۵ / مواہب الرحمٰن ۲۸۹،۲۹۰ / ۱۳)

امام احمد اور مسلم نے حضرت صہیب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کا بھی عجیب معاملہ ہے۔ بیشک مومن کا ہر کام اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔

مومن کے علاوہ کسی اور کو یہ بات نصیب نہیں۔ اگر اس کو راحت و آرام پہنچتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہو جاتا ہے اور اگر اس کو ضرر (تکلیف) پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد ۳۳۳/۴)

بنی اسرائیل کی آزمائش

۶-۸۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے لائق ہے) جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ کا وہ احسان یاد کرو جو اس نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دے کر، تم پر کیا۔ وہ (فرعون والے) تمہیں سخت تکلیفیں دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے اعلان کر دیا کہ اگر تم (میرا) شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ (نعمت) دوں گا اور اگر تم کفر (ناشکری) کرو گے تو (سمجھ لو کہ) میرا عذاب (بھی) بہت سخت ہے اور (حضرت) موسیٰ نے کہہ دیا تھا کہ اگر تم اور دنیا بھر کے تمام آدمی سب اللہ کی ناشکری کرو گے تو (اس کو کچھ بھی پروا نہیں کیونکہ) وہ بے نیاز (اور) قابل ستائش ہے۔

تشریح: یہاں حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے سابقہ دور کی یاد دہانی کرائی ہے کہ تم ایسے مجبور و بے بس تھے کہ فرعون تمہیں سخت تکلیفیں دیتا تھا، تمہارے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا اور تمہاری لڑکیوں کو اپنی اور اپنی قوم کی خدمت کے لئے زندہ رکھتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری دعا کی برکت سے فرعونیوں سے نجات دی جو تم پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمنوں کو تمہارے سامنے ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کیا اور تمہیں فرعونیوں کے ملک و مال کا مالک بنادیا۔ تم پر یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام تھا یا یہ مطلب ہے کہ اس فرعونی ایذار سانی میں اللہ کی طرف سے بنی اسرائیل کی بڑی آزمائش تھی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں معنی مراد ہوں واللہ اعلم۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہیں آگاہ کیا کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک یہاں شکر کا مطلب اطاعت ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم نے ناشکری کی تو پھر بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے۔ میں دنیا میں تمہیں اپنی نعمتوں سے محروم کر دوں گا اور آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا کروں گا۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم سب اور روئے زمین کی تمام مخلوقات بھی اللہ کی ناشکری کرنے لگے تو خوب سمجھ لو کہ وہ بندوں کی شکر گزاری سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے۔ اسے کسی کے شکر کی ذرہ برابر ضرورت نہیں۔ وہی حمد کا مستحق اور محمود ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حمد میں مشغول ہے۔

(ابن کثیر ۵۲۳، ۵۲۴ / ۲، روح المعانی ۱۸۹، ۱۹۱ / ۱۳)

گزشتہ امتوں کے احوال

۹۔ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُودَ ۘ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۘ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۘ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ O

(اے کفار مکہ) کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) قوم نوح اور عاد و ثمود اور وہ جو ان کے بعد ہوئے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان کے رسول ان کے پاس دلائل (معجزات) لے کر آئے سو انہوں نے (حیرت سے) اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دے لئے اور کہنے لگے کہ جو کچھ تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے بیشک ہم اس کے منکر ہیں اور جس امر (دین) کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم تو اس کے بارے میں بہت بڑے شبہ میں ہیں جو ہمیں تردد میں ڈالے ہوئے ہے۔

تشریح: جو بے شمار قومیں پہلے گزر چکیں ان کے تفصیلی احوال اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ چند قومیں جو اہلِ عرب کے ہاں زیادہ مشہور تھیں مثلاً قوم نوح، قوم عاد و ثمود وغیرہ۔ اللہ نے ان کے نام لے کر اہل عرب کو متنبہ فرمایا کہ ان اقوام کا جو کچھ حشر ہوا کیا تمہیں اس کی خبر نہیں ملی۔ تعجب ہے، اتنی قومیں پہلے تباہ ہو چکی ہیں اور تم نے اب تک ان کے حال سے عبرت حاصل نہیں کی حالانکہ تم نے ان بستیوں کے نشان بارہا دیکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کا عبرتناک حال اس طرح بیان کیا ہے کہ جب ان کے رسول اپنی رسالت کے کھلے ثبوت لے کر ان کے پاس آئے جس سے راہِ حق خوب واضح اور روشن ہو گئی اور باطل راہ بھی خوب صاف اور واضح ہو گئی تو ان بدبختوں نے اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ میں ڈال کر ان کو چپ رہنے کے لئے کہا یا یہ مطلب ہے کہ ان قوموں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دے لئے یعنی انگشت بدنداں ہو گئے کہ یہ پیغمبر کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ جس کو تم اپنے گمان کے مطابق پیغام خداوندی کہہ رہے ہو ہم اسے نہیں مانتے اور جس راہ کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو اس کے بارے میں ہمیں قوی شک و شبہ ہے۔ جس نے ہمیں تردد میں ڈالا ہوا ہے اس لئے ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

(عثمانی ۱/۱۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۱۲۴)

رسولوں کا جواب

۱۰،۱۲۔ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ط قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ط تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ○ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ط وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○

ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا (تمہیں) اللہ (کے بارے) میں شک ہے جو آسمان اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ تمہیں بلا رہا ہے تاکہ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دے اور تمہیں ایک وقت مقرر تک ڈھیل دے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم بھی تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو۔ تم ہمیں ان چیزوں کی عبادت سے روک دینا چاہتے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے۔ سو تم ہمارے پاس کوئی کھلا معجزہ لاؤ۔ ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ بے شک ہم تمہارے جیسے ہی آدمی ہیں۔ لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (نبوت دے کر) احسان کرتا ہے اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر ہم کوئی معجزہ تمہارے پاس لے آئیں اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور ہم اللہ پر بھروسہ کیوں نہ کریں۔ حالانکہ اسی نے ہمیں (فلاح

دارین کے) راستے دکھائے اور البتہ تم نے جو ایذا ہمیں دی ہے ہم تو اس
پر صبر ہی کریں گے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

تشریح: گزشتہ انبیا کی امتوں نے اپنے انبیا کی گفتگو سن کر کہا تھا کہ جس امر کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کے بارے میں تو ہمیں بڑا شک و شبہ ہے۔ اس پر رسولوں نے جواب دیا کہ کیا تم اللہ کے بارے میں شک و شبہ کرتے ہو۔ ہم تو تمہیں اللہ کی توحید کی طرف بلا رہے ہیں۔ جس کے بارے میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ تمام محسوسات و موجودات پکار پکار کر اللہ کی توحید کو ظاہر کر رہے ہیں۔ عقل سلیم اس کے ماننے پر مجبور ہے۔ کیا یہ آسمان و زمین یونہی پیدا ہو گئے۔ موجود کے لئے تو موجد کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے آسمان و زمین اور کائنات کو نمونے کے بغیر پیدا کرنے والا ضرور کوئی ہے۔ وہی اللہ ہے اور ہر چیز کا خالق و مالک اور معبود برحق ہے۔ ہم اپنی مرضی سے تمہیں دعوت نہیں دے رہے بلکہ ہمارے ذریعے اللہ تمہیں اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ اور توحید کے راستے پر چل کر اس کے مقامِ قرب تک پہنچو۔ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز آکر ایمان و توحید کا راستہ اختیار کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گزشتہ گناہ معاف فرما دے گا۔ پھر ایمان لانے کے بعد جیسا عمل کرو گے اس کا ویسا ہی بدلہ پاؤ گے۔ اس کے ساتھ ہی کفر و شرک پر قائم رہنے کی صورت میں جو تباہی و ہلاکت تم پر آتی اس سے محفوظ ہو جاؤ گے اور جب تک دنیا میں رہو گے سکون و اطمینان کی زندگی گزارو گے۔

کافروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ تم کوئی فرشتے تو ہو نہیں۔ تمہاری حقیقت و صورت تو دوسرے انسانوں جیسی ہی ہے اس لئے تمہیں ہم پر کسی قسم کی برتری حاصل نہیں، سو ہم تمہاری باتوں پر کیوں یقین کریں۔ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو ایسی مخلوق میں سے بھیجتا جو انسان سے افضل ہوتی۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے قدیم اور آبائی مذہب سے ہٹ کر آپ کی اتباع کر لیں تو آپ ایسا معجزہ اور دلیل پیش کریں جس سے آپ کی فضیلت اور نبوت کا استحقاق ثابت ہو۔

پیغمبروں نے ان کے جواب میں کہا کہ یہ تو بالکل صحیح ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن نبوت و رسالت تو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور انعام ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔

جہاں تک تمہاری خواہش کے مطابق معجزات پیش کرنے کا تعلق ہے تو یہ ہمارے اختیار اور قدرت میں نہیں کہ اللہ کی مشیت کے بغیر ہم اپنی مرضی سے تمہارے سامنے کوئی معجزہ پیش کر سکیں۔ اس کا مدار تو اللہ کی مشیت اور ارادے پر ہے۔ وہی انبیاء کو ایسے معجزات عطا فرماتا ہے جن سے ان کی نبوت کا ثبوت ہو جائے اور کافروں کے مقابلے میں مومنوں کو تو ہر معاملے میں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ہم تو خاص طور پر اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس نے تمام راہوں میں سے بہترین راہ ہمیں دکھائی۔ اب تم ہمیں کتنی ہی تکلیفیں پہنچاؤ ہمارے توکل میں فرق نہیں آسکتا۔ (عثمانی ۱۸ء۱۹،۷/۱ء، روح المعانی ۱۹۵،۱۹۹/۱۳)

انبیا کو کفار کی دھمکیاں

۱۳،۱۴۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِ جَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ط فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ط ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہماری ملت (مذہب) میں لوٹ آؤ۔ پھر ان کے رب نے (تسلی کے لئے) ان (رسولوں) کی طرف وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے اور ان (کی ہلاکت) کے بعد ہم تمہیں زمین پر آباد کر دیں گے۔ یہ (وعدہ انعام) اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور جس نے میرے عذاب سے خوف کھایا۔

تشریح: جب کافر عاجز ہو گئے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہ انبیا علیہم السلام کو دھمکانے اور دیس سے نکالنے کا خوف دلانے لگے۔ حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہما السلام کی قوموں نے بھی اپنے نبیوں اور مومنوں سے یہ کہا تھا کہ تم ہماری ملت میں واپس آجاؤ ورنہ ہم

تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ مشرکین مکہ نے بھی آنحضرت ﷺ کے لئے ایسا ہی منصوبہ بنایا تھا کہ آپ کو قید کر لو یا قتل کر دو یا ملک سے باہر نکال دو۔ لیکن اللہ کی تدبیر کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو امن و سلامتی کے ساتھ مکہ سے نکال کر مدینے لے گیا اور اہل مدینہ کو آپ کا مددگار بنا دیا۔ وہ آپ کے جھنڈے تلے کافروں کے ساتھ لڑے یہاں تک کہ آپ نے مکہ بھی فتح کر لیا۔ اس طرح دین کے دشمنوں کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی، ان کی آرزوئیں پامال ہو گئیں، دینِ خدا لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے لگا اور جماعتوں کی جماعتیں دین میں داخل ہونے لگیں۔ بالآخر اللہ کا کلمہ بلند و بالا ہوا اور دین اسلام روئے زمین کے تمام دینوں پر چھا گیا۔

کفار کی دھمکیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا علیہم السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہی لوگ ہلاک و برباد ہوں گے اور ان کی ہلاکت کے بعد تم ہی زمین کے مالک بنو گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ اَنَاوَرُسُلِيَ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ (سورۂ مجادلہ، آیت ۲۱)

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے۔ بیشک اللہ ہی قوت و غلبے والا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ وعدے ان لوگوں کے لئے ہیں جو قیامت کے روز حساب کتاب کے لئے میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں اور میرے عذاب سے خوف کھاتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ○ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○

(سورۂ النزعات، آیت ۳۷۔۴۱)

پس جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف کھایا اور اپنے

نفس کو خواہشات سے روکا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

(روح المعانی ۱۹۹، ۲۰۰ / ۱۳، ابن کثیر ۵۲۵، ۵۲۶ / ۲)

انبیاء کی دعاء

۱۵، ۱۷۔ وَسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ○ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ○ يَتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ○

اور پیغمبروں نے (اللہ سے) فیصلہ (فتح) طلب کیا اور ہر ایک سرکش اور عناد رکھنے والا غارت ہوا۔ اس کے آگے دوزخ ہے اور اس کو (دوزخ میں) پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا اور اس کو گلے سے نہ اتار سکے گا اور ہر طرف سے اس پر موت (کی اذیت) آئے گی اور وہ کسی طرح مرے گا نہیں (کہ اس اذیت سے نجات پائے) اور اس کو سخت عذاب کا سامنا ہو گا۔

خَابَ : وہ ناکام ہوا۔ وہ نامراد ہوا۔ خَيْبَةٌ سے ماضی۔

عَنِيْدٍ : عناد رکھنے والا۔ مخالف۔ عُنُوْدٌ سے صفت شبہ۔

صَدِيْدٍ : وہ پانی جو دوزخیوں کے خون اور کھالوں سے بہے گا اور اس میں پیپ اور خون ملا ہوا ہو گا۔ کچ لہو۔

يَتَجَرَّعُهٗ : وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیتا ہے۔ وہ اس کو آہستہ آہستہ پیتا ہے۔ تَجَرُّعٌ سے مضارع۔

يَكَادُ : وہ نزدیک ہے۔ وہ قریب ہے۔ امید ہے۔ كَوْدٌ سے مضارع۔

يُسِيْغُهٗ : وہ اس کو آسانی سے نگلے گا۔ اِسَاغَةٌ سے مضارع۔

تشریح: پھر جب اللہ کے پیغمبر قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے فتح پانے اور کافروں پر عذاب نازل ہونے کی دعا کی۔ یہ قول ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور قتادہ رحمہم اللہ کا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ **استفتحوا** کی ضمیر کافروں کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس لئے کافروں نے اللہ سے مدد وفیصلہ طلب کیا جیسے مشرکین مکہ نے کہا تھا:

اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (سورۂ انفال۔ آیت ۳۲)

اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے۔

بعض اہل تفسیر کا خیال ہے کہ **استفتحوا** کی ضمیر دونوں فریقوں کی جانب راجع ہے۔ یعنی اہل حق اور اہل باطل دونوں نے دعا کی کہ سچے کو فتح دے اور باطل پرست کو تباہ کر دے۔

پھر فرمایا کہ مومن تو کامیاب وکامران ہوئے اور تمام ظالم وسرکش ناکام ونامراد ہوئے۔ قیامت کے روز اللہ فرمائے گا کہ ہر کافر وسرکش کو جہنم میں داخل کرو۔ جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے ان کو سخت عذاب میں ڈالو۔ ان کو پانی کی جگہ کچ لہو پلایا جائے گا۔ بدبو اور ناگواری کی وجہ سے وہ اس پانی کو گھونٹ گھونٹ کر کے پئیں گے اور آسانی کے ساتھ اس کو نگل بھی نہ سکیں گے۔ اسی طرح تکلیفیں اور قسم قسم کے عذاب ان پر ہر طرف سے آئیں گے۔ لیکن ان کو موت نہیں آئے گی کہ اس عذاب سے نجات مل جائے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ (ابن کثیر ۵۲۶، ۵۲۷/ ۲، روح المعانی ۲۰۰۔ ۲۰۳/ ۱۳)

امام احمد، ترمذی، نسائی اور حاکم وغیرہ نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ (کچ لہو) اس کے پاس لایا جائے گا تو اسے سخت ناگوار ہوگا پھر جب وہ اس کے زیادہ قریب کیا جائے گا تو وہ اس کے چہرہ کو جھلس دے گا اور اس کے سر کی کھال (جھلس کر) اس میں گر پڑے گی۔ جب وہ اس میں سے ایک گھونٹ پئے گا تو وہ اس کی آنتوں کو کاٹ دے گا۔ یہاں تک وہ (آنتیں) پیخانے کے راستے خارج ہو جائیں گی۔ (مسند احمد ۶/۳۵۵)

کافروں کے اعمال کی مثال

۱۸۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ کَرَمَادِ نِاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا کَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ○

جن لوگوں نے اللہ کا انکار کیا ان کی مثال اس راکھ کی مانند ہے جس پر آندھی کے دن تیز ہوا چلے (ہوا اڑا لے جائے) ان کو (دنیا کی) کمائی میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔ بھٹک کر (سیدھی راہ سے) دور جا پڑنا یہی ہے۔

رَمَادٍ : راکھ۔ خاکستر۔ جمع اَرْمِدَةً۔

عَاصِفٍ : آندھی۔ تیز و تند ہوا۔ عَصْفٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اکثر کافر اپنی رائے اور رواج کے مطابق کچھ نیک کام کر کے اپنے آپ کو اہل توحید سے افضل سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ جس نے خالق سے کفر کیا اس کے اعمال اس کے نفس کے پسندیدہ ہیں۔ وہ اجر و ثواب کے لائق نہیں۔ اجر و ثواب تو انہیں اعمال کا دیا جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ جل و علا نے پسند فرمایا ہو۔ کافروں کے اعمال چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو اس راکھ سے تشبیہ دی جس کو تیز ہوا اڑا لے جائے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا، قیامت کے روز ان کے نیک اعمال کی مثال جو انہوں نے کفر کی حالت میں کئے ہوں گے۔ اس راکھ کی مانند ہو گی جس کو تیز آندھی نے اڑا کر ادھر ادھر منتشر کر دیا ہو۔ قیامت کے روز ان کے کفر کی تیز آندھی ان کے تمام اچھے اعمال کو اڑا کر لے جائے گی اور ان کے کسی نیک عمل کا کہیں نام و نشان نہیں ملے گا۔ جس طرح کوئی شخص اس پراگندہ راکھ کو دوبارہ جمع نہیں کر سکتا اسی طرح قیامت کے روز یہ کافر بھی اپنے اعمال کو جمع کرنے پر قادر نہ ہوں گے۔ سب اعمال راکھ کی طرح اڑ چکے ہوں گے۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ (ابن کثیر ۲/۲۲۷)

قادرِ مطلق

۱۹،۲۰۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْ
هِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ۝
کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بالکل ٹھیک پیدا کیا۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے (فنا کر دے) اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق لے آئے۔ (پیدا کر دے) اور یہ اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں۔

تشریح: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بہترین تدبیر اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ آسمان کی اونچائی اور وسعت کو دیکھو۔ پھر اس میں ٹھہرے ہوئے اور چلتے پھرتے ستاروں میں غور کرو، یہ زمین اور اس پر قائم پہاڑ، جنگل، درخت اور حیوان یہ سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ جس ذات نے ان سب کو پیدا کیا ہے وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تمام بنی آدم کو فنا کر کے تمہاری جگہ زمین پر دوسری مخلوق لے آئے، جو تمہاری طرح مشرک و نافرمان نہ ہو بلکہ مطیع و فرماں بردار ہو۔ یہ بات اس پر ذرا مشکل نہیں۔ وہ ایسا نہیں کہ ایک چیز پر تو قادر ہو اور دوسری چیز اس کی قدرت سے خارج ہو۔ جب وہ ایسا قادر مطلق ہے تو اس کے لئے قیامت قائم کرنا اور اس دن تمہیں دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

پس جو ایسا قادر مطلق ہو وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اس کے ہر حکم پر عمل کیا جائے، اس کی ناراضگی سے بچا جائے اور اسی سے ثواب کی امید رکھی جائے۔ (ابن کثیر ۵۲۷، ۵۲۸/ ۲، مظہری ۲۶۳/ ۵)

قیامت کے دن کافروں کی باہم گفتگو

۲۱۔ وَبَرَزُوا لِلّٰهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ط قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ط سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَالَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ○

اور (قیامت کے روز) سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اس وقت ضعیف لوگ متکبر لوگوں سے کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے۔ سو کیا تم اللہ کے عذاب کا کچھ حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو۔ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ ہمیں کوئی راستہ دکھاتا تو البتہ ہم تمہیں بھی بتادیتے۔ اب ہمارے حق میں برابر ہے کہ خواہ ہم بیقراری کریں یا صبر کریں، ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

بَرَزُوْا : وہ سب نکلے۔ بُرُوْزٌ سے ماضی۔

اَجَزِعْنَآ : ہم پریشان ہوئے۔ ہم مضطرب ہوئے۔ جَزْعٌ سے ماضی۔

مَحِيْصٍ : پناہ گاہ۔ بھاگنے کی جگہ۔ حَيْصٌ سے اسم ظرف مکان۔

تشریح: قیامت کے روز جب سب لوگوں کو قبروں سے نکال کر حساب و کتاب کے لئے اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو کمزور اور کم درجے کے کافر ان لوگوں سے کہیں گے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے اور لوگوں کو پیغمبروں کی اتباع سے روکتے تھے کہ دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے، تمہارے ہی کہنے سے ہم نے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی اور ان کی بات نہیں مانی تھی تو کیا اب تم ہمارے لئے اللہ کے عذاب میں کچھ کمی کرا سکتے ہو اور اس مصیبت کی گھڑی میں ہمارے کچھ کام آسکتے ہو۔ وہ کفر کے سردار جواب دیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ایمان کی توفیق دیتا تو ہم تمہیں بھی سیدھے راستے پر لے چلتے۔ ہم تو خود گمراہ تھے۔ اس لئے ہم نے تمہیں بھی گمراہی کی طرف بلایا، مگر تم کیوں آنکھیں بند کر کے ہمارے کہنے پر چلتے رہے۔ اب ہمارے لئے

دونوں باتیں برابر ہیں، نہ ہائے وائے اور بیقراری نفع دے اور نہ صبر و سہار۔ اب عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ (روح المعانی ۲۰۵،۲۰۷/ ۱۳)

شیطان سے کافروں کا مخاصمہ

۲۲، ۲۳۔ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ○

اور (قیامت کے روز) جب ہر کام کا فیصلہ ہو جائے گا تو (اس وقت) شیطان کہے گا کہ بیشک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا۔ پھر میں نے تم سے وعدہ خلافی کی اور میرا تم پر کچھ زور نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں بلایا تھا۔ سو تم نے (اپنے اختیار سے) میرا کہنا مان لیا۔ پس تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہارا مددگار ہوں اور نہ تم میرے مددگار۔ میں تو مانتا ہی نہیں کہ تم نے مجھے (اللہ کا) شریک ٹھہرایا تھا پہلے۔ بیشک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے، ان کو ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ اپنے رب کے حکم سے ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کی (باہم ملاقات) سلام ہے۔

تَلُوْمُوْنِیْ : تم مجھے ملامت کرو۔ تم مجھے الزام دو۔ لَوْمٌ سے مضارع۔
مُصْرِخِکُمْ : تمہاری فریاد کو پہنچنے والا۔ تمہارا مددگار۔ اِصْرَاخٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جب حساب و کتاب کے بعد اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہل دوزخ، دوزخ میں تو تمام اہل دوزخ جمع ہو کر ابلیس کو لعنت و ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ تو نے ہی ہمیں راہِ حق سے ہٹا کر تباہ و برباد کیا۔ اس وقت ابلیس ملعون جہنم میں کھڑا ہو کر، ان سے کہے گا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے روز حشر و نشر، حساب و کتاب اور جزاو سزا سب حق ہے، جو اللہ کا کفر وانکار کرے گا وہ ہلاک و برباد ہو گا اور جو اللہ پر ایمان لائے گا وہ فلاح پائے گا۔ سو تم نے اللہ کے اس سچے وعدہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، میں نے تم سے غلط وعدہ کیا تھا کہ نہ دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور نہ حساب و کتاب ہو گا۔ اگر ایسا ہوا بھی تو بت تمہاری سفارش کر کے تمہیں بچالیں گے۔ لیکن آج معاملہ میرے وعدے کے برعکس نکلا، میں تو تمہیں سبز باغ دکھاتا تھا، میری باتیں تو بے دلیل تھیں، پھر تم پر میرا کوئی زور بھی نہ تھا کہ زبردستی تمہیں کفر کی طرف کھینچ لیتا۔ اگر تم میرا کہنا نہ مانتے تو میں تمہارا کیا کر سکتا تھا اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو کہ تم نے اپنے رب کی اطاعت چھوڑ کر میری بات مانی جبکہ میرے پاس اپنی بات کی کوئی دلیل بھی نہ تھی۔ سو اب نہ تو میں تمہیں عذاب سے بچا سکتا ہوں اور نہ تم مجھے عذاب سے بچا سکتے ہو۔ اب تو ہم سب کو دائمی عذاب میں رہنا پڑے گا۔ بیشک تم جو دنیا میں مجھے اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے، آج میں تمہارے اس اعتقاد سے بری اور بیزار ہوں۔ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ بیشک ظالموں کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کو یقیناً ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ اپنے رب کے حکم سے ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت میں جب وہ آپس میں ملاقات کریں گے تو ایک دوسرے پر سلامتی بھیجیں گے اور فرشتے بھی ان پر سلامتی بھیجیں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۳۱، ۱۳۲ / ۴، مظہری ۲۶۴، ۲۶۶ / ۵)

کلمۂ ایمان کی مثال

۲۴، ۲۵۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ طیبہ (توحید و ایمان کی) کیسی مثال بیان کی ہے۔ گویا کہ وہ ایک پاکیزہ درخت ہے، جس کی جڑ مستحکم اور اس کی شاخ آسمان میں ہے۔ وہ (کلمۂ طیبہ) اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے (ایسی) مثالیں اس لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

اَصْلُهَا: اس کی جڑ۔ جمع اُصُوْلٌ۔

فَرْعُهَا: اس کی شاخ۔ اس کا بالائی حصہ۔ اس کا نفع۔ جمع فُرُوْعٌ۔

حِيْنٍ: وقت۔ زمانہ۔ مدت۔

تشریح: کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ توحید و ایمان اور کلمۂ کفر و شرک کی کیسی عمدہ، عجیب اور باموقع مثال بیان کی ہے۔ کلمۂ توحید و ایمان ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے، جس کی جڑ زمین میں خوب مضبوطی سے جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند و بالا ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہاں شجر طیبہ سے مراد کھجور کا درخت ہے جو اپنے بے شمار منافع کی وجہ سے اطیب الاشجار ہے۔ اسی طرح کلمۂ توحید و ایمان کی جڑ مومن کے قلب میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہے۔ سو مومن کا قلب بمنزلہ زمین کے ہے اور توحید کے اعتقاد کا اس میں راسخ ہونا کلمۂ ایمان کی جڑ ہے۔ اور اعمال صالحہ اس شجرہ طیبہ کی شاخیں ہیں جو آسمان قبولیت تک پہنچ رہی ہیں۔

یہ پاکیزہ درخت اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا رہتا ہے۔ اس کا پھل کبھی منقطع نہیں ہوتا اسی طرح مومن کا عمل قبول ہوتا ہے اور اس کی برکتیں ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہیں اور اس کا اجر وثواب کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ایسی عام مثالیں لوگوں کے فائدے کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ ہر درجہ کا آدمی معمولی غور و فکر سے ان کو با آسانی سمجھ لے اور ان سے نصیحت حاصل کرے۔ (مواہب الرحمٰن ۳۱۴، ۳۱۵ / ۱۳)

کلمۂ کفر کی مثال

۲۶، ۲۷۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۗ وقف وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝

اور ناپاک کلمہ (کفر وشرک) کی مثال ایک ناپاک درخت کی سی ہے جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے۔ اس کو ذرا بھی قرار (ثبات) نہیں۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں قول ثابت (سچی بات) پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

تشریح: کلمہ خبیثہ یعنی کفر کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نہایت خراب، غیر مفید اور ناکارہ درخت ہو اور اس کی جڑ زمین کے اندر مضبوطی سے پیوست نہ ہو اور نہ اس کے پتے ہوں بلکہ وہ ایسا کمزور ہو کہ اس کو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اور زمین کے اندر اس کا جماؤ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جس درخت کی اصل (جڑ) ہی نہ ہونے کے برابر ہو اس کی شاخ کا کیا ذکر۔

پھر فرمایا کہ مومن دنیا کی زندگی سے لے کر حشر تک کلمۂ توحید وایمان کے ذریعہ مضبوط وثابت قدم رہیں گے۔ دنیا میں کیسی ہی آفات وحوادث پیش آئیں، کتنا ہی سخت امتحان

ہو یا قبر میں منکرین سے سوال و جواب ہوں، ہر موقع پر یہی کلمہ توحید و ایمان ان کی استقامت کا ذریعہ بنے گا۔ جہاں تک کفار و مشرکین کا معاملہ ہے تو وہ قیامت تک بھٹکتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی کو ایمان کی توفیق دیتا ہے اور کسی کو ایمان کی توفیق سے محروم رکھتا ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۳۱۳،۳۱۴، ۳۲۷ / ۱۳، عثمانی ۷۲۴ / ۱)

کفار و مشرکین کی مذمت

۲۸، ۳۰۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ○ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ○ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ○

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر (جہنم) میں پہنچا دیا، جو دوزخ ہے، جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے بہکائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم دنیا میں چند روز مزے اڑا لو، بالآخر تمہیں دوزخ ہی کی طرف جانا ہے۔

اَحَلُّوْا : انہوں نے اتار۔ اِحْلَالٌ سے ماضی۔

اَلْبَوَارِ : تباہی۔ ہلاکت۔ مصدر ہے۔

تشریح: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کے انعام کو ناشکری سے بدل دیا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس آیت سے مشرکین مکہ مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جس نے ان کو ایمان و توحید کی دعوت دی اور کفر و شرک سے منع کیا مگر ان ظالموں نے ایمان کی نعمت کے

بدلے کفر و شرک کو اختیار کیا جس کے نتیجے میں خود بھی تباہ و برباد ہوئے اور اپنی قوم کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔ وہ خود بھی جہنم میں داخل ہوں گے اور ان کے ساتھ وہ لوگ بھی جہنم میں جائیں گے جو ان کے کہنے پر چلتے رہے اور جہنم بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ پھر انہوں نے دوسرے لوگوں کو اللہ کے راستے سے ہٹانے کے لئے اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک ٹھہرایا، حالانکہ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ تو واحد و یکتا اور قادر مطلق ہے۔ اے نبی ﷺ! آپ ان کو بتا دیجئے کہ اب تم چند روز دنیوی فائدہ اٹھالو اور اس کے مزے اڑالو اس کے بعد تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ جہاں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ (مظہری ۲۷۰، ۲۷۲/ ۵، ابن کثیر ۵۳۸، ۵۳۹/ ۲)

مومنین کی حوصلہ افزائی

۳۱۔ قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ سِرًّا وَّعَلَا نِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰـلٌ ○

(اے نبی ﷺ!) آپ میرے مومن بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں، اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی اور نہ دوستی ہو گی۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ میرے ان بندوں سے جو ایمان لے آئے ہیں کہہ دیجئے کہ وہ نماز قائم کریں جو الله وحده لاشريك له کی عبادت ہے اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر اللہ کی خوشنودی کے لئے، اس کی راہ میں خرچ کرتے رہیں تاکہ اس دن ان کو گناہوں اور خطاؤں سے نجات ملے، جس دن نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی جو ان کے قصور کا بدلہ ہو سکے اور نہ کوئی دوستی ہو گی جو کسی کے کام آسکے۔ وہاں تو صرف عدل و انصاف ہو گا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر مومنوں کو اپنے بندے کہہ کر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

منعم حقیقی کی دس صفات

۳۲، ۳۴۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ج وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ج وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ O وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ج وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ O وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ط وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ O

اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس پانی سے پھل پیدا کئے، جو تمہاری روزی ہے اور (تمہارے نفع کے) لئے کشتیوں کو مسخر کر دیا تاکہ وہ اللہ کے حکم سے سمندر میں چلیں اور تمہارے (نفع کے) لئے نہریں مسخر کر دیں اور تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا جو برابر چکر لگاتے رہتے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن کو محکوم کیا اور اس نے تمہیں ہر وہ چیز دی جو تم نے اس سے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان کو شمار نہ کر سکو گے۔ بے شک انسان بڑا بے انصاف (اور) ناشکرا ہے۔

دَآئِبَیْنِ : پھرنے والے۔ ایک دستور پر چلنے والے۔ دَاْبٌ سے اسم فاعل۔

تُحْصُوْهَا : تم شمار کرو گے۔ تم گنو گے۔ اِحْصَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی دس صفات کا بیان ہے:

۱۔ اللہ تو وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور ان کو تمہارے لئے چھت بنایا۔

۲۔ اس نے زمین کو پیدا کیا اور اس کو تمہارے لئے بہترین فرش بنایا۔

۳۔ اسی نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا جو تمہاری زندگی کے لئے ضروری

ہے۔ پھر اس پانی سے تمہارے کھانے کے لئے پھل اور غلہ پیدا کیا۔

۴۔ اسی نے تمہاری سواری اور بار برداری کے لئے جہازوں اور کشتیوں کو تمہارے کام پر لگا دیا تاکہ وہ اللہ کی مشیت کے مطابق سمندر اور دریاؤں میں چلیں اور تمہیں دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے اور ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچائیں اور تم یہاں کا مال وہاں اور وہاں کا مال یہاں لاؤ لے جاؤ اور اس سے نفع حاصل کرو۔

۵۔ اس نے دریاؤں کو بھی تمہارا خدمت گار بنا دیا۔ تم جہاں چاہتے ہو ان کا رخ موڑ کر ان کو لے جاتے ہو اور ان کے پانی سے فائدہ حاصل کرتے ہو۔ تم ان کا پانی پیتے پلاتے ہو، نہاتے دھوتے ہو اور اپنی کھیتیاں سیراب کرتے ہو۔

۶۔ اسی نے تمہارے کام کے لئے سورج کو سرگرم کر دیا۔

۷۔ اسی نے تمہارے منافع کے لئے چاند کو سرگرم عمل کر دیا۔ تم سورج اور چاند دونوں سے بے شمار فوائد حاصل کرتے ہو۔ کھیتیوں اور پھلوں کا پکنا اور دن اور رات اور ماہ و سال کا حساب اور راستوں کا تعین وغیرہ کا انحصار انہی دونوں پر ہے۔

۸۔ اس نے رات کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تاکہ تم آرام کرو۔

۹۔ اس نے دن کو بھی تمہاری خدمت پر لگا دیا تاکہ تم اس کے اجالے میں کسبِ معاش کر سکو۔

۱۰۔ مذکورہ بالا نعمتوں کے علاوہ جو کچھ تم نے اس سے مانگا وہ بھی اس نے بقدرِ ضرورت وحاجت تمہیں دیا۔

اس نے بے شمار چیزیں بغیر مانگے بھی تمہیں دیں۔ اگر تم اس کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہوں تو تم شمار نہیں کر سکتے۔ بے شک انسان بڑا ظالم اور ناشکرا ہے۔ سختی اور مصیبت پر بے صبری اور بے قراری کا مظاہرہ کرتا ہے اور آسائش و نعمت پر شکر ادا نہیں کرتا۔

مسندِ بزار کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز انسان کے تین دیوان نکلیں گے۔ ایک میں نیکیاں لکھیں ہوئی ہوں گی دوسرے میں گناہ ہوں گے۔ تیسرے میں اللہ کی نعمتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے

فرمائے گا کہ اٹھ اور اپنا معاوضہ اس کے نیک اعمال میں سے لے لے۔ اس سے اس کے سارے ہی (نیک) اعمال ختم ہو جائیں گے۔ پھر وہ یکسو ہو کر کہے گی کہ اے اللہ میری پوری قیمت وصول نہیں ہوئی۔ (ابن کثیر ۵۳۹، ۲/۵۴۰)

مکہ شہر کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی دعا

۳۵، ۳۶۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور جب (حضرت) ابراہیم نے کہا (دعا کی) اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس سے دور رکھ کہ ہم بتوں کی عبادت کرنے لگیں۔ اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، پس جو میری پیروی کرے وہ تو میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح: یہاں مشرکین مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم جن کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے بیت اللہ کے مجاور و متولی بنے بیٹھے ہو، انہوں نے اس گھر کی بنیاد خالص توحید پر رکھی تھی۔ ان ہی کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے اس شہر مکہ کو آباد کیا اور اس پتھریلے ریگستان میں ظاہری و باطنی نعمتوں کے انبار لگا دیئے۔ وہ دنیا سے یہی دعائیں اور وصیتیں کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ان کی اولاد شرک سے اجتناب کرتی رہے۔ اب تم خود سوچو کو تم نے ان کی وصیتوں کا کہاں تک خیال رکھا اور ان کی دعاؤں کے نتیجہ میں تم پر جو اللہ کے انعامات و احسانات ہوئے ان کا کس قدر شکر ادا کیا۔ (عثمانی ۱/۷۲۶)

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا کی کہ اے میرے رب! اس مکہ شہر کو امن و امان والا شہر بنا دے۔ جو شخص یہاں رہے یا آئے وہ ظاہری و باطنی

آفات سے محفوظ و مامون ہو جائے۔ مجھے اور میری صلبی اولاد کو شرک و بت پرستی سے دور رکھ خواہ وہ شرک جلی ہو یا خفی۔ اے اللہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری اولاد شیطانی چکروں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائے۔ اے میرے پروردگار! بلاشبہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ پس جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے وہ میری ملت میں داخل نہ ہو۔ بلاشبہ تو مغفرت ورحمت پر قادر ہے کہ ان کو توبہ کی توفیق دے دے اور ان کو کفر و شرک سے نکال کر اسلام میں داخل کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان کے صلبی بیٹوں میں سے کسی نے بت کو نہیں پوجا۔ اس دعا میں وبَنی سے حضرت ابراہیم کی نسل مراد نہیں بلکہ ان کے خاص صلبی فرزند مراد ہیں اور وہ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام ہیں جو اکابر انبیاء میں سے ہیں۔ (مظہری ۵/۲۷۴)

اپنی اولاد کے لئے دعا

۳۷۔ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ○

اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے معزز گھر کے قریب ایک ایسی وادی (میدان) میں آباد کیا ہے جہاں کھیتی (تک) نہیں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لئے تاکہ یہ لوگ نماز قائم کریں۔ سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں کی روزی دے تاکہ وہ شکر کیا کریں۔

اَفْئِدَۃً : دل۔ قلوب۔ واحد فؤادٌ۔

تَھْوِیْ : وہ (اوپر سے نیچے) گراتی ہے۔ وہ پھینک دیتی ہے۔ ھُوِیٌّ سے مضارع۔

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو شیر خوارگی کی حالت میں اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو ایک چٹیل میدان میں، جہاں بعد میں اللہ کے حکم سے زمزم کا چشمہ جاری ہوا، چھوڑ کر ملک شام چلے گئے۔ بعد میں وہاں قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ پہنچے اور پانی دیکھ کر وہاں ٹھہر گئے اور حضرت ہاجرہ کی اجازت سے وہیں آباد ہو گئے۔ حضرت اسمٰعیل جب بڑے ہوئے تو اسی قبیلے میں ان کی شادی ہوئی۔ اس طرح جہاں آج مکہ ہے وہاں ایک بستی آباد ہو گئی۔ حضرت ابراہیمؑ کبھی کبھی شام سے یہاں تشریف لاتے تھے اور اس بستی اور بستی والوں کے لئے دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! میں نے اپنی ایک اولاد کو اس بنجر اور چٹیل جگہ میں تیرے حکم سے تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسا دیا ہے تاکہ یہ تیرا اور تیرے گھر کا حق ادا کریں تو اپنے فضل سے کچھ لوگوں کے دل ادھر متوجہ کر دے کہ وہ یہاں آئیں اور تیری عبادت کریں۔ اے اللہ! تو ان کی روزی کے لئے غیب سے ایسا سامان فرما دے کہ غلہ، پانی، عمدہ میوے اور پھلوں کی یہاں افراط ہو جائے تاکہ یہ لوگ اطمینانِ قلب کے ساتھ تیری عبادت اور شکر گزاری میں لگے رہیں۔ (عثمانی ۷۲۷/۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول فرمائی اور اس وادی کو پرامن حرم بنا دیا۔ یہاں ہر طرف سے پھل لائے جانے لگے۔ یہاں تک کہ ایک ہی وقت اور ایک ہی زمانے میں یہاں گرمی، سردی اور ربیع و خریف کے پھل ملتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی ایک اور دعا

۳۸، ۳۹۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○

اے ہمارے رب! بیشک تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ

ظاہر کرتے ہیں اور اللہ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ تمام حمد (و ثنا) اللہ کے لئے (سزاوار) ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عنایت کئے۔ بیشک میرا رب دعا کا بڑا سننے والا ہے۔

تشریح: اے اللہ! تو ہمارے تمام احوال و مصالح سے واقف ہے اور ہم سے زیادہ ہم پر رحم اور مہربانی کرنے والا ہے۔ تو ہمارے مقصود کو ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ ہمیں دعا کی ضرورت بھی نہیں لیکن ہم اپنی عبدیت اور بندگی کا اظہار کرنے کے لئے تجھ سے دعا کرتے ہیں، اپنی حاجتوں کا اظہار کرنے اور تیری رحمت کی طلب میں تجھ سے سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ، تجھ پر آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ تجھے ہر چیز معلوم ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز تو تجھے معلوم ہو اور کوئی نامعلوم۔

بڑھاپے کی وجہ سے میں تو مایوس ہو گیا تھا لیکن اے اللہ یہ تیرا احسان اور عظیم الشان نعمت اور شان قدرت ہے کہ تو نے بڑھاپے کے باوجود مجھے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق جیسے فرزند عطا فرمائے۔ بیشک تو دعاؤں کا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ تو نے میری دعا قبول فرمائی اور ناامیدی کی حالت میں نرینہ اولاد عطا فرمائی۔ اے اللہ ہر قسم کی حمد و شکر تیرے ہی لئے سزاوار ہے۔ (مظہری ۵/۲۷۸)

اپنے والدین کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی دعا

۴۰، ۴۱۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ق رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ O رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوٰلِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ O

اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا دے اور میری اولاد میں سے بھی (نماز قائم کرنے والے ہوں)۔ اے ہمارے رب! اور میری (یہ) دعا (بھی) قبول فرما۔ اے ہمارے رب! جس دن حساب قائم ہو گا

اس دن مجھے اور میرے ماں باپ اور مومنوں کو بخش دینا۔

تشریح: حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی کہ مجھے اور میری نسل کے کچھ لوگوں کو نماز قائم کرنے والا بنادے۔ انہوں نے اپنی تمام اولاد کے لئے اس لئے دعا نہیں کہ ان کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی سب اولاد مسلمان نہ ہو گی یا مسلمان تو ہو گی مگر نماز کی پابند نہ ہو گی۔ اقامتِ صلوۃ یہ ہے کہ نماز کو ارکان و آداب اور پابندیٔ اوقات و شرائط کے ساتھ ہمیشہ ادا کیا جائے۔

پھر دعا کی کہ تو اپنے جود و کرم اور فضل و مہربانی سے میری دعا قبول فرما اور جس دن حساب قائم ہو گا اس دن تو میری، میرے والدین اور تمام اہل ایمان کی مغفرت فرما دینا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والدین کے لئے مغفرت کی دعا اس وقت کی تھی جب وہ زندہ تھے کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور اللہ کی مغفرت و رحمت میں داخل ہو جائیں۔ پھر جب ان کا خاتمہ کفر و شرک پر ہوا تو حضرت ابراہیمؑ ان سے بری اور بیزار ہو گئے۔

(مظہری ۲۷۸، ۲۷۹/۵، عثمانی ۲۷۸/۱)

اللہ کافروں کے اعمال سے غافل نہیں

۴۲، ۴۳۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غٰفِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ط اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصٰرُ ۝ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ج وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝

اور (اے مخاطب) ہر گز خیال نہ کرنا کہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے بے خبر ہے۔ ان کو تو محض اس دن تک ڈھیل دے رکھی ہے جس دن (عذاب کی دہشت سے) آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ (قیامت کے روز) وہ اپنے سروں کو اوپر اٹھائے ہوئے (میدان حشر کی طرف) دوڑتے چلے جا رہے ہوں گے۔ ان کی نظر خود اپنی طرف بھی لوٹ کر نہیں آئے گی اور ان کے دل دھک دھک کر رہے ہوں گے۔

تَشْخَص : وہ پھٹی رہ جائے گی۔ وہ کھلی رہ جائے گی۔ شُخُوصٌ سے مضارع۔
مُهْطِعِيْنَ : دوڑ کر آنے والے۔ امنڈ کر آنے والے۔ اِهْطَاعٌ سے اسم فاعل۔
مُقْنِعِي : اٹھانے والے (سروں کو) اونچا کرنے والے۔ اِقْنَاعٌ سے اسم فاعل۔
هَوَآءٌ : گرے ہوئے۔ بدحواس۔ خالی۔

تشریح: کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے اعمال کا علم نہیں، اسی لئے وہ دنیا میں پھل پھول رہے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈھیل اور مہلت دے رکھی ہے اور ان کو کھلے بندوں چھوڑ رکھا ہے تاکہ وہ یا تو توبہ کرلیں، راہِ راست پر آجائیں یا پھر گناہوں میں بڑھتے رہیں یہاں تک کہ قیامت کا دن آجائے جس کی ہولناکیاں آنکھیں پتھرا دیں گی اور لوگوں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اس دن جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ حیرت و دہشت کی شدت سے سر اوپر کو اٹھائے ہوئے پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑے چلے جارہے ہوں گے۔ کوئی کسی طرف نہیں دیکھے گا۔ ان کی نگاہ ان کی طرف واپس نہیں لوٹے گی، یعنی خوف و دہشت کی وجہ سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ ان کی پلک بھی نہ جھپکے گی اور ان کے دل بالکل بدحواس ہوں گے۔ (ابن کثیر ۲/۵۴۱)

کافروں کا مہلت مانگنا

۴۴، ۴۵۔ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝

اور آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آئے

گا۔ پھر ظالم کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی مدت تک مہلت دے دے تاکہ ہم تیری دعوت کو قبول کر لیں اور رسولوں کی اتباع کر لیں۔ ان کو جواب ملے گا کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تمہیں کسی طرح کا زوال نہیں حالانکہ تم انہیں لوگوں کی بستیوں میں رہتے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا تھا اور تمہارے لئے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں۔

تشریح: یہاں کافروں کی طرف سے مہلت مانگنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دنیا میں عذابِ الٰہی یا موت کی شدت دیکھ کر چند روز کی مہلت طلب کریں کہ آئندہ اپنا رویہ درست کر لیں گے اور حق کی دعوت قبول کر کے انبیاء علیہم السلام کی پیروی اختیار کر لیں گے۔ دوسرا مطلب یہ کہ وہ قیامت کے روز یہ تمنا کریں گے کہ ان کو تھوڑی سی مدت کے لئے دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئیں اور اس کی دعوت کو قبول کر لیں۔

مہلت طلب کرنے کے جواب میں اللہ تعالیٰ کافروں سے کہے گا کہ کیا ہم نے دنیا میں تمہیں مہلت نہیں دی تھی۔ کیا تم اس سے پہلے دنیا میں قسمیں کھا کر نہیں کہا کرتے تھے کہ ہم تو دنیا میں ہمیشہ رہیں گے، ہم کبھی نہیں مریں گے اور نہ اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ سو اب تم اس قیامت کا مزہ چکھو جس کا تم انکار کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تم ان لوگوں کے گھروں میں رہے ہو جنہوں نے کفر و معصیت کر کے اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور رسولوں کا مقابلہ کیا تھا، جیسے قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہ۔ کیا ان کے آثارِ قدیمہ کا مشاہدہ کر کے اور ان کی تباہی و بربادی کی خبریں سن کر تم پر ظاہر نہیں ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور کیا تمہاری عبرت کے لئے ہم نے ان کے احوال کی مثالیں بیان نہیں کیں۔ مگر تم نے کوئی سبق نہیں حاصل کیا۔ (ابن کثیر ۲/۵۴۲)

کافروں کے داؤ پیچ

۴۶، ۴۷۔ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

اور انہوں نے اپنی بڑی تدبیریں کی تھیں اور ان کی تدبیریں اللہ کے سامنے تھیں اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جاتے۔ پس ہرگز نہ خیال کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا۔ بیشک اللہ بڑا زبردست ہے، پورا بدلہ لینے والا ہے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ کو جلاوطن کرنے یا قید کرنے یا قتل کرنے کے لئے مشرکینِ مکہ نے اپنے داؤ پیچ کئے یا یہ مطلب ہے کہ کفارِ مکہ نے حق کو مٹانے اور باطل کو ابھارنے کی اپنی سی ہر تدبیر اور ہر کوشش جو وہ کر سکتے تھے کرلی۔ ان کے داؤ پیچ اللہ کے پاس لکھے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو اس فریب کاری کی سزا دے گا۔ ظاہری طور پر ان کی تدبیریں واقعی ایسی تھیں کہ عجب نہیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ لیکن حق تو ان پہاڑوں سے کہیں زیادہ مضبوط ہے۔ وہ ان ظالموں کے مکرو فریب سے نہیں ٹل سکتا۔ اللہ اپنے دین کا حافظ وناصر ہے۔ سو آپ یہ گمان نہ کریں کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے، رسولوں کی تکذیب کرنے والوں اور آخرت کا انکار کرے والوں کو عذاب دینے کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کو ضرور پورا کرے گا۔ بلاشبہ اللہ غالب ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ اپنے دوستوں کا بدلہ ان کے دشمنوں سے لیتا ہے۔ اس کو بدلہ لینے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

(مظہری ۲۸۱، ۲۸۳ / ۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۴۷، ۱۴۸ / ۴)

قیامت کے روز زمین و آسمان کا تبدیل ہونا

۴۸۔۵۱۔ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ○ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ○ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○

جس دن (قیامت کے دن) یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (اور آسمان سے بدل دیا جائے گا) اور لوگ (قبروں سے) نکل کر اللہ واحد و غالب کے سامنے پیش ہوں گے اور اس دن تو مجرموں (کافروں) کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا۔ ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور ان کے چہروں پر آگ لپٹی ہو گی تاکہ اللہ ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ دے۔ بیشک اللہ سرعت کے ساتھ حساب لینے والا ہے۔

بَرَزُوا: وہ سب نکلے۔ بُرُوْزٌ سے ماضی۔

مُقَرَّنِيْنَ: قوت والے۔ قابو میں لانے والے۔ اِقْرَانٌ سے اسم فاعل۔

اَصْفَادِ: زنجیریں۔ واحد صَفَدٌ و صَفَادٌ۔

سَرَابِيْلُهُمْ: ان کے لباس۔ ان کے کرتے۔ واحد سِرْبَالٌ۔

قَطِرَانٍ: گندھک۔ تیل کی طرح ایک سیال مادہ۔

تشریح: جس دن اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا اور آسمان بھی بدل دیئے جائیں گے اس روز سب لوگ قبروں سے نکل کر حساب و کتاب اور جزاوسزا کے لئے اللہ تعالٰی کے سامنے کھڑے ہوں گے جو واحد و یکتا ہے اور سب پر غالب ہے۔ اس دن مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کے

لباس سیاہ گندھک کے ہوں گے جو تیزی سے آگ پکڑ لیتی ہے اور ان کے چہروں پر آگ لپٹی ہوئی ہو گی، ظاہری اعضا میں چہرہ ممتاز حیثیت رکھتا ہے اسی لئے خصوصیت کے ساتھ چہروں کا ذکر کیا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہو گا تاکہ اللہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دے دے۔ **بیشک اللہ بہت سرعت کے ساتھ حساب لینے والا ہے۔** (مظہری ۲۸۵،۲۸۷/ ۵،ابن کثیر ۵۴۵/ ۲)

مسند احمد میں حضرت ابومالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہوں گے جن کو وہ نہیں چھوڑیں گے۔۱۔ حسب پر فخر، ۲۔ نسب میں طعنہ زنی، ۳۔ ستاروں سے بارش کی طلبی، ۴۔ میت پر نوحہ۔ اور اگر نوحہ کرنے والی (عورت) نے اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت کے روز اسے سیاہ گندھک کا لباس اور کھجلی کا دوپٹہ پہنایا جائے گا۔ مسلم میں بھی یہ حدیث آئی ہے۔ (مسند احمد ۲۷۴/ ۶)

اللہ کا پیغام

۵۲۔ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

یہ (قرآن) ایک پیغام ہے لوگوں کے لئے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو (قہر الٰہی سے) ڈرایا جائے اور تاکہ لوگ جان لیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت پکڑیں۔

تشریح: یہ قرآن لوگوں کے لئے اللہ کا کھلا پیغام ہے تاکہ لوگ سعادت و شقاوت کو پہچانیں اور ظلمتوں سے نکل کر نور کی طرف آئیں اور تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو خبردار کر دیا جائے اور لوگ اس بات کا یقین کر لیں کہ معبودِ برحق وہی ذاتِ واحد و یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور عقل مند لوگ اس سے نصیحت و عبرت حاصل کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ حجر

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حجر کے رہنے والوں کی عبرتناک ہلاکت کا بیان ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ حجر رکھ دیا گیا۔ حجر شام اور مدینے کے درمیان ایک وادی ہے جہاں سابقہ امتوں میں سے ایک کافر امت آباد تھی۔

تعارف: اس میں ۶ رکوع، ۹۹ آیتیں، ۶۶۳ کلمات اور ۲۹۰۷ حروف ہیں۔

یہ سورت بالا جماع مکی ہے۔ ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں زیادہ تر منکرین نبوت اور مکذبین رسالت کی عقوبت و ہلاکت کے واقعات اور توحید و قیامت کا ذکر ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کی حقانیت، قیامت کے روز اہل غفلت کی حسرت اور کافروں کی سرکشی مذکور ہے۔ آخر میں اللہ کی طرف سے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لینا اور کافروں کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی تکذیب پر آپ کو تسلی دی گئی ہے۔

رکوع ۲: توحید کے دلائل اور عجائبات قدرت بیان کئے گئے ہیں۔

رکوع ۳: آدم و ابلیس کی تخلیق، فرشتوں کے سامنے تخلیق آدم کا اعلان اور ابلیس کے غرور و تکبر کا بیان ہے۔ اس کے بعد ابلیس مردود پر ابدی لعنت اور ابلیس کا اعلان انتقام مذکور ہے۔

رکوع ۴: اہلِ جنت کا ثواب اور نعمتیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۵: قومِ لوط اور اصحابِ ایکہ (قوم شعیب) کا عذابِ الٰہی کے نتیجے میں ہلاک ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۶: شروع میں اصحابِ حجر کا ذکر ہے پھر تخلیق کائنات کی حکمت و مصلحت اور آنحضرت ﷺ کے لئے سبع مثانی اور قرآن عظیم کے تحفوں کا بیان ہے۔ آخر میں آنحضرت ﷺ کو اللہ کا پیغام صاف صاف پہنچانے کا حکم ہے۔

قرآن کی حقانیت

۱۔ الۗرٰ ۝

یہ حروفِ مقطعات ہیں۔ ان کے اسرار و معانی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ایک بھید ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

یہ کتاب (الٰہی) اور قرآنِ مبین کی آیتیں ہیں۔

تشریح: یہ آیتیں جن کی تلاوت محمد ﷺ کرتے ہیں ایک عظیم الشان اور مکمل کتاب کی آیتیں ہیں جو قرآن مبین ہے اور جس کے اصول واحکام صاف اور روشن ہیں اور عقل و نقل سے ثابت ہیں۔ یہ قرآن حلال کو حرام سے جدا کرنے والا اور ہدایت و گمراہی کو کھول کر اور واضح طور پر بیان کرنے والا ہے۔ لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس کتاب کو توجہ سے سنیں اور اس پر ایمان لائیں۔

قیامت کے روز اہلِ غفلت کی حسرت

۲۔۵۔ رُبَمَا يَوَدُّالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا

وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَ مَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا
مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا
وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝

کافر لوگ بار بار تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی (دنیا میں) مسلمان ہوتے۔ (اے پیغمبر ﷺ) ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے کہ وہ (خوب) کھالیں اور فائدہ اٹھالیں اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں بہت جلد ان کو (حقیقت) معلوم ہو جائے گی۔ ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر (اس کی تباہی سے پہلے) اس کا وقت لکھا ہوا (اور) مقرر تھا۔ کوئی قوم نہ اپنے مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔

رُبَمَا : کسی وقت، بسا اوقات، اکثر اوقات۔
يَوَدُّ : وہ چاہتا ہے۔ وہ پسند کرتا ہے۔ وہ خواہش کرتا ہے۔ مَوَدَّةٌ سے مضارع۔
يُلْهِهِمُ : وہ ان کو غافل بناتا ہے۔ وہ ان کو مشغول رکھتا ہے۔ اِلْهَاءٌ سے مضارع۔
اَمَلُ : آرزو، امید، توقع، جمع اٰمَالٌ۔

تشریح: قیامت کے روز کافر اپنے کفر وانکار پر نادم و پشیمان ہوں گے اور جب اپنے کفر وانکار کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو بار بار تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں مسلمان ہوتے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ہر کافر اپنی موت کو دیکھ کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کرتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے روز بھی ہر کافر کی یہی تمنا ہو گی۔ وہ جہنم کے پاس کھڑے ہو کر کہیں گے کہ کاش اب ہم دنیا میں واپس بھیج دیئے جائیں تو نہ تو ہم اللہ کی آیتوں کو جھٹلائیں گے اور نہ ترکِ ایمان کریں گے۔

ابن المبارک، ابن ابی شیبہ اور بیہقی وغیرہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کے متعلق بیان کیا کہ ان دونوں نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ دوزخ کے اندر گنہگار مسلمانوں اور مشرکوں کو جمع کر دے گا تو مشرک لوگ مسلمانوں سے

کہیں گے کہ تمہاری عبادت نے تمہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ سو اللہ تعالیٰ ان (کافروں) پر ناراض ہو گا اور اپنے فضل و رحمت سے مسلمانوں کو دوزخ سے باہر نکال دے گا۔ (روح المعانی ۴ / ۱۴)

طبرانی، ابن عاصم اور بیہقی نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب دوزخی دوزخ میں جمع ہو جائیں گے اور اللہ کی مشیت کے تحت کچھ اہل قبلہ (گنہگار مسلمان) بھی ان کے ساتھ ہوں گے تو کافر لوگ مسلمانوں سے کہیں گے کہ کیا تم مسلمان نہ تھے؟ مسلمان کہیں گے: "ہاں تھے"۔ کافر کہیں گے تو پھر اسلام سے تمہیں کیا فائدہ ہوا؟ تم بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں آ گئے۔ مسلمان کہیں گے کہ ہمارے کچھ گناہ تھے جن کی وجہ سے اللہ نے ہمیں پکڑ لیا۔ یہ گفتگو اللہ تعالیٰ سنے گا تو حکم دے گا کہ اہل قبلہ میں سے جو بھی دوزخ کے اندر ہو اس کو نکال لیا جائے۔ چنانچہ سب مسلمان نکال لئے جائیں گے۔ دوزخی کافر جب یہ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو ہم کو بھی ان (مسلمانوں) کی طرح نکال لیا جاتا۔ پھر آپ نے آیت رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ تلاوت فرمائی۔ (مظہری ۲۹۰، ۲۹۲ / ۵)

پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے کہ یہ لوگ خوب کھائیں پئیں اور دنیا کے مزے اڑائیں اور طویل آرزوئیں ان کو آخرت سے غفلت میں ڈالے رکھیں۔ یہ لوگ بہت جلد حقیقتِ حال کو جان لیں گے۔ ہم نے جتنی بستیاں بھی ہلاک کی ہیں ان کے لئے پہلے سے ان کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر تھا۔ کوئی قوم نہ تو اپنی مقررہ مدت سے پہلے ہلاک ہو سکتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے۔ بس جب اللہ کی حجت پوری ہو جاتی ہے اور عذر ختم ہو جاتا ہے تو وہ مقررہ وقت آ پہنچتا ہے اور وہ قوم ہلاک ہو جاتی ہے۔

کافروں کی سرکشی

۶، ۸۔ وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ○ لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ

اِلَّا بِالۡحَقِّ وَمَا كَانُوۡۤا اِذًا مُّنۡظَرِيۡنَ ۝

اور کفارِ (مکہ) نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے، بیشک تو ضرور دیوانہ ہے (نعوذ باللہ)۔ اگر تو (اپنے نبوت کے دعوے میں) سچا ہے تو ہمارے پاس (عذاب دینے والے) فرشتے کیوں نہیں لے آتا۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) ہم فرشتے تو فیصلے ہی کے لئے نازل کرتے ہیں اور اس وقت ان کو مہلت بھی نہ ملے گی۔

تشریح: یہاں کافروں کے کفر، ان کی سرکشی اور ضد وعناد کا بیان ہے۔ وہ لوگ مذاق اور ہنسی کے طور پر آپ کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ آپ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ پر قرآن نازل کیا گیا ہے، آپ دوسروں کو احمق اور جاہل بتاتے ہیں اور آپ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ آخر کار آپ ہی غالب ہوں گے، یہ عقل وہوش کی باتیں نہیں۔ یہ تو بلاشبہ دیوانوں جیسی باتیں ہیں۔ اگر آپ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں تو ہمارے سامنے شہادت دینے کے لئے آپ فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے جو آپ کی تائید وتصدیق کرتے، ہمیں آپ کی بات ماننے پر مجبور کرتے، اگر ہم نہ مانتے تو ہمیں فوراً سزا دیتے۔

ماننے والوں کے لئے تو اب بھی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ لیکن جو لوگ راہِ راست پر آنا ہی نہ چاہیں وہ تو فرشتوں کے آنے پر بھی نہ مانیں گے۔ اس لئے ان کے نازل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ عام طور پر اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیج دیتا ہے اور پھر اس کو ذرا بھی مہلت نہیں دیتا۔ (عثمانی ۷۳۳/۱)

حفاظتِ قرآن کا ذمہ

۹۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝

بیشک ہم ہی نے ذکر (قرآن) اتارا ہے اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت

کرنے والے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کافروں کا قرآن لانے والے کی طرف جنون کی نسبت کرنا قرآن و حاملِ قرآن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ بلا شبہ اس قرآن کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی نے اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ یہ قیامت تک ہر طرح کی لفظی و معنوی تحریف سے محفوظ رہے گا۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول و احکام کبھی نہیں بدلیں گے۔ قرآن مجید کی حفاظت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم الشان وعدہ ایسے حیرت انگیز طریقے سے پورا ہو رہا ہے کہ جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے۔ ''میور'' کہتا ہے ''جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی کتاب ایسی نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو''۔ ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ ''ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہٖ محمد (ﷺ) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں''۔

نزول قرآن کے وقت سے آج تک ایک زبر زیر تبدیل نہ ہو سکا۔ کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے، کسی نے آیتیں شمار کر ڈالیں۔ کسی نے حروف کی تعداد بتائی، حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب (زبر، زیر) اور ایک ایک نقطہ کو شمار کر ڈالا۔ آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت ایسی نہیں بتائی جا سکتی جس میں قرآن کے حافظوں کی تعداد ہزاروں لاکھوں میں موجود نہ رہی ہو، ذرا غور کرو! ایک آٹھ دس سال کا یا اس سے بھی کم عمر ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں ایک نہایت چھوٹا سا رسالہ یاد کرنا دشوار ہے وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پر ہے۔ کس طرح فر فر سنا دیتا ہے۔ پھر اگر کسی مجلس میں ایک بڑے عالم فاضل اور جید حافظ سے کوئی حرف یا لفظ چھوٹ جائے یا زبر زیر کی غلطی ہو جائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے اور تصحیح کرنے والے چاروں طرف سے اسے للکارتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ قرآن مجید کی حفاظت کا یہ سب انتظام و اہتمام اللہ ہی کی طرف سے اور اسی کی توفیق سے ہے۔

(عثمانی ۷۳۳، ۷۳۴/۱)

رسول اللہ ﷺ کو تسلی

۱۵،۱۰۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ○ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ○ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ○

اور ہم آپ سے قبل پہلے لوگوں کے گروہوں میں بھی رسول بھیج چکے ہیں اور ان کے پاس کوئی رسول ایسا نہیں آیا جس کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو۔ اسی طرح ہم (یہ مذاق اڑانا) مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں۔ (جس کی وجہ سے) یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے اور تحقیق قدیم لوگوں کا بھی یہی طریقہ رہا ہے اور اگر ہم ان (کافروں) پر آسمان سے کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور یہ سارا دن اس میں چڑھتے رہیں تو بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظربندی کر دی گئی ہے۔ نہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو کیا گیا ہے۔

نَسْلُكُهٗ : ہم اس کو ڈال دیتے ہیں۔ ہم اس کو داخل کر دیتے ہیں۔ سَلْكٌ سے مضارع۔

فَظَلُّوْا : وہ ہو گئے۔ ظَلٌّ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

يَعْرُجُوْنَ : وہ چڑھتے ہیں عُرُوْجٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ ان کی تکذیب واستہزاء سے دلگیر نہ ہوں۔ جس طرح یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں اسی طرح آپ سے پہلے جو

نبی گزر چکے ہیں ان کو بھی اس وقت کے منکرین و مکذبین جھٹلاتے رہے۔ ان کی بھی ہنسی اڑائی گئی۔ ضدی اور متکبر لوگ جب گناہوں میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو ان کے دلوں میں رسولوں کی تکذیب رچا بسا دی جاتی ہے۔ یہاں مجرموں سے مراد مشرکین ہیں۔ وہ حق کو قبول نہیں کرتے۔ گزشتہ لوگوں کا حال ان کے سامنے ہے۔ جس طرح اپنے کفر و عناد کی بنا پر وہ لوگ ہلاک و برباد ہوئے اسی طرح یہ بھی تباہ و برباد ہوں گے۔ جس طرح سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی اتباع کرنے والے امن و عافیت پا گئے اسی طرح رسول اللہ ﷺ اور ان کے بتائے ہوئے طریقے اور راستے پر چلنے والے مومنین بھی فلاح و عافیت پائیں گے۔ پس دنیا و آخرت کی بھلائی رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہے اور دونوں جہاں کی رسوائی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں ہے۔

پھر فرمایا کہ ان کے عناد و ضد کی حالت یہ ہے کہ اگر ہم آسمان سے فرشتے اتارنے کی بجائے آسمان کا دروازہ کھول کر خود ان کو آسمان پر پہنچا دیں اور پھر وہاں یہ لوگ فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔ اس لئے ہم اپنے آپ کو آسمان پر چڑھتا ہوا تو دیکھتے ہیں مگر حقیقت میں ہم آسمان پر نہیں چڑھ رہے ہیں کیونکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔
(ابن کثیر ۲/۵۴۷، عثمانی ۱/۷۳۵،۷۳۴)

توحید کے دلائل

۱۶،۲۰۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَیَّنّٰھَا لِلنّٰظِرِیْنَ ○ وَ حَفِظْنٰھَا مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ○ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ ○ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰھَا وَاَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ○ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ○

اور البتہ ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور دیکھنے والوں کے لئے

اس کو مزین کر دیا ہے اور ہم نے اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا۔ مگر جو کوئی (شیطان) چوری سے سن بھاگا تو اس کے پیچھے لگ جاتا ہے ایک دہکتا ہوا انگارہ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور ہم نے اس پر بوجھ (پہاڑ) ڈال دیئے اور ہم نے اس میں ہر چیز اندازے (مناسبت) سے اگائی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں معاش کے سامان بنا دیئے اور ان کے لئے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے۔

اِسْتَرَقَ : اس نے چرایا، اِسْتِرَاقٌ سے ماضی۔

شِهَابٌ : شعلہ، انگارا۔ آسمان پر جو تارا ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔

رَوَاسِیَ : پہاڑ، بوجھ، واحد رَاسِیَۃٌ

تشریح: ہم نے دیکھنے والوں کے لئے اس بلند و بالا آسمان کو ستاروں سے زینت دی ہے۔ رات کے وقت جب بادل اور گرد و غبار نہ ہو تو آسمان بے شمار چمکدار ستاروں سے جگمگاتا ہوا نظر آتا ہے اور غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی صنعتِ کاملہ، حکمتِ عظیمہ اور وحدانیتِ مطلقہ کے بے شمار نشانات پائے جاتے ہیں۔ سو آسمان سے فرشتے اتارنے یا ان لوگوں کو آسمان پر چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ لوگ ماننا چاہیں تو آسمان و زمین میں قدرت کے نشانات کیا کم ہیں جنہیں دیکھ کر سمجھدار آدمی توحید کا اقرار بآسانی کر سکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں پر شیطانوں کا کچھ عمل دخل نہیں۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت سے تو وہاں ان کا گزر بھی نہیں۔ اب ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح آسمان کے قریب پہنچ جائیں اور عالم ملکوت سے نزدیک ہو کر غیب کی خبریں معلوم کریں۔ اس وقت ان پر شہاب ثاقب یعنی آگ کا انگارا مارا جاتا ہے جو غیب کی خبر سننے والے کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔

ہم نے زمین کو پھیلا کر اتنا وسیع کر دیا کہ بے شمار مخلوق اس پر آباد ہو سکے اور ہم نے اس پر پہاڑ کے بوجھ رکھ دیئے تاکہ وہ جنبش نہ کر سکے اور ہم نے اپنے علم و حکم سے ایک مناسب اندازے کے ساتھ ہر چیز کو اس زمین میں پیدا کیا۔ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ نہیں بنائی۔ ہم

نے تمہارے لئے بھی سامانِ زندگی پیدا کیا اور تمہارے اہل و عیال اور خادموں کے لئے بھی سامان زندگی پیدا کیا۔

(عثمانی ۳۵۷،۳۶۷ / ۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۶۵، ۱۶۶ / ۴)

عجائباتِ قدرت

۲۱،۲۵۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ ج وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ○ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ○ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْکُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّکَ هُوَیَحْشُرُهُمْ ط اِنَّهٗ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ ○

اور ایسی کوئی بھی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اس (چیز) کو ایک مقررہ مقدار سے اتارتے رہتے ہیں اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادل کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔ پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم نے وہ (پانی) تمہیں پلایا اور تم اس (قدر پانی) کو جمع کر کے نہیں رکھ سکتے تھے اور تحقیق ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (سب کے) وارث ہیں اور یقیناً ہم تمہارے اگلوں کو بھی (خوب) جانتے ہیں اور تمہارے بعد والوں سے بھی خوب واقف ہیں اور بیشک آپ کا رب ہی (قیامت کے روز) سب کو جمع کرے گا۔ بلاشبہ وہ حکمت والا (اور) علم والا ہے۔

قَدَرٍ : اندازہ، مقدار۔ اللہ تعالیٰ کا حکم۔

لَوَاقِحَ : بادل کو پانی سے بھرنے والیاں، بوجھل کر دینے والیاں، لَقْحٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: انسانوں کے سامان معاش و رزق میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ہوں۔ وہ ان میں سے جتنا چاہتا ہے جب اور جہاں چاہتا ہے نازل فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کا تنہا مالک ہے۔ ہر کام اس پر آسان ہے۔ وہی ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔ پھر وہ تمہارے لئے آسمان سے میٹھا پانی برساتا ہے۔ جس کو تم پیتے بھی ہو اور اس سے دوسرے کام بھی کرتے ہو۔ اگر وہ چاہے تو اس پانی کو کھارا اور کڑوا کر دے۔ پھر فرمایا کہ اس بارش کا خزانہ ہمارے پاس ہے۔ تمہارے پاس نہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ چشموں، تالابوں اور کنوؤں وغیرہ میں پانی جمع رکھنا تمہارا کام نہیں۔ یہ ہمارے ہی اختیار میں ہے۔

ہم مخلوق کی ابتداء اور پھر اس کے اعادے پر قادر ہیں۔ بلا شک و شبہ ہم ہی زندہ کرتے اور موت دیتے ہیں۔ زمین اور اہل زمین میں سب کے ہم ہی وارث ہیں۔ سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے ہمارے علم کی کوئی انتہا نہیں۔ اوّل و آخر سب ہمارے علم میں ہے۔ تمہاری کوئی حالت ہم سے پوشیدہ نہیں۔ ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور تمہارے پچھلوں سے بھی واقف ہیں۔ تمہارا رب وہی ہے جس کو ایک ایک ذرہ کا علم ہے۔ جب اس کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوگی کہ سب کو حساب و کتاب اور انصاف کے لئے جمع کیا جائے تو اس میں اس کو ذرا بھی دشواری نہ ہوگی۔ (ابن کثیر ۵۴۸، ۵۵۰/ ۲)

آدم و ابلیس کی تخلیق

۲۶، ۲۷۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝
وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝

اور بیشک ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی (خشک) مٹی سے پیدا کیا جو کہ سڑے ہوئے کیچڑ سے بنی تھی اور اس (انسان) سے پہلے ہم نے جنوں کو لو والی آگ سے پیدا کیا۔

اِنْسَانٌ : انسان، آدمی، مذکر ومؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ اُنْسٌ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ظہور کے ہیں، کیونکہ انسان ظاہری آنکھ سے دکھائی دیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اُنس (دلی وابستگی) سے مشتق ہے کیونکہ انسان باہم مانوس ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ انسان، نِسْیَانٌ (بھولنا) سے مشتق ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک حکم دیا گیا تھا۔ مگر وہ اس کو بھول گئے۔

صَلْصَالٍ : وہ خشک مٹی جو آگ میں نہ پکائی گئی ہو اور کھن کھن بولتی ہو یعنی بجانے سے کھنکھناتی ہو۔

حَمَاٍ : دلدلی کیچڑ جو زیادہ پانی سے قریب ہونے سے کالی پڑ جاتی ہے۔ گارا، گیلی مٹی۔

مَّسْنُوْنٍ : متغیر سڑا ہوا۔ جس کا رنگ و بو بدل جائے۔ سَنٌّ سے اسم مفعول۔

اَسَّمُوْم : گرم ہوا، لو۔ تیز بھاپ، وہ سخت گرمی جو مسامات کے اندر گھس جائے۔

تشریح: بلاشبہ ہم نے انسان کو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جو انسان کی اصل ہیں، کھنکھناتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا جو سڑے ہوئے گارے سے تیار کی گئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہم نے جنات کو نہایت تیز لو والی آگ سے پیدا کیا۔ سموم آگ کی تیز لو کو کہتے ہیں اور حَرُوْرٌ دن کی گرمی کو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جن آگ کے شعلوں سے بنائے گئے ہیں یعنی بہت تیز آگ سے۔ صحیح میں وارد ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے اور جن شعلے والی آگ سے اور آدم اس سے جو تمہارے سامنے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس آیت سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت و شرافت اور ان کے تخلیقی عنصر کی پاکیزگی اور طہارت کا بیان ہے۔ (ابن کثیر ۲/۵۵۰)

فرشتوں کے سامنے تخلیق آدم کا اعلان ۔

۲۹،۲۸۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ

سٰجِدِیْنَ ○

اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے کیچڑ سے بنی تھی، ایک بشر بنانے والا ہوں۔ سو جب میں اس کو پوری طرح بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا۔

تشریح: حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے ان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے بنی ہوئی ہو گی، ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی خاص روح پھونک دوں جس سے وہ زندہ ہو جائے گا تو تم سب اس کی طرف رخ کر کے سجدے میں گر پڑنا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی مخلوق مٹی سے نہیں بنائی گئی۔ چونکہ مٹی کی خاصیت تذلل اور خاکساری ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا تاکہ لوگ اللہ کے خشوع و خضوع کرنے والے بندے بنیں اور ان کو کمال درجے کا مقام عبدیت و عبودیت حاصل ہو۔

ابلیس کا غرور و تکبر

۳۰، ۳۳۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ○ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَالَكَ اَلَّا تَکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ○ قَالَ لَمْ اَکُنْ لِّاَ سْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○

پھر سب فرشتوں نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ اس نے اس سے
انکار کیا کہ وہ سجدے کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدے کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ اس
نے کہا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے
گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کر چکا تو تمام فرشتوں نے اس کی طرف رخ کر کے اس کو سجدہ کیا سوائے ابلیس ملعون کے جس نے غرور و تکبر کی بنا پر اپنے آپ کو بڑا اور افضل سمجھتے ہوئے، حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ کے حکم کی پرواہ نہ کی اور نہ اس نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے اس لئے اس کا حکم حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ فرشتوں میں سے نہ تھا بلکہ وہ جنوں میں سے تھا اور جنوں کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور آگ کی اصل علو اور استکبار ہے۔ اس لئے اس نے اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے افضل و برتر سمجھا جو مٹی سے بنائے گئے تھے۔ اور یہ نہ سوچا کہ گو حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے ہیں مگر ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے۔ یہ شرف و فضیلت کسی اور مخلوق کو حاصل نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں انسان کو سجدہ نہیں کروں گا، جس کو تو نے کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا جو سڑے ہوئے گارے سے بنائی گئی تھی۔ مٹی کا درجہ تو تمام عناصر سے کم ہے۔ مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے جو تمام عناصر سے لطیف اور اعلیٰ و اشرف ہے۔ اس لئے میں حضرت آدم علیہ السلام سے افضل و اشرف ہوں۔ لہٰذا افضل و اشرف مخلوق، ادنیٰ اور کثیف مخلوق کو سجدہ کیوں کرے۔

ابلیس مردود پر ابدی لعنت

۳۴، ۳۸۔ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ O وَّ اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ O قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ O قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ O اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ O

اللہ تعالیٰ نے (شیطان سے) فرمایا تو یہاں سے نکل جا۔ بے شک تو مردود ہے اور بیشک تجھ پر فیصلے کے دن (قیامت) تک لعنت ہے، اس نے کہا! اے رب تو مجھے اس دن (قیامت) تک مہلت دے جس دن مردے زندہ کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، سو بے شک تجھے مہلت ہے مقررہ وقت کے دن (قیامت) تک۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا کہ چونکہ تو نے میرا حکم نہیں مانا اس لئے اب تو جنت اور آسمان سے نکل جا۔ بلاشبہ تو مردود ہے۔ اب بلاشبہ تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔ اس کے بعد جو بے شمار قسم کے عذاب ہوں گے وہ لعنت سے کہیں زیادہ ہیں۔ یہ سن کر ابلیس نے کہا کہ اے میرے رب! جب تو نے مجھے جنت سے نکال ہی دیا اور مجھ پر لعنت کر دی تو میری زندگی کو اس دن تک طویل کر دے جس دن لوگ قبروں سے دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا تجھے ایک خاص وقت تک زندگی کی مہلت ہو گی جو اللہ کو معلوم ہے۔

ابلیس کا اعلانِ انتقام

۳۹، ۴۴۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ O اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ O قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ

عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ط لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝

اس نے کہا اے رب! جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا البتہ میں بھی دنیا میں ان کے لئے (گناہوں کو) ضرور مزین کروں گا اور البتہ ان سب کو گمراہ کروں گا ان میں سے سوائے تیرے منتخب بندوں کے۔ اللہ نے فرمایا مجھ تک پہنچنے کا یہی (اطاعت) سیدھا راستہ ہے۔ بیشک میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چلے گا، سوائے ان گمراہ لوگوں کے جو تیری پیروی کریں اور یقیناً ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے (سب کا ٹھکانا جہنم ہے) اس جہنم کے سات دروازے ہیں ہر دروازے (میں سے) جانے کے لئے ان (کافروں) کے حصے تقسیم کئے ہوئے ہیں۔ (ہر گروہ) اپنے خاص دروازے سے اس میں داخل ہوگا۔

تشریح: ابلیس نے کہا کہ اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر ہی دیا ہے اس لئے میں بھی دنیا میں اولادِ آدم کو گناہ کے کام مزین و آراستہ کر کے دکھاؤں گا اور انہیں رغبت دلا دلا کر نافرمانیوں میں مبتلا کر دوں گا۔ جہاں تک ہو سکے گا میں سب کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ البتہ ان میں سے جو تیرے منتخب و مخلص بندے ہوں گے اور جن کو تو نے ہدایت کر دی ہوگی ان کو میں نہیں بہکا سکوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اخلاص و بندگی ہی مجھ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں۔ بیشک جو میرے منتخب و مخلص بندے ہیں ان پر تیرا بس نہیں چلے گا۔ البتہ تیرا بس ان لوگوں پر چلے گا جو گمراہ ہوں گے اور تیری اتباع کریں گے۔ تیرے لئے اور جو لوگ تیرے طریقے پر چلیں گے، ان سب کے لئے جہنم کا وعدہ ہے، جس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے میں سے وہی گمراہ لوگ داخل ہوں گے جو اس کے لئے معین و مقرر ہیں۔

(ابن کثیر ۵۵۱، ۵۵۲ / ۲، مظہری ۳۰۲، ۳۰۳ / ۵)

اہلِ جنت کا ثواب وانعام

۴۵،۵۰۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ○ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ○ وَنَزَعْنَا مَافِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ○ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ○ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○

بیشک پرہیز گار لوگ (جنت کے) باغوں اور چشموں میں رہیں گے۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) تم ان باغوں میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور جو کچھ ان کے دلوں میں رنجش ہو گی ہم اس کو دور کر دیں گے۔ وہ تختوں پر آمنے سامنے بھائی بھائی بنے بیٹھے ہوں گے۔ نہ وہاں انہیں کوئی تکلیف چھو سکتی ہے اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے۔ (اے نبی! ﷺ) آپ میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ میں ہی بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہوں اور یہ کہ میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے۔

نَزَعْنَا : ہم نے باہر نکالا۔ نَزْعٌ سے ماضی۔

غِلٍّ : کینہ، برائی، رنجش۔ مصدر ہے۔

نَصَبٌ : محنت، مشقت، تکلیف۔

شانِ نزول: ثعلبی سے روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے جب آیت وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ سنی تو بدحواس ہو کر بھاگے اور اسی حالت میں تین روز تک بھاگتے رہے۔ آخر (پکڑ کر) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے (فرار کا سبب)

دریافت کیا تو حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) آیت وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ نازل ہوئی تو قسم ہے اس کی جس نے آپ کو سچ کا حامل بنا کر بھیجا ہے میرا دل اس سے پارہ پارہ ہو گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۵/۳۰۵)

تشریح: بلاشبہ پرہیز گار لوگ باغوں، نہروں اور چشموں میں ہوں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ان جنتوں اور چشموں کے اندر امن و سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اب تم ہر آفت و مصیبت سے محفوظ اور ہر خوف و گھبراہٹ سے مامون ہو گئے۔ نہ یہاں نعمتوں کے زوال کا ڈر ہے اور نہ یہاں سے نکالے جانے کا خوف و خطر اور موت کا غم۔

پھر فرمایا کہ اگر اہل جنت کے دلوں میں کوئی دنیوی رنجش و کینہ باقی ہو گا تو ہم ان کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کو ختم کر دیں گے اور وہ سب بھائی بھائی کی طرح ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے اور محبت والفت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔ وہاں نہ ان کو کبھی کوئی تکلیف چھو سکتی ہے اور نہ وہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں گے کیونکہ جنت ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ میں بہت بخشنے والا مہربان ہوں۔ کسی گنہگار کو میری مغفرت و رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ آپ ان کو یہ بتا دیجئے کہ میرا عذاب بھی نہایت سخت ہے۔ اس لئے کسی وقت بھی عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہیئے۔

ایک حدیث میں ہے آپ نے فرمایا کہ اگر بندے اللہ تعالیٰ کی معافی کو معلوم کر لیں تو حرام سے بچنا چھوڑ دیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے عذابوں کو معلوم کر لیں تو اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں۔ (ابن کثیر ۵۵۲، ۲/۵۵۳)

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ

۵۱، ۵۶۔ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ط

قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝

اور ان کو (حضرت) ابراہیم کے مہمانوں کا حال بھی سنا دیجئے کہ جب وہ (فرشتے) ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا سلامتی ہو۔ (حضرت) ابراہیم نے کہا کہ ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ خائف نہ ہوں، ہم آپ کو ایک علم والے لڑکے (اسحاق) کی بشارت دیتے ہیں۔ (حضرت) ابراہیم نے کہا کیا تم مجھے خوش خبری دیتے ہو باوجودیکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا۔ سو تم کیسے بشارت دے رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو بالکل سچی بشارت دی سو آپ ناامید نہ ہوں۔ (حضرت) ابراہیم نے کہا کہ اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے سوائے گمراہوں کے۔

وَجِلُوْنَ: ڈرنے والے، وَجْلٌ سے صفت شبہ۔

اَلْقٰنِطِیْنَ: فرماں بردار، عبادت گزار، خاموش۔ قُنُوْتٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں بتا دیجئے جو فرشتے تھے اور انسانی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دینے کے لئے ان فرشتوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ ان مہمان فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ کر ان کو سلام کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بچھڑا ذبح کر کے اس کا گوشت بھون کر ان کے سامنے لا کر رکھا۔ انہوں نے کھانے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ شاید یہ دشمن ہیں، اسی لئے فرمایا کہ ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم تو آپ کو ایک ایسے لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دینے آئے ہیں جو بڑا ہو کر بڑا عالم بنے گا۔ یہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی بھی بوڑھی تھیں اس لئے انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا اس حالت میں ہمارے ہاں بچہ ہو گا۔ فرشتوں نے دوبارہ زور دے کر اپنی بشارت کو دہرایا اور کہا کہ یہ اللہ کا سچا قول اور حکم ہے جس کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔ سو آپ ظاہری اسباب پر نظر کر کے ناامید نہ ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ ماں باپ کے بغیر پیدا کر سکتا ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ بڑھاپے میں اولاد عطا فرما دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کی ذات سے ناامید نہیں، اللہ سے ناامید تو گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ کی قدرت میں مجھے کچھ شبہ نہیں البتہ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے تعجب ہوا۔

مہمانوں کی آمد کا مقصد

۵۷، ۶۰۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ○ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ○

(حضرت) ابراہیم نے پوچھا کہ اے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا کیا قصد ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایک نافرمان قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ سوائے لوط کے گھر والوں کے۔ بیشک ہم ان سب (آلِ لوط) کو بچا لیں گے سوائے اس کی عورت کے کہ ہم (اللہ) نے اس کے لئے طے کر لیا ہے کہ وہ (ہلاک ہونے والوں کے ساتھ) پیچھے رہ جائے گی۔

خَطْبُكُمْ : تمہارا معاملہ، تمہارا حال، تمہارا قصد۔

قَدَّرْنَآ : ہم نے مقدر کر دیا۔ ہم نے مقرر کر دیا۔ ہم نے طے کر دیا۔ تَقْدِیْرٌ سے ماضی۔

الْغٰبِرِیْنَ : پیچھے رہنے والے۔ باقی رہنے والے۔ غَبْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف دور ہو گیا تو انہوں نے فرشتوں سے ان کے آنے کی غرض دریافت کی۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ ہم ان کی بستیوں کو الٹ دیں اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی اتباع کرنے والوں کو بچالیں۔ بلا شبہ ہم حضرت لوط کی بیوی کے سوا تمام آل لوط کو عذاب سے بچالیں گے۔ سو آپ اپنے بھتیجے لوط کی طرف سے پریشان نہ ہوں۔ البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اس عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکتی۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ پیچھے رہ جائے گی اور انہیں کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہو گی۔

قومِ لوط کا واقعہ

٦١، ٦٤۔ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

پھر جب وہ فرشتے لوط کے گھر پہنچے تو (حضرت) لوط نے کہا کہ بیشک تم تو اجنبی لوگ ہو۔ انہوں نے کہا بلکہ ہم تو آپ کے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک کر رہے تھے اور ہم آپ کے پاس بالکل سچا وعدہ لائے ہیں اور یقیناً ہم سچ کہتے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہو کر نوجوان، حسین و جمیل لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو دیکھ کر کہا کہ تم تو بالکل اجنبی معلوم ہوتے ہو، میں تو تمہیں بالکل نہیں پہچانتا۔ نہ تو تم اس بستی کے رہنے والے ہو اور نہ تم پر سفر کی کوئی علامت ہے کہ میں

تمہیں مسافر سمجھوں۔

فرشتوں نے اپنا راز کھولتے ہوئے کہا کہ ہم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اللہ کے فرشتے ہیں اور اللہ کی طرف سے وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ مجرم لوگ شک و شبہ کیا کرتے تھے۔ ہم حق بات اور قطعی حکم لے کر آئے ہیں اور اپنی بات میں یقیناً سچے ہیں۔

حضرت لوطؑ کو بستی سے چلے جانے کا مشورہ

٦٥، ٦٦۔ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ○ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ○

سو کچھ رات رہے آپ اپنے گھر والوں کو لے کر (یہاں سے) چلے جائیے اور آپ ان سب کے پیچھے رہئے اور تم میں سے کوئی مڑ کر بھی نہ دیکھے اور جہاں کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے وہاں چلے جاؤ اور ہم نے قطعی طور پر (حضرت) لوط کو یہ بتا دیا کہ صبح ہوتے ہی ان کی جڑ کٹ جائے گی

اَسْرِ: تو رات کے وقت لے کر چل۔ اِسْرَاءٌ سے امر۔

قَضَيْنَآ: ہم نے حکم دیا۔ ہم نے فیصلہ کیا۔

دَابِرَ: جڑ، بنیاد، پچھاڑی۔ جمع دَوَابِرٌ۔

تشریح: فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے خاندان سمیت اپنی اتباع کرنے والوں کو لے کر رات کے کسی حصہ میں یہاں سے تیزی سے نکل جائیں اور آپ سب کے پیچھے پیچھے رہیں تاکہ آپ کو ان کے حال کی خبر رہے۔ جب قوم پر عذاب آئے اور ان کا شور و غل سنائی دے تو کوئی بھی پیچھے مڑ کر ان کی طرف نہ دیکھے انہیں عذاب و سزا میں مبتلا چھوڑ کر سیدھے اسی طرف چلتے رہیں جس طرف جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے پہلے ہی حضرت لوط علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ صبح ہوتے ہی ان سب کو ہلاک کر دیا جائے گا اور ان کی بالکل جڑ ہی کٹ جائے گی۔

قوم کا بدنیتی سے حضرت لوطؑ کے گھر آنا

۶۷، ۷۲۔ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

اور (یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ) شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آ پہنچے۔ (حضرت) لوط نے (ان لوگوں سے) کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں سو تم میری فضیحت نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔ انہوں نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے دنیا بھر (کے لوگوں) کی حمایت سے منع نہیں کر دیا تھا۔ (حضرت) لوط نے کہا کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں (تم ان سے شادی کر سکتے ہو۔ اے محمد ﷺ) آپ کی جان کی قسم۔ بیشک وہ اپنے نشے میں اندھے ہو رہے تھے۔ (حضرت لوط کی کیا سنتے)

تشریح: جب قوم لوط کو یہ خبر ملی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان آئے ہوئے ہیں اور بہت ہی حسین و جمیل نوجوان لڑکے ہیں تو وہ خوشی خوشی ایک دوسرے کو ان کی آمد کی اطلاع دینے لگے۔ پھر وہ جمع ہو کر خوشیاں مناتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر آئے۔ حضرت لوط اس وقت تک فرشتوں کو اپنا مہمان سمجھے ہوئے تھے۔ اس لئے قوم کے بدکرداروں کو دیکھ کر ان سے کہنے لگے کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں، مجھے ان کے سامنے رسوا نہ کرو۔ کیونکہ مہمان کی رسوائی میزبان کی رسوائی ہے۔ اس لئے تم اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ انہوں

نے جواب دیا کہ جب آپ کو یہ خیال تھا تو آپ نے ان کو مہمان کیوں بنایا۔ ہم تو آپ کو پہلے ہی اس سے منع کر چکے ہیں۔

پھر حضرت لوط علیہ السلام نے ان بد بختوں کو مزید سمجھاتے ہوئے کہا کہ یہ میری لڑکیاں ہیں، تم ان سے نکاح کر کے اپنی خواہش پوری کر لو۔ چونکہ یہ بد بخت اپنی بد کرداری کے نشہ میں مدہوش تھے اور جو قضا اور عذابِ الٰہی ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا اس سے غافل تھے اس لئے انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی ایک نہ سنی۔

قومِ لوط کی ہلاکت

۷۳،۷۷۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

پھر دن نکلتے ہی ان کو ہولناک آواز نے آلیا۔ پھر ہم نے ان بستیوں کو زیر و زبر کر دیا اور ہم نے ان پر کھنگر کے پتھر برسائے۔ بیشک عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اور بیشک یہ بستی ایک آباد سڑک پر واقع ہے۔ بلاشبہ اس میں مومنوں کے لئے بڑی نشانی (عبرت) ہے۔

اَمْطَرْنَا: ہم نے برسایا۔ اِمْطَارٌ سے ماضی۔

سِجِّيْلٍ: کنکر، کھنگر، سنگ گل سے معرب۔

مُتَوَسِّمِيْنَ: اہل بصیرت، اہل فراست، تَوَسُّمٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام نے جب قوم کا یہ حال دیکھا تو وہ اللہ کے حکم سے اپنے

خاندان اور اہل ایمان کو لے کر رات ہی کو وہاں سے نکل گئے۔ پھر سورج نکلنے کے وقت ناگاہ ایک ہولناک آواز نے ان کو آلیا اور ساتھ ہی ان کی بستیاں اوپر کو اٹھ کر آسمان کے قریب پہنچ گئیں اور وہاں سے الٹ دی گئیں۔ اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر ہو گیا۔ پھر آسمان سے ان پر کنکریلے پتھر برسائے جس سے وہ سب بالکل تباہ ہو گئے۔ بلاشبہ ان بستیوں کی بربادی میں اہل بصیرت کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور نصیحت و عبرت ہے۔ بیشک قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیوں کے نشانات اب بھی آباد سڑک پر واقع ہیں۔ اے اہل مکہ تم رات دن وہاں سے آتے جاتے ہو پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے۔ بلاشبہ اس واقعہ میں ایمان والوں کے لئے اللہ کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں۔

اصحابِ ایکہ کا واقعہ

۸۹،۷۸۔ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور ایکہ (بستی) والے بھی بڑے ظالم تھے۔ سو ہم نے ان سے (بھی) انتقام لیا اور بیشک وہ دونوں بستیاں کھلے اور عام راستے پر ہیں۔

تشریح: اصحابِ ایکہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ ایکہ درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ ایکہ والوں نے حضرت شعیب کی تکذیب، اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار اور ناپ تول میں کمی کر کے خود ہی اپنے ساتھ زیادتی کی اور دوزخ کے مستحق بنے۔ ان کی بستی بھی قوم لوط کی بستی کے قریب تھی اور ان کی پیہم شرارتوں کی وجہ سے ان پر بھی اللہ کا عذاب آیا۔ ان بستیوں کے آثار شارع عام پر واقع ہیں۔ جن کو لوگ آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ سو ہم نے ان کو ان کے جرم کی سزا دے کر ان سے انتقام لیا۔

اللہ نے سات روز تک ان پر سخت گرمی کو مسلط رکھا۔ سات روز کے بعد بادل کا ایک ٹکڑا آیا۔ لوگ آرام و سکون پانے کے لئے اس کے سایہ میں آگئے۔ لیکن اللہ نے اس بادل

سے ان پر آگ برسائی جس سے سب کے سب جل بھن کر خاک ہو گئے۔ اس عذاب کو "عذاب یوم الظلہ" یعنی سائے کے دن کا عذاب بھی کہا گیا ہے۔

(مظہری ۵/۳۱۱، ابن کثیر ی ۲/۵۵۶)

اصحابِ حجر کا واقعہ

۸۰، ۸۴۔ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ O وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ O وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ O فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ O فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ O

اور البتہ حجر کے باشندوں نے بھی (ہمارے) رسولوں کو جھٹلایا تھا اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں بھی دی تھیں۔ پھر بھی وہ ان سے روگردانی کرتے رہے اور یہ لوگ اطمینان کے ساتھ پہاڑوں میں گھر تراشا کرتے تھے۔ سو ان کو بھی صبح ہوتے ہی ہولناک آواز نے آلیا، پھر ان کے کچھ بھی کام نہ آیا جو کچھ کہ وہ (اپنی حفاظت کے لئے) کرتے تھے۔

يَنْحِتُوْنَ: وہ تراشتے ہیں، وہ پتھر کاٹتے ہیں۔ نَحْتٌ سے مضارع۔

صَيْحَةٌ: چیخ، کڑک، ہولناک آواز۔

تشریح: مدینہ اور شام کے درمیان واقع ایک میدان کا نام حجر ہے، جہاں قوم ثمود آباد تھی۔ جنہوں نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو جھوٹا قرار دیا تھا۔ اگرچہ انہوں نے صرف حضرت صالح کی تکذیب کی تھی مگر چونکہ ایک نبی کا انکار تمام انبیاء کا انکار ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حجر والوں نے سب رسولوں کو جھٹلایا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت صالح علیہ السلام کو ایسے معجزے دیئے تھے جن سے ان پر اللہ کی وحدانیت اور حضرت صالح کی سچائی ثابت ہو گئی تھی۔ جیسے ایک سخت پتھر کی چٹان سے

اونٹنی کا نکلنا (پیدا کرنا)، ایک دن وہ اونٹنی پانی پیتی تھی اور ایک دن اہل شہر کے جانور۔ اس اونٹنی کا دودھ بکثرت تھا۔ پھر بھی یہ لوگ ان نشانیوں سے منہ پھیرے رہے۔ یہ لوگ اپنی قوت جتاتے اور تکبر و تجبر کے طور پر پہاڑ تراش تراش کر نہایت مضبوط مکان بناتے تھے اور ان مکانوں کی وجہ سے اپنے آپ کو مامون اور بے خوف سمجھتے تھے۔ نہ ان کو ان مکانات کے گرنے کا اندیشہ تھا اور نہ نقب زنی کا خوف۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی انتہائی غفلت کی وجہ سے اللہ کے عذاب کی طرف سے بالکل بے خوف تھے ان کا خیال تھا کہ وہ ان پہاڑی مکانوں کے اندر ہر قسم کے عذاب سے محفوظ و مامون ہیں۔

جب انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ اب تین دن کے اندر اندر تم پر اللہ کا عذاب نازل ہو گا۔ یہ بالکل سچا وعدہ اور اٹل عذاب ہے۔ چنانچہ چوتھے روز علی الصبح ایک تند و تیز آواز نے ان کو آ پکڑا اور ان کے دنیوی ہنر، پتھروں کے مکان اور مال و اولاد کی کثرت وغیرہ عذابِ الٰہی سے بچانے میں ان کے ذرا کام نہ آئی۔

(مظہری ۵/۳۱۲، ابن کثیر ۲/۵۵۶)

اس واقعہ کی مزید تفصیل سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔

تخلیقِ کائنات کی حکمت

۸۵، ۸۶۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ○ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ○

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو حکمت کے بغیر نہیں بنایا اور بیشک قیامت ضرور آنے والی ہے۔ سو آپ ان سے خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے۔ بلاشبہ آپ کا پروردگار ہی پیدا کرنے والا (اور) جاننے والا ہے۔

اِصْفَحِ : تو در گزر کر، تو منہ پھیر لے۔ صَفْحٌ سے امر۔

جَمِیْلَ : خوبصورت، بہتر نیک، جَمَالٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ ان سے صانع کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت و قدرت پر استدلال کیا جا سکے اور منکروں کے خلاف دلیل قائم ہو سکے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کائنات کی حکمتِ تخلیق کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں شر و فساد کرنے والوں کو ہلاک و برباد کر کے ان کی فساد انگیزی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔ اس روز اللہ تعالیٰ منکرین و مکذبین کو ان کے کفر و تکذیب کی سزا دے گا۔ سو آپ ان معاندین کی ایذا رسانی اور تکذیب سے چشم پوشی کیجئے اور ان کے حال کو مشیتِ الٰہی پر چھوڑ دیجئے وہ خود ان سے بدلہ لے لے گا۔ آپ کا رب ہی بہت بڑا خالق ہے۔ تمام امور اسی کے ہاتھ میں ہیں وہ مارنے کے بعد پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور کسی کام سے عاجز نہیں۔ وہ نیکوں اور بدکاروں کو خوب جانتا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔

سبع مثانی اور قرآن عظیم کا تحفہ

٨٧۔٩٣۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ○ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَامَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ○ كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ ○ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ○ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○

اور بیشک ہم نے آپ کو سات آیتیں (سورۂ فاتحہ) دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن دیا۔ آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی ان چیزوں کی طرف نہ دیکھئے جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہیں اور نہ ان کے (حال) پر غم کھایئے اور مومنوں کے لئے اپنے بازو جھکائے رکھیئے اور (کافروں سے) کہہ دیجیئے کہ میں تو کھلم کھلا (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں۔ جس طرح ہم نے وہ (عذاب) تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا۔ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ سو قسم ہے تیرے رب کی ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے ہر اس چیز کی جو وہ کرتے تھے۔

تَمُدَّنَّ : تو لمبی کر، تو اٹھا، تو پھیلا۔ مَدٌّ سے مضارع۔

اخْفِضْ : تو جھکا دے۔ تو شفقت کر۔ خَفْضٌ سے امر۔

جَنَاحَكَ : تیرا بازو، تیرا ہاتھ، تیرا پہلو۔ جمع اَجْنِحَةٌ ۔

عِضِيْنَ : پارہ، پارہ۔ ٹکڑے ٹکڑے۔ واحد عِضَةٌ

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ اس عظیم نعمت کی طرف توجہ کریں جو ہم نے آپ کو عطا کی ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے آپ کو نماز میں بار بار پڑھی جانے والی سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں اور قرآن عظیم عطا کیا ہے۔ یہ قرآن عظیم تمام کتبِ الٰہیہ اور صحفِ سماویہ کا خلاصہ اور لبِ لباب ہے اور سورۂ فاتحہ اس تمام قرآن کا خلاصہ ہے۔ سو یہ ایسی دولتِ عظمٰی ہے کہ اس کے مقابلے میں دنیا کی تمام دولتیں ہیچ ہیں۔ پس آپ اس نعمتِ عظمٰی پر نظر رکھئے اور اس دنیوی مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جو ہم نے کافروں کو دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے دی ہے۔

جمہورِ مفسرین کے نزدیک اس آیت میں سبع مثانی سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ بعض احادیثِ مرفوعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول بھی یہی ہے۔ عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے کہ سبع مثانی سے سبع طوال یعنی سات لمبی سورتیں مراد ہیں، جو سورۂ بقرہ سے سورۂ

اعراف تک ٦ سورتیں ہیں۔ ساتویں سورت کے بارے میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ مل کر ایک سورت ہے اسی لئے ان کے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ بعض علما کہتے ہیں کہ سبع طوال کی ساتویں سورت سورۂ یونس ہے اور ان سورتوں کو مثانی اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں فرائض، حدود، قصص اور احکام اور امثال عبرت کو مکرر بیان کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ ان مشرکین و منکرین کے ایمان نہ لانے پر آپ کو رنجیدہ اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں، البتہ آپ مومنوں کے ساتھ نرمی، خوش خلقی اور تواضع کے ساتھ پیش آتے رہئے جو لوگ اپنے عناد اور مال و دولت کے نشہ میں قرآن کی دولت سے اعراض کریں تو آپ بھی ان سے اعراض کیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ میں تو صاف صاف ڈرانے والا اور خبردار کرنے والا ہوں۔ جو لوگ میری تکذیب کریں گے وہ بھی سابقہ انبیاء کو جھٹلانے والوں کی طرح عذاب خدا کا شکار ہوں گے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سب سے ان کے اعمال کی باز پرس ضرور کرے گا۔ یہاں مقتسمین سے مراد قسمیں کھانے والے ہیں جو انبیاء کی تکذیب اور ایذا دہی پر قسما قسمی کر لیتے تھے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷۹، ۱۸۰ / ۴، ابن کثیر ۵۵۹،۵۵۲ / ۲)

اللہ کا پیغام صاف صاف پہنچانے کا حکم

۹۴، ۹۹۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

سو جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اس کو صاف صاف سنا دیجئے اور

مشرکوں سے کنارہ کشی کر لیجئے۔ ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں۔ تمسخر کرنے والوں (کی خبر لینے) کے لئے، جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں۔ ان کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا (کہ ہم ان کو کیسی سخت سزا دیتے ہیں) اور ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ تنگدل ہوتے ہیں سو آپ تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہئے اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو (موت کا) یقین آجائے۔

اِصْدَعْ: تو صاف صاف کہہ، تو کھول کر سنادے۔ صَدْعٌ سے امر۔

يَضِيْقُ: وہ تنگ ہوتا ہے۔ وہ گھٹتا ہے۔ ضِيْقٌ سے مضارع۔

تشریح: اے محمد ﷺ! آپ اللہ کے احکام لوگوں کو صاف صاف اور بلا جھجک پہنچا دیجئے اور مشرکوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کیجئے۔ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ پوشیدہ طور پر تبلیغ دین فرماتے تھے، لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ اور آپ کے اصحاب علانیہ طور پر اشاعتِ دین کرنے لگ گئے۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں اور جنہوں نے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود مقرر کر رکھے ہیں ان کو ہم پر چھوڑ دیجئے، ہم خود ان سے نمٹ لیں گے۔ ان کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ شرک اور استہزا کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی تمسخر آمیز باتوں سے آپ کو کوفت ہوتی ہے۔ سو اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے دل کو ہر چیز سے خالی کر کے اللہ کی حمد و تسبیح میں لگ جائیے اور صلوۃ و سجود میں مشغول رہئے۔ جب تک آپ زندہ رہیں اس وقت تک آپ دل و جان سے اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہئے۔ اس سے آپ کے دل کی کوفت اور سینے کے تمام رنج و غم دور ہو جائیں گے۔

(ابن کثیر ۵۵۹، ۵۶۰ / ۲، مظہری ۳۱۸، ۳۲۱ / ۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ نحل

وجہ تسمیہ: اس سورت میں شہد کی مکھی (نحل) کا ذکر قدرت کی ایک عجیب وغریب صنعت کے بیان کے سلسلے میں ہوا ہے اس لئے اس کو سورۂ نحل کہتے ہیں۔

ابن ابی حاتمؒ نے کہا اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی عظیم نعمتوں کا شمار فرمایا ہے۔ اس لئے اس کو سورۂ نِعم بھی کہتے ہیں۔ نِعم نون کی زیر کے ساتھ نعمت کی جمع ہے۔

تعارف: اس میں سولہ رکوع، ایک سو اٹھائیس آیتیں، ۱۸۷۱ کلمات اور ۷۷۰۷ حروف ہیں۔

ابن مردویہؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، وابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ نحاسؒ نے مجاہدؒ کے طریق سے حبر سے روایت کیا کہ آخری تین آیتوں کے سوا تمام سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ آخری تین آیتیں مکہ اور مدینہ کے درمیان اس وقت نازل ہوئیں جب آپ جنگِ احد سے واپس آرہے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے۔ سوائے آیت:

وَلَا تَشْتَرُوْا بِـاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَناً قَلِیْلاً ...... بِاَحْسَنِ مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ — (روح المعانی ۸۹/۱۴)

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں زیادہ تر اپنی نعمتوں کو بیان کر کے توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مشرکین کے بعض شبہوں کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ نیز نبوت ورسالت اور قرآن کی حقانیت بیان کی گئی ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: مشرکین کے لئے وعید و تہدید ہے جو آنحضرت ﷺ سے عذاب جلد منگوانے کا تقاضا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا انبیا پر وحی نازل کرنا تاکہ وہ لوگوں کو خبر دار کر دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس لئے اسی سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ پھر زمین و آسمان کے بنانے، تخلیق انسان اور چوپایوں کے پیدا کرنے میں توحید کے دلائل کا بیان ہے۔ آخر میں بتایا گیا ہے کہ توحید و تقویٰ ہی اللہ تک پہنچنے کا سیدھا اور صحیح راستہ ہے۔

رکوع ۲: ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں اور نظامِ کائنات کا بیان ہے۔ پھر انسان کے لئے سمندر کی تسخیر اور پہاڑوں کی تخلیق کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں باطل معبودوں کی بے بسی اور عاجزی کا ذکر ہے۔

رکوع ۳: شروع میں اللہ کی وحدانیت کا بیان کہ اس کے سوا کوئی خالق و معبود نہیں۔ وہ واحد و یکتا اور وہی عالم الغیب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر منکرین نبوت کا انجام بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز وہ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جو ان کی باتوں سے گمراہ ہوں گے۔

رکوع ۴: سابقہ قوموں کا انجام اور جانکنی کے وقت مشرکین کی حالت کا بیان ہے۔ پھر پرہیز گاروں کا انجام اور کفار کو تنبیہ کی گئی ہے۔

رکوع ۵: مشرکین کے دلائل کا رد اور انبیا کی بعثت کا مقصد بیان کرنے کے بعد مشرکین کی پختہ قسموں کا ذکر ہے۔ جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا۔

رکوع ۶: ہجرت کے منافع کا بیان اور اہل ذکر سے استفادے کا حکم مذکور ہے۔ پھر منکرین و مشرکین کی تہدید اور انسان کی غفلت پر تنبیہ ہے۔

رکوع ۷: شروع میں خالص توحید کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر مشرکوں کی بے عقلی اور سنگدلی بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۸: اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور حلم و مہربانی کا بیان ہے پھر آپ کو اطمینان دلانے کے لئے فرمایا کہ آپ قوم کی تکذیب سے دلگیر اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ سابقہ انبیا بھی اسی قسم کے حالات سے دوچار ہوتے رہے۔

رکوع ۹: چوپایوں میں عبرت کے نشان اور پھر شہد کی مکھی میں قدرتِ الٰہی کی نشانیوں کا بیان ہے۔ آخر میں انسانی وجود میں قدرت کی نشانیوں کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۰: اللہ کا لوگوں کو رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دینا اور کافروں کا باطل معبودوں پر ایمان رکھنا اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرنا مذکور ہے۔ آخر میں دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک آقا اور غلام کی اور دوسری گونگے اور سمجھدار آدمی کی۔

رکوع ۱۱: اللہ کے کمالِ علم و قدرت اور لوگوں کی جائے سکونت کا بیان ہے۔

رکوع ۱۲: کفر و شرک کا انجام، قیامت کے روز جب امتیں اپنے پیغمبروں کی تکذیب کریں گی تو اس وقت آنحضرت ﷺ گواہی دیں گے کہ یہ منکرین جھوٹے ہیں۔

رکوع ۱۳: جامع ترین آیت، بدعہدی کی مثال اور پھر مشیت خداوندی کا بیان ہے۔ آخر میں تلاوت قرآن کا ادب بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۱۴: مشرکین کی کم عقلی اور بے یقینی اور پھر مشرکین کے ایک احمقانہ اعتراض کا بیان ہے۔ آخر میں مشرکین کے انجام اور مرتد کے لئے عذاب عظیم کی خبر دی گئی ہے۔

رکوع ۱۵: شروع میں ایک بستی کی مثال بیان کی گئی ہے پھر اکل حلال کا حکم اور یہود پر حرام کی گئی اشیا کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۶: حضرت ابراہیم کے اوصاف بیان کرنے کے بعد ہفتے کے دن کی تعظیم کے حکم کا بیان ہے۔ اس کے بعد تبلیغ دین کے آداب بیان کئے گئے ہیں۔

مشرکین کے لئے وعید و تہدید

۱۔ اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ ؕ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○

(اے منکرو) اللہ کا حکم آ پہنچا۔ اب تم اس کی جلدی نہ کرو۔ وہ پاک اور بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ نازل ہوئی تو بعض کافروں نے کہا کہ یہ شخص کہتا ہے کہ قیامت قریب آگئی سو تم (کچھ دنوں کے لئے) اپنے بعض کام ترک کر دو اور دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ جب کچھ مدت تک انتظار کرنے کے بعد کچھ نہ ہوا (قیامت نہ آئی) تو کہنے لگے کہ آپ جس چیز سے ہمیں ڈرا رہے ہیں، ہم نے تو ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ اس پر آیت اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ نازل ہوئی جس کو سن کر کافر خوفزدہ ہو گئے اور کچھ مدت تک مزید انتظار کیا۔ جب طویل انتظار کے بعد بھی کچھ نہ ہوا تو کہنے لگے اے محمد (ﷺ) آپ جس کے بارے میں ہمیں ڈراتے ہیں، ہم نے تو ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی، اس وقت اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ نازل ہوئی۔ اس جملے کے نزول پر رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور لوگوں نے اپنے سر اوپر اٹھا کر دیکھا اور خیال کیا کہ قیامت حقیقت میں آ ہی گئی۔ اس پر (آیت کا اگلا حصہ) فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ نازل ہوا۔ اس وقت لوگوں کو اطمینان ہوا (اور گھبراہٹ دور ہوئی)۔ (روح المعانی ۱۶/۹۱، مظہری ۵/۳۲۴)

تشریح: آنحضرت ﷺ مشرکین مکہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے اور ان کو کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے منکروں پر غالب کرنے اور ان کو سزا دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جواب میں منکرین کہتے کہ اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں اس کو جلد منگوا لیجئے۔ ہمیں تو ایسی کوئی بات ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی

دلیری اور جلد بازی کے جواب میں فرمایا کہ اَمْرُ اللّٰہ یعنی اللہ کا عذاب عالم غیب میں تو تم پر مقرر ہو چکا اور تم پر آچکا گو اس کا ظہور کسی حکمت کے تحت وقت مقرر پر ہو گا۔ یہ امر یقینی ہے کہ کافروں کو دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سزا ملے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ دنیا میں کفر ذلیل و خوار اور مغلوب ہو گا اور اسلام سر بلند ہو گا۔ پھر اے منکرو تم جلدی کیوں کر رہے ہو۔ تم بہت جلد اس عذاب کو دیکھ لو گے۔ جب وہ عذابِ الٰہی آئے گا تو تم اس سے بچ نہیں سکو گے۔ سو تم عذاب آنے سے پہلے پہلے کفر و شرک سے توبہ کر لو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔

مشرکین یہ بھی کہتے تھے کہ اگر دنیا یا آخرت میں ان پر کوئی مصیبت آبھی گئی تو وہ فرشتے اور دیوتا جن کو وہ پوجتے ہیں اور جو ان کے گمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قضاو قدر اور دوسرے امور میں شریک ہیں وہ ان کی مصیبت کو دور کر دیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو تم اللہ کا شریک کہتے ہو وہ تمہارے ذرا کام نہ آئیں گے۔ ان میں سے نہ تو کوئی اللہ کے حکم کو ٹال سکتا ہے اور نہ اس کے عذاب کو روک سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے بری ہے۔ وہ پاک اور بلند و بالا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے کام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ (حقانی ۶۳ / ۳، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۳۰۴/۵)

فرشتوں کا وحی لے کر نازل ہونا

۲۔ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ○

وہ فرشتوں کو وحی دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے تاکہ وہ (لوگوں کو) خبر دار کر دیں کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

اَلْمَلٰٓئِکَةَ: فرشتے، اسم جنس، واحد مَلَکٌ ابن عباس کا قول ہے کہ یہاں فرشتوں سے مراد ایک

فرشتہ (جبرائیل) ہے۔ عرب محاورے میں سردار اور رئیس کو جمع کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

الرُّوْحِ: روح، جان، بھید کی بات۔ وہ لطیف شئے جو کسی کو نظر تو نہیں آتی لیکن ہر جاندار کی زندگی کا مدار اسی پر ہے۔ یہاں روح سے مراد وحی الٰہی ہے جو اللہ کی طرف سے پیغمبروں کی طرف غیر مرئی طریق پر ایک بھید کے طور پر آتی ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے۔

یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (المؤمن آیت ۱۵)

وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے۔

وَ کَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ (شوریٰ آیت ۵۲)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن نازل کیا۔

(عثمانی ۷۴۹/۱)

تشریح: مشرکین کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے اعمال و افعال اور عقائد باطل ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کے ذریعہ ہمیں کیوں نہیں مطلع کر دیتا۔ محمد ﷺ میں کیا خصوصیت ہے کہ ان کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بات تو اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے اپنی نبوت و رسالت کے لئے چن لیتا ہے اور فرشتے کو وحی دے کر اس کے پاس بھیج دیتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو مطلع کر دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس لئے اسی کی عبادت کرنی چاہیئے اور ہر معاملے میں اسی سے ڈرنا چاہیئے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (انعام آیت ۱۲۴)

اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس (قلب) میں جگہ دے۔

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (الحج آیت ۷۵)

اللہ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو چن

لیتا ہے۔

زمین و آسمان میں توحید کے دلائل

۳۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○
(اے لوگو!) اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک بنایا۔ وہ بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو خاص مقدار، خاص شکل وضع اور مختلف صفات کے ساتھ حکمت سے پیدا کیا۔ ان کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ ان کو بنانے والا واحد و بے مثال، قادر مطلق اور حکیم کامل ہے۔ تمام کائنات کا نظام ایک ہی مالک و مختار کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ایک سے زیادہ خداؤں کے ہاتھ میں ہوتا تو اول تو یہ کائنات وجود ہی میں نہ آتی اور اگر یہ کائنات قائم ہو بھی جاتی تو بہت پہلے ہی درہم برہم ہو کر اس کا سارا نظام ختم ہو چکا ہوتا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ج (انبیاء آیت ۲۲)
اگر ان دونوں (آسمان و زمین) میں اللہ کے علاوہ اور معبود ہوتے تو وہ (آسمان و زمین) ضرور تباہ ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ اپنی ہستی یا بقاء ہستی میں زمین و آسمان میں سے کسی چیز کا محتاج ہو یا کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ آسمان و زمین تو خود مخلوق ہیں۔ وہ اپنی تخلیق پر بھی قادر نہیں اس لئے وہ اللہ کے ساتھ کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔

(مظہری ۳۲۶/۵، عثمانی ۷۴۹/۱)

تخلیق انسان میں توحید کے دلائل

۴۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○
اسی نے انسان کو (پانی کی) ایک بوند سے پیدا کیا۔ پھر یکایک وہ کھلم کھلا (خالق کے بارے میں) جھگڑنے لگا۔

نُّطْفَةٍ: صاف پانی، منی کا قطرہ، جمع نطفٌ۔

خَصِيْمٌ: سخت جھگڑالو، خَصْمٌ سے فعیل کے وزن پر مبالغہ۔

تشریح: آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور ان کا نظام درست کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک قطرۂ بے جان سے پیدا کیا جس میں نہ حس و حرکت تھی، نہ شعور و ارادہ، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا اور نہ کسی معاملے میں جھگڑ کر اپنا حق منوا سکتا تھا اور نہ دوسروں پر غالب آسکتا تھا۔ پھر اسی قطرۂ ناچیز کو اللہ تعالیٰ نے کیا سے کیا بنا دیا۔ کیسی عجیب اور حسین و جمیل صورت بنائی۔ کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اس کو عطا فرمائے۔ جب اس ضعیف الخلقت انسان کو جو ایک حرف بولنے کے قابل نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے طاقت اور قوت گویائی عطا فرمائی تو خوب لیکچر دینے لگا اور بات بات میں جھگڑے اور حجتیں کرنے لگا، یہاں تک کہ بعض اوقات اپنے خالق کے مقابلے میں بھی خم ٹھونک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنی اصل کو بھول جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظٰمَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○ (یٰسٓ آیات ۷۷ تا ۷۹)

کیا انسان نہیں جانتا کہ ہم نے اس کو منی کے ایک قطرے سے پیدا کیا۔

پھر وہ کھلم کھلا دشمن بن کر جھگڑنے لگا اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا اور اپنا پیدا ہونا بھول گیا اور کہنے لگا بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو اول بار پیدا کیا تھا اور وہ سب کچھ بنانا جانتا ہے۔ (ابن کثیر ۲/۵۶۱، عثمانی ۷۴۹/۱)

چوپایوں کی تخلیق میں توحید کی نشانیاں

۸-۵ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّ الْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور چوپایوں کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ ان میں تمہارے گرم لباس کا بھی سامان ہے اور دوسرے فائدے بھی اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور ان کی وجہ سے تمہاری عزت و شان بھی ہے جب تم ان کو شام کے وقت چرا کر لاتے ہو اور صبح کو چرانے لے جاتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ بھی اٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں جہاں تم اپنے آپ کو انتہائی مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بیشک تمہارا رب تم پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہے اور اسی نے تمہاری سواری اور زیبائش کے لے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے اور وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کو تم جانتے بھی نہیں۔

اَنْعَامَ: مویشی، چوپائے، اونٹ، گائے، بکری کو کہا جاتا ہے۔ (مفردات امام راغب ۴۹۹)

دِفْءٌ: گرمی اور گرمائی حاصل کرنے کی چیز۔ مراد اُون ہے جس سے گرم کپڑے بنائے

جاتے ہیں۔ جاڑے کا لباس، جمع اَدْفَاءٌ۔

تُرِیْحُوْنَ : تم چوپاؤں کو شام کو چراگاہ سے واپس لاتے ہو۔ اِرَاحَةٌ سے مضارع۔

تَسْرَحُوْنَ : تم صبح کو چوپاؤں کو چرانے لے جاتے ہو۔ سَرْحٌ سے مضارع۔

تشریح: انسان کے بعد اب ان اشیا کی تخلیق کا ذکر ہے۔ جو خاص طور پر انسان کے فائدے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ قرآن مجید کے سب سے پہلے مخاطب چونکہ عرب تھے اور ان کی معیشت کا دارومدار پالتو چوپاؤں، اونٹ، گائے اور بکریوں پر تھا اس لئے پہلے ان کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چوپائے یعنی اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری وغیرہ سب تمہارے فائدے کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے بالوں اور اُون سے تم اپنی ضرورت کی مختلف چیزیں مثلاً کمبل، چادریں، سردی سے بچاؤ کے لئے مختلف قسم کے لباس، خیمے اور رسیاں وغیرہ تیار کرتے ہو۔ ان میں سے بعض کا دودھ پیا جاتا ہے اور گوشت کھایا جاتا ہے یا دودھ سے گھی اور مکھن وغیرہ تیار کیا جاتا ہے۔ جیسے گائے، بھینس اور بکری وغیرہ۔ ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے اور گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور بعض سے کھیتی باڑی اور بار برداری کا کام لیا جاتا ہے۔ جیسے اونٹ اور بیل وغیرہ۔ ان کی کھال سے نہایت عمدہ اور بیش قیمت لباس اور ضرورت کی دیگر چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ غرض انسان ان چوپایوں سے بے شمار منافع حاصل کرتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

(النحل آیات ۶۶ تا ۶۷)

اور تمہارے لئے چوپاؤں میں بھی ایک سبق ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو خون اور گوبر ہے اس کے درمیان میں سے خالص دودھ ہم تمہیں پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں بھی (تمہارے لئے عبرت ہے) جن سے تم نشہ بھی بناتے

ہو اور جن کو تم عمدہ روزی بھی قرار دیتے ہو۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ O وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ O وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ O (المؤمن آیات ۷۹ تا ۸۱)

اللہ نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں تاکہ تم ان پر سواری کرو، اور انہیں کھاؤ اور ان میں تمہارے لئے بہت سے فائدے ہیں تاکہ تم اپنی دلی حاجتیں پوری کرو اور تمہیں کشتیوں پر بھی سوار کرایا اور تمہیں بہت سی نشانیاں دکھائیں سو تم کس کس نشانی کا انکار کروگے۔

جب ڈھور، ڈنگر گھر میں بندھے ہوئے کھڑے ہوں یا جنگل میں ہوں اس وقت انعام الٰہی کا ایسا صاف مظاہرہ نہیں ہوتا جیسا اس وقت ہوتا ہے جب وہ صبح کے وقت گھر سے نکل کر چرنے کے لئے چراہ گاہ یا جنگل کی طرف جاتے ہیں یا شکم سیر ہو کر شام کو جنگل سے گھر کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس وقت ایک عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی ہے۔ وہ تروتازہ اور خوبصورت ہوتے ہیں ان کے تھن دودھ سے لبریز ہوتے ہیں۔ اس وقت مالک ان کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کو کیسا دھن دولت دیا ہے۔ اس طرح دیکھنے والوں کی نظر میں تمہاری عزت اور ساکھ قائم ہو جاتی ہے۔

اپنی نعمتیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارا رب جس نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع بنادیا ہے وہ تم پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہے۔ یہی جانور تمہارے بھاری بھاری بوجھ یعنی اموال تجارت، تمہارا زاد راہ اور خود تمہیں اپنی کمر پر لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتے ہیں جہاں تم سخت محنت و مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ حج، جہاد وغیرہ اور ایسے ہی دوسرے سفر ان جانوروں پر ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کی کتنی بڑی شفقت و مہربانی ہے کہ اس نے حیوانات کو تمہاری خدمت میں لگا دیا اور سخت مشکل مہمات کو ان جانوروں کے ذریعے تمہارے لئے آسان کر دیا۔

پھر فرمایا کہ اس نے تمہاری سواری اور شان بڑھانے کے لئے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا فرمادیئے تاکہ تمہارے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور اپنا سامان واسباب مختلف مقامات پر منتقل کرنا آسان ہو جائے۔ عرب میں گدھے کی سواری معیوب نہیں۔ وہاں گدھے نہایت قیمتی، خوبصورت اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔ بعض گدھوں کے سامنے تو گھوڑوں کی بھی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔

جن حیوانات کا اوپر ذکر ہوا ہے ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ تمہارے فائدے کے لئے وہ چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا جن کی فی الحال تمہیں خبر بھی نہیں۔ اس میں وہ سب سواریاں داخل ہیں جن کا زمانۂ قدیم میں نہ وجود تھا اور نہ کوئی تصور مثلاً ریل، موٹر اور ہوائی جہاز وغیرہ اور جو سواریاں آئندہ زمانے میں قیامت تک ایجاد ہوں گی وہ بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ تخلیق کے لئے یہاں مستقبل کا صیغہ یخلق استعمال ہوا ہے۔

(ابن کثیر ۵۶۲ / ۲، عثمانی ۷۴۹، ۱/۷۵۰)

باطنی سیاحت

۹۔ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○

اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے اور ان میں سے بعض راستے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو سیدھی راہ دکھا دیتا۔

قَصْدُ السَّبِيْلِ : اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ یعنی سنت کا راستہ جو شخص اس راستے پر چلے گا وہ اللہ تک پہنچ جائے گا۔

جَآئِرٌ : ٹیڑھا، ظالم، راہ مستقیم سے ہٹا ہوا، کفر و بدعات اور خواہشات نفس کا راستہ۔ جَوْرٌ سے اسم فعال۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ تم حیوانات کی پیٹھ پر سوار ہو کر خود بھی دور

دراز شہروں اور ملکوں کا سفر کرتے ہو اور اپنا مال و اسباب اور سامان تجارت بھی لے جاتے ہو۔ یہ گویا بدنی سیر و سیاحت کا حال تھا۔

اس آیت میں روحانی اور معنوی سیر و سیاحت کو بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح زمینی راستے طے کر کے تم منزل مقصود تک پہنچتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بھی واضح اور کھلا ہوا ہے۔ جس شخص کی سمجھ سیدھی اور صحیح ہو گی وہ توحید کے مذکورہ بالا دلائل میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت پر ایمان لے آئے گا اور توحید و تقویٰ کے سیدھے راستے پر چل کر کسی اندیشے اور خطرے کے بغیر اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا لیکن جس کی عقل و فہم سلیم نہیں وہ اس سیدھے راستے کو چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کرے گا۔ ظاہر ہے وہ منزل تک نہیں پہنچ سکتا وہ تو ہمیشہ ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشات کی پگڈنڈیوں میں بھٹکتا رہے گا۔

پھر فرمایا کہ خواہ کوئی سیدھی راہ پر چلے یا ٹیڑھی راہ پر وہ سب اللہ کی قدرت، اس کے علم اور اس کی مشیت کے ساتھ ہے اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے کر منزل مقصود پر پہنچا دیتا مگر اس نے اپنی مشیت کے تحت دونوں راستے لوگوں کے سامنے کر دیئے اور ان کو اختیار دے دیا کہ جو چاہو راستہ اختیار کر لو۔ صراط مستقیم پر چلو گے تو جنت میں پہنچ جاؤ گے اور صراط مستقیم چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو گے تو جہنم میں پہنچ جاؤ گے۔

(عثمانی ۷۵۰، ۷۵۱/ ۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۵/ ۴)

قدرتِ کاملہ کی نشانیاں

۱۰، ۱۱۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

وہی تو ہے جس نے تمہارے (فائدے کے) لئے آسمان سے پانی اتارا جس میں سے تم پیتے ہو اور اسی کے سبب درخت (پیدا) ہوتے ہیں جن

میں تم (مویشی) چراتے ہو۔ اسی (پانی) سے اللہ تمہارے لئے کھیتی اور
زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔ بیشک اس میں
اس قوم کے لئے (توحید کی) ایک (بڑی) دلیل ہے، جو غور کرتی ہے۔

تُسِیْمُوْنَ: تم چراتے ہو، اِسَامَۃٌ سے مضارع۔
یُنْبِتُ: وہ زمین سے پیدا کرتا ہے۔ وہ اگاتا ہے۔ اِنْبَاتٌ سے مضارع۔
وَالنَّخِیْلَ: کھجور کے درخت۔
اَعْنَابَ: انگور، واحد عِنَبٌ۔

تشریح: چوپایوں اور دوسرے حیوانات کی پیدائش اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کے ذکر کے بعد ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے نشانات بیان کئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہی قادر مطلق تمہارے لئے آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے تم خود بھی فائدہ اٹھاتے ہو اور تمہارے جانور بھی۔ اسی نے اس پانی کو صاف و شفاف اور خوش ذائقہ بنایا جو تمہارے پینے کے کام آتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو اس کو کھاری اور کڑوا بنا دیتا اور وہ تمہارے کسی کام نہ آتا۔ اسی بارش کے پانی سے درخت اور دوسرے پودے اگتے ہیں جن کو تمہارے جانور چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

پھر اس کی قدرت دیکھو کہ وہ تمہارے لئے ایک ہی زمین اور ایک ہی طرح کی آب و ہوا سے مختلف شکل و صورت، مختلف مزے اور مختلف خوشبو کے طرح طرح کے پھل اور پھول پیدا کرتا ہے۔ یہ نشانیاں اس کی قدرت کاملہ کے اقرار اور اس کی معرفت کے لئے کافی ہیں۔ بلاشبہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں اس کی قدرت کاملہ کی بڑی دلیل ہے کہ ایک دانہ زمین میں گرتا ہے پھر زمین کی نمی سے دانہ پھٹ کر اس میں سے باریک سا تنا نکلتا ہے اور اس کے نیچے کے حصے میں جو زمین کے اندر ہوتا ہے، باریک باریک جڑیں بن جاتی ہیں جو زمین سے خوراک حاصل کرتی ہیں۔ یہ تنا اسی طرح بڑھتا رہتا ہے اس میں شاخیں، پتیاں، پھول اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سب ایک قادر مطلق اور وحدہ لاشریک ذات کی کرشمہ سازی ہے۔ وہی جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ (ابن کثیر ۵۶۳، ۵۶۴ / ۲، مظہری ۳۲۸، ۳۲۹ / ۵)

نظام کائنات

۱۲، ۱۳۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝

اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بھی تمہارے کام میں لگا دیا اور ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ بیشک اس (تسخیر) میں (بھی) عقل مند قوم کے لئے (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں اور اس نے تمہارے لئے زمین میں جو رنگ برنگ کی چیزیں پیدا کی ہیں، بیشک ان میں بھی نصیحت حاصل کرنے والی قوم کے لئے ایک (بڑی) نشانی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے حکم سے تمہارے فائدے کے لئے رات و دن، سورج و چاند اور ستاروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا اور ان کو تمہارے کام میں لگا دیا۔ دن اور رات کے باری باری آنے اور چاند و سورج کے طلوع و غروب سے اور اوقات کے بدلنے سے نظام کائنات چل رہا ہے اور سب اس کے حکم سے اپنے اپنے مقررہ راستے پر اور مقررہ رفتار سے چل رہے ہیں۔ بیشک اہل عقل کے لئے اس میں توحید و قدرت الٰہی کی بہت سی نشانیاں ہیں کہ آفتاب و مہتاب اور کواکب و نجوم سب اجسام ہیں اور سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمائی ہے وہ سمجھتا ہے کہ چاند و سورج اور ستارے خود بخود حرکت نہیں کر رہے بلکہ جو ذات ان کو حرکت دے رہی ہے وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

پھر فرمایا کہ جس بلند و برتر ہستی نے کائنات کی چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا، اسی نے تمہارے فائدے کے لئے زمین میں مختلف قسم کی چیزیں پیدا کیں جو ماہیت، شکل و صورت،

رنگ و بو اور منافع و خواص میں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ اور ممتاز ہیں۔ اس میں سب حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ شامل ہیں۔ بلاشبہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے۔ طبیعت، ہیئت، صورت اور رنگ و بو وغیرہ کا اختلاف دیکھ کر وہ اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ یہ محض ایک صانع حکیم کی کرشمہ سازی ہے۔
(مظہری ۳۲۹/۵، عثمانی ۷۵۱/۱)

سمندر کی تسخیر

۱۴۔ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O

اور (اللہ) وہی تو ہے جس نے سمندر کو (تمہارے) بس میں کر دیا تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور (موتی، مونگا وغیرہ) نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور (اے انسان) تو کشتیوں کو دیکھتا ہے جو اس (پانی) کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور (یہ سب اس لئے) تاکہ تم اس کا فضل (روزی) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

طَرِيًّا : تر و تازہ۔ طَرَاوَةٌ سے صفت مشبہ۔

حِلْيَةً : زیور، گہنے، آرائش۔ جمع حُلِيٌّ۔

مَوَاخِرَ : پانی کو چیرنے والیاں۔ پانی کو پھاڑنے والیاں، مَخْرٌ ومُخُوْرٌ سے اسم فاعل۔ واحد مَاخِرَةٌ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت ثابت کرنے کے لئے سمندر کی تسخیر سے استدلال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ایسی ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے سمندر بھی تمہارے قبضے میں دے دیا۔ وہ اپنی گہرائی اور موجوں کے باوجود تمہارے تابع ہے۔ تم اس

میں سے قسم قسم کی مچھلیاں نکال کر ان کا تازہ گوشت کھاتے ہو۔ سمندر کا پانی حد درجہ نمکین اور تلخ ہے۔ مگر اس سے جو مچھلی نکلتی ہے اس کا گوشت نمکین نہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال کی دلیل ہے کہ اس نے نمکین پانی سے ایک لذیذ چیز تمہاری خوراک کے لئے پیدا کر دی۔ اسی نے تمہارے لئے سمندر میں موتی اور مرجان پیدا کر دیئے۔ تم ان کو نکال کر اپنے پہننے کے لئے زیور بناتے ہو۔ اگرچہ تَلْبَسُوْنَهَا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ مگر یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ تمہاری عورتیں زینت حاصل کرنے کے لئے ایسے زیور پہنتی ہیں جو موتی اور مرجان سے بنائے جاتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو حسین و جمیل دکھائی دیں۔

پھر فرمایا کہ تمہاری کشتیاں اس سمندر میں ہواؤں کو ہٹاتی اور پانی کو چیرتی ہوئی تیرتی چلی جاتی ہیں۔ ایک ہی ہوا سے کشتی کا ایک جانب سے دوسری جانب پار ہو جانا اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی نشانی ہے۔ کشتیوں کا سمندر میں چلانا اس لئے ہے تاکہ ان پر سوار ہو کر تجارت کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرو اور فضل الٰہی سے نفع کماؤ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت و احسان کا شکر ادا کرو۔　　(روح المعانی ۱۱، ۱۱۴/ ۱۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۶/ ۴)

پہاڑوں کی تخلیق کا مقصد

۱۵، ۱۸۔　وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور اسی نے زمین پر پہاڑ رکھ دیئے تاکہ وہ تمہیں لے کر جھکنے (اور ہلنے) نہ لگے اور (اس نے ان پہاڑوں میں) نہریں اور راستے (بنا دیئے) تاکہ تم راہ پاؤ۔ اور (راہ ہدایت کی) بہت سی نشانیاں بنائیں اور لوگ ستاروں سے بھی راستہ معلوم کرتے ہیں۔ کیا وہ جو (ان سب کو) پیدا

کرتا ہے اس کی مانند ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو (کبھی) نہ گن سکو گے۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اَلْقٰی : اس نے ڈالا۔ اِلْقَاءٌ سے ماضی۔

رَوَاسِیَ : جمے ہوئے پہاڑ، بوجھ۔ واحد رَاسِیَۃٌ۔

تَمِیْدَ : وہ ہلتی ہے۔ وہ ڈگمگاتی ہے۔ وہ جھکتی ہے۔ مَیْدٌ سے مضارع۔

تَعُدُّوْا : تم شمار کرنے لگو، تم گننے لگو۔ عَدٌّ سے مضارع۔

تُحْصُوْھَا : تم اس کا شمار کرو گے۔ تم اس کو گنو گے۔ اِحْصَاءٌ سے مضارع

تشریح: اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہلنے جلنے سے بچانے کے لئے اس پر مضبوط اور وزنی پہاڑوں کو جما دیا تاکہ زمین پر رہنے والوں کو زندگی گزارنے میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی نے اس میں ہر طرف چشمے، نہریں اور دریا بہا دیئے۔ ان میں سے کوئی تند و تیز ہے اور کوئی سست، کوئی طویل ہے اور کوئی مختصر۔ کبھی ان میں پانی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی کم اور کبھی یہ بالکل خشک ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اس کا فضل و کرم اور لطف و رحم ہے۔ اس لئے اس کے سوا کوئی پروردگار ہے اور نہ کوئی عبادت کے لائق ہے۔ وہی رب ہے وہی معبود برحق ہے۔ اسی نے اپنے فضل و کرم سے تمہارے ادھر سے ادھر جانے کے لئے خشکی اور تری میں، پہاڑوں اور بیابانوں میں، بستیوں اور ویرانوں میں غرض سب جگہ راستے بنا دیئے۔ کوئی راستہ تنگ ہے تو کوئی کشادہ، کوئی آسان ہے تو کوئی دشوار۔ اس نے کچھ علامتیں بھی مقرر کر دی ہیں جن سے خشکی اور تری کے مسافر راستہ معلوم کر لیتے ہیں۔ ستارے بھی رہنمائی کے لئے ہیں۔ تاریک راتوں میں انہی کے ذریعہ راستہ اور سمت معلوم کی جاتی ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے سوا جن لوگوں کی عبادت کرتے ہیں وہ محض بے بس ہیں۔ وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے۔ ظاہر ہے کہ خالق اور غیر خالق یکساں نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا دونوں معبود بھی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ہر قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس کی نعمتیں اتنی کثیر اور لاتعداد ہیں کہ تم ان کو شمار بھی نہیں کر سکتے اور نہ تم اس کی کسی نعمت کا شکر ادا کر سکتے ہو۔ تمہاری خطاؤں اور نافرمانیوں کے باوجود وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے محروم نہیں کرتا بلکہ وہ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے اور تمہارے گناہوں سے چشم پوشی کر لیتا ہے کیونکہ وہ بہت ہی مغفرت کرنے والا اور بڑا رحیم ہے وہ توبہ کے بعد عذاب نہیں دیتا۔ (ابن کثیر ۲/۵۶۵،۵۶۴)

عاجز و بے بس معبود

۱۹، ۲۱۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ج وَمَا يَشْعُرُوْنَ لا اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○

اور وہ (خوب) جانتا ہے کہ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور یہ (کافر) اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ تو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں اور وہ (بت تو) مردے ہیں۔ جن میں جان نہیں اور انہیں ذرا بھی شعور نہیں کہ (حساب و کتاب کے لئے) لوگ کب زندہ کئے جائیں گے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری اور پوشیدہ افعال و احوال کو خوب جانتا ہے اس لئے قیامت کے روز وہ تمہیں تمہارے ظاہری و باطنی تمام اعمال کی جزا و سزا دے گا، جو لوگ اللہ کے سوا باطل معبودوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں وہ تو کسی چیز کے بھی خالق نہیں۔ وہ آسمان و زمین جیسی بڑی چیز تو کیا وہ تو ایک تنکہ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ ان کی اپنی ہستی بھی اپنی نہیں۔ وہ تو خود بھی دوسروں کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ ایسے مجبور و بے بس خدائی میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔ اور ان کو کیسے معبود قرار دیا جا سکتا ہے؟

یہ بت تو بے جان ہیں ان میں کبھی زندگی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ جمادات اور بے روح

چیزیں ہیں۔ نہ یہ سنتے دیکھتے ہیں اور نہ انہیں کسی قسم کا شعور ہے۔ ان کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ قیامت کب ہوگی اور ان کو اور ان کی پوجا کرنے والوں کو حساب و کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کر کے کب اٹھایا جائے گا۔ ایسی بے جان اور بے خبر چیزوں کو خدا کہنا اور ان سے نفع کی امید اور ثواب کی توقع رکھنا حماقت اور جہالت ہے۔ (مظہری ۵/۳۳۳)

حقیقی معبود

۲۲، ۲۳۔ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ○ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ○

تمہارا معبود (یقیناً) ایک ہی معبود ہے سو جو لوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل (اس حقیقت کو) نہیں مانتے اور وہ تکبر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ (خوب) جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے اور نہ کوئی عالم الغیب ہے۔ اس لئے تمہارا خدا ایک اور یگانہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ احد و صمد ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کے دل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی بے شمار نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور قبول حق سے تکبر کرتے ہیں۔ بلاشتہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔ اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں اس لئے وہ ہر عمل پر جزا اور سزا دے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔

منکرین نبوت کا انجام

۲۴، ۲۵۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝

اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے (محمد ﷺ پر) کیا چیز نازل فرمائی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو (محض) پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں تاکہ قیامت کے روز وہ اپنا (گناہوں کا) پورا بوجھ بھی اٹھائیں اور ان لوگوں (کے گناہوں) کا بوجھ بھی جن کو وہ بے علمی کی وجہ سے گمراہ کرتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! بُرا ہے وہ بوجھ جو وہ اٹھاتے ہیں۔

اَسَاطِيْرُ : کہانیاں۔ بے سند باتیں۔ وحد اُسْطُوْرَةٌ۔

اَوْزَارَهُمْ : ان کے بوجھ۔ ان کے گناہ۔ واحد وِزْرٌ۔

سَآءَ : وہ برا ہے۔ سَوْءٌ سے ماضی۔ فعل ذم ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جب اپنی نبوت و رسالت پر قرآن کریم سے استدال کیا اور منکرین نبوت کو بتایا کہ یہ اللہ کا کلام اور معجزہ ہے تو وہ کہنے لگے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ گزرے ہوئے لوگوں کے قصے کہانیاں اور بے سند باتیں ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ دوسروں کو گمراہ کرنے کے لئے ایسی باتین کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے روز یہ لوگ اپنی گمراہی کے گناہوں کا تو پورا پورا بوجھ اٹھائیں گے ہی اس کے ساتھ ہی کچھ بوجھ یہ ان لوگوں کے گناہوں کا بھی اٹھائیں گے جو ان کے بہکانے سے گمراہ ہوئے۔ آگاہ ہو جاؤ وہ بہت بُرا (تکلیف دہ) بوجھ ہوگا۔ جس کو یہ لوگ قیامت کے روز اپنی پیٹھوں پر اٹھائیں گے۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا اس کو ان

سب لوگوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا جنہوں نے اس کی پیروی کی اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا اور جس نے لوگوں کو گمراہی کی طرف بلایا اس کو ان سب لوگوں کے گناہ کے برابر گناہ ہو گا جنہوں نے اس کی پیروی کی اور ان پیروی کرنے والوں کے گناہ سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

(روح المعانی ۱۲۲، ۱۲۴ / ۱۴، معارف القرآن ان مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۹ / ۴)

گزشتہ قوموں کا انجام

۲۶، ۲۷۔ قَدْمَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِ يَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَ السُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○

ان سے پہلے لوگ بھی مکر (دغا بازی) کر چکے ہیں سو اللہ (کا عذاب) ان کی عمارتوں پر بنیادوں کی طرف سے آ پہنچا پھر اوپر سے ان پر چھت گر پڑی اور ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جس کا انہیں خیال بھی نہ تھا۔ پھر قیامت کے دن (اللہ) انہیں رسوا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم (میرے پیغمبروں سے) جھگڑتے تھے۔ (اس وقت) وہ لوگ جن کو علم دیا گیا تھا کہیں گے کہ بیشک آج کے دن تمام رسوائی اور برائی کافروں پر ہے۔

مَكَرَ : اس نے مکر کیا۔ اس نے تدبیر کی۔ اس نے حیلہ کیا۔ مَكْرٌ سے ماضی۔

بُنْيَانَهُمْ : ان کی عمارت۔

اَلْقَوَاعِدِ : بنیادیں۔ دیواریں، واحد قَاعِدَةٌ۔

تُشَآقُّوْنَ : تم مخالفت کرتے ہو۔ تم جھگڑتے ہو،۔ مُشَاقَةٌ سے مضارع۔

تشریح: جو کافر و منکر ان مشرکین مکہ سے پہلے گزر چکے، انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے، حق کو پست کرنے اور اللہ کے پیغمبروں کے ساتھ فریب کرنے کی عجیب و غریب تدبیریں کیں۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں نمرود بادشاہ تھا جو نہایت سرکش، ظالم اور متکبر تھا۔ اس کا مکر یہ تھا کہ اس نے بابل میں ایک بہت اونچا محل بنوایا تھا جو پانچ ہزار گز بلند تھا اور بعض کہتے ہیں کہ دو فرسخ یعنی چھ میل اونچا منارہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زلزلے کے ذریعے ان کا بنا بنایا گھر جڑ بنیاد سے اکھاڑ دیا اور اوپر سے ان پر چھت آگری اور اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے ان پر آپہنچا جہاں سے اس کے آنے کا ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ انہوں نے عمارت کی بنیادیں ایسی مستحکم اور مضبوط بنائی تھیں کہ ان کے سان و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ یہ اس طرح جڑ بنیاد سے اکھڑ جائیں گی اس طرح سب لوگ چھتوں کے نیچے دب کر مر گئے۔

منکرین کا یہ انجام تو دنیا میں ہوا۔ اس دنیاوی عذاب کے علاوہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کو مزید ذلیل و رسوا کرے گا۔ قیامت کے روز کی رسوائیوں میں سے ایک رسوائی یہ ہو گی کہ اس دن اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا کہ میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم انبیا کرام اور اہل ایمان سے جھگڑا کیا کرتے تھے۔ آج وہ تمہیں ذلت و مصیبت سے بچانے کے لئے تمہارے ساتھ کیوں نہیں آئے۔

منکرین کی یہ حالت دیکھ کر وہ اہل علم جو دنیا میں ان کو نصیحت کیا کرتے تھے، منکرین کی ذلت میں اضافے اور ان کی مصیبت پر اظہار مسرت کے لئے ان سے کہیں گے کہ بلاشبہ آج تمام ذلت و رسوائی کافروں پر ہے۔ دنیا میں کافر مومنوں کو ذلیل سمجھتے تھے۔ قیامت کے دن انہیں معلوم ہو جائے گا کہ در حقیقت وہی (منکرین) ذلیل ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۱،۲۰۲/ ۴)

منکرین کی جانکنی کے وقت کا حال

۲۸،۲۹۔ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ○

یہ وہ لوگ ہیں جن کی روح فرشتے ایسی حالت میں قبض کریں گے کہ وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے (وہ کفر پر قائم تھے) پھر وہ اپنی اطاعت کا اظہار کریں گے کہ ہم تو کچھ بھی برائی نہ کیا کرتے تھے۔ کیوں نہیں۔ بیشک اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے۔ سو تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ اس (جہنم) میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے سو کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ تکبر کرنے والوں کا۔

تشریح: یہاں ان کافروں کی موت کا حال بیان کیا گیا ہے جو مرتے دم تک اپنے کفر و شرک میں مبتلا رہے اور خواب غفلت میں سوتے رہے۔ اگر مرنے سے پہلے کفر و شرک سے توبہ کر لیتے تو اس ذلت و رسوائی سے بچ جاتے جس کا سامنا ان کو قیامت کے روز کرنا پڑے گا۔ جب فرشتے ان کی جان لینے کے لئے ان کے پاس آئیں گے تو اس وقت یہ ظالم صلح کا پیغام دیں گے اور مخاصمہ اور جھگڑا چھوڑ کر اطاعت کی طرف مائل ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم دنیا میں کوئی برا کام اور کفر و شرک نہیں کرتے تھے۔ یہ گفتگو روح قبض ہونے سے ذرا پہلے ہو گی۔ یہ لوگ قیامت کے روز بھی قسمیں کھا کھا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا مشرک نہ ہونا بیان کریں گے۔ جیسا کہ دوسرے جگہ ارشاد ہے۔

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۔ (سورۂ انعام، آیت ۲۳)

ہمیں ہمارے رب کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔

فرشتے کہیں کے کیوں نہیں تم یقیناً مشرک تھے تم جھوٹے ہو۔ تم اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ بلاشبہ وہ تمہارے اعمال بد سے خوب واقف ہے۔ اب تمہارا انکار تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ کو ذرے ذرے کا علم ہے۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کی سزا ضرور دے گا۔ سو اب تم اپنے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتو اور جہنم کے دروازوں میں سے داخل ہو کر جہنم میں چلے جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو۔ پس کیا ہی برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا جو اپنے غرور کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی عبادت و بندگی اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا انکار کرتے رہے اور اپنے کفر و شرک پر قائم رہے۔ (یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بلی سے آخر تک اللہ کا قول ہو، فرشتوں کا نہ ہو)۔ (مظہری ۳۳۶/۵، مواہب الرحمن ۱۰۴/۱۴)

پرہیز گاروں کا انجام

۳۰، ۳۲۔ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور (جب) پرہیز گاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو وہ کہتے ہیں کہ بھلائی (نازل کی) جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور البتہ آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے اور کیا ہی خوب گھر ہے پرہیز گاروں کا۔ وہ (گھر) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے۔ ان (باغوں) کے نیچے

سے نہریں جاری ہوں گی۔ وہاں ان کے لئے ہر وہ چیز ہو گی جو وہ چاہیں گے۔ اللہ پرہیز گاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (شرک و معصیت سے) پاک ہوتے ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ سلامتی ہو تم پر۔ تم جنت میں داخل ہو جاؤ (اپنے نیک اعمال کے سبب) جن کو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔

تشریح: بد بختوں کی حالت اور انجام کے بیان کے بعد ان آیتوں میں نیک بختوں کے انجام کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں بد بختوں کا جواب تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب تو محض سابقہ قوموں کے بے اصل قصے ہیں جبکہ نیک لوگوں نے جواب دیا کہ وہ سراسر خیر و برکت ہے۔ جو بھی اس پر ایمان لائے گا اور اس پر عمل کرے گا وہ خیر و برکت سے مالا مال ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک اعمال کئے ان کو دونوں جہان کی بھلائی حاصل ہو گی۔ یہاں دنیا کی بھلائی سے مراد فتح و نصرت اور غلبہ و خلافت ہے اور آخرت کی بھلائی سے جنت مراد ہے۔

پرہیز گاروں کے لئے آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے۔ ان کے لئے آخرت میں جنت عدن ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور جس کے محلوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ پرہیز گاروں کو اس جنت میں ہر وہ چیز میسر ہو گی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو ایسے ہی اجر و ثواب اور بدلے دیتا ہے۔ فرشتے ان لوگوں کی جانیں اس حال میں قبض کریں گے کہ وہ شرک کی گندگی سے پاک و صاف ہوں گے۔ فرشتے ان کو سلام کریں گے اور جنت کی خوشخبری سنائیں گے اور کہیں گے کہ تم اپنے ان اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ، جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ (ابن کثیر ۵٦۷، ۵٦۸ / ۲، مواہب الرحمٰن ۱۰٦، ۱۰۸ / ۱۴)

کفار کو تنبیہ

۳۳، ۳۴۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْيَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○

کیا یہ (منکرین) اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس (موت کے) فرشتے آجائیں یا آپ کے رب کا حکم آجائے۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسے ہی کہا تھا اور اللہ نے تو ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ آخر ان کے اعمال بد کی سزائیں ان کو ملیں اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا۔

حَاقَ : اس نے گھیر لیا۔ وہ نازل ہوا۔ حَيْقٌ و حُيُوْقٌ سے ماضی۔

يَسْتَهْزِءُوْنَ : وہ مذاق کرتے ہیں۔ اِسْتِهْزَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو تنبیہ کے لئے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس وقت تک راہ راست پر نہیں آئیں گے جب تک کہ فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کے لئے نہ پہنچیں یا ان پر کوئی مہلک عذاب آجائے اور سب ایک دم ہلاک ہو جائیں۔ تب عذاب کو دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں امر ربی سے قیامت کا آنا مراد ہو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کیا یہ لوگ قیامت یا موت کے منتظر ہیں کہ اس وقت ایمان لائیں گے حالانکہ اس وقت کا ایمان لانا معتبر نہ ہوگا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے آکر سب کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیں جو ناممکن اور محال ہے کیونکہ فرشتوں کو اصل صورت میں دیکھنا عام بشری طاقت سے باہر ہے۔

جس طرح ان لوگوں نے کفر و شرک اختیار کر رکھا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کا انکار

کرتے ہیں اسی طرح ان سے پہلے لوگ بھی اپنے کفر و عناد پر قائم رہے یہاں تک کہ اللہ کے عذاب نے ان کو آلیا۔ ان کو عذاب سے ہلاک کر کے اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ کفر و شرک پر قائم رہ کر اور معاصی کا ارتکاب کر کے انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ سو ان کو ان کے اعمال بد کی سزا ملی اور جس عذاب کی وہ ہنسی اڑاتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۴/۴)

مشرکین کے دلائل کا رد

۳۵۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○

اور مشرکوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (کسی اور کی پرستش کرتے) اور نہ ہم اس (کے حکم) کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ جو (کافر) ان سے پہلے ہوئے ہیں انہوں نے بھی اسی طرح کہا تھا۔ سو رسولوں کے ذمے تو محض صاف صاف (پیغام) پہنچا دینا ہے۔

تشریح: گزشتہ زمانے کے کافروں کی مانند مکہ و عرب کے کفار و مشرکین بھی طعن کے طور پر کہتے ہیں کہ جب ہر کام اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرتے اور نہ ہم اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کے سوا کسی چیز کو حرام کرتے۔ یہ سب کچھ تو رسول (ﷺ) سے بہت پہلے ہمارے باپ دادا سے چلا آرہا ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اس لئے ہمیں رسول کی حاجت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو لوگ ان مشرکین عرب سے پہلے تھے

انہوں نے بھی شرک کرنے اور حلال کو حرام کرنے کی یہی علت بیان کی تھی۔ سو پیغمبروں پر تو اسی قدر فرض ہے کہ وہ لوگوں کو صاف صاف احکام پہنچادیں۔ اس کے سوا ان کا کوئی کام نہیں۔ ہدایت یاب کرنا تو اللہ کے قبضۂ قدرت میں اور اسی کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ کے پیغمبروں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی خوشنودی کا راستہ بتادیں۔ (روح المعانی ۱۳۵، ۱۳۶/ ۱۴)

انبیا کی بعثت کا مقصد

۳۶، ۳۷۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ط فَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ O اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ O

اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے ہیں (اسی تبلیغ کے لئے) کہ تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اور بتوں (کی عبادت) سے بچو۔ پھر ان میں سے بعض کو تو اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت (مسلط) ہو گئی۔ سو تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اگر آپ ان کو راہ راست پر لانے کی تمنا کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جس کو وہ گمراہی پر رکھنا چاہتا ہے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہو سکتا ہے۔

الطَّاغُوْتَ: شیطان۔ سرکش۔ نافرمان۔ جمع طَوَاغِیتُ۔

حَقَّتْ: ثابت ہوئی۔ پوری ہوئی۔ مطابق ہوئی۔ حَقٌّ سے ماضی۔

تشریح: پیغمبر کی بعثت کوئی نئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ اس نے ہر

زمانے اور ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کا حکم دیں اور شیطان سے بچنے کی تاکید کریں۔ سو ان سابقہ امتوں میں سے جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت یاب بنانا چاہا ان کو پیغمبروں کی رہنمائی سے ایمان کی توفیق دے دی اور جن کو اللہ نے بقضائے ازلی گمراہ بنانا چاہا تو پیغمبر کی تعلیم کا انکار ان کی گمراہی میں اضافے کا سبب بن گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منکرین کو کفر ہی کی حالت میں ہلاک کر دیا اور ان کی بستیوں کو اجاڑ دیا اور ان کے محل ویران ہو گئے۔ اے مشرکین مکہ تم دنیا میں گھوم پھر کر ذرا دیکھو تو سہی کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا۔ قوم عاد و ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب کی بستیاں دیکھو کہ کیسے کیسے عبرت کے نشانات ہیں۔

پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ علم الٰہی میں جن لوگوں کے حق میں گمراہی ہے۔ آپ ان کے راہ راست پر آنے کی خواہ کتنی ہی تمنا کریں وہ لوگ راہ راست پر نہیں آئیں گے۔ جن کو اللہ ہی گمراہ کر دے ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں کہ اللہ کی مشیت کو دور کر کے ان کو عذاب سے بچا دے یا ان کو ہدایت یافتہ کر دے۔

(روح المعانی ۱۳،۱۴۰/ ۱۴، مظہری ۳۳۹، ۵/۳۴۰)

مشرکین کی قسمیں

۳۸، ۴۰۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

اور وہ (کافر) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ (قیامت کے روز) اس کو زندہ نہیں کرے گا۔ اس نے اپنے اوپر پختہ

وعدہ کر رکھا ہے۔ (وہ اس کو ضرور پورا کرے گا) لیکن اکثر لوگ نہیں
جانتے (وہ ضرور زندہ کرے گا) تاکہ اللہ ان پر یہ بات ظاہر کر دے
جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور تاکہ کافروں کو معلوم ہو
جائے کہ (واقعی) وہ جھوٹے تھے۔ بیشک جب ہم کسی چیز کے کرنے کا
ارادہ کرتے ہیں تو ہمارا اس کو اتنا کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ ہو، پس وہ ہو
جاتی ہے۔

جَهْدَ : زوردار کوشش، پختہ۔ سخت۔ تاکید۔ مصدر ہے۔
اَيْمَانِهِمْ : ان کی قسمیں۔ واحد یَمِيْنٌ۔

شانِ نزول: ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے ابو العالیہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک مسلمان کا کسی مشرک پر کچھ قرض تھا۔ مسلمان اس مشرک کے پاس تقاضا کرنے گیا اور اس سے قرض کے بارے میں کچھ بات چیت کی۔ گفتگو کے دوران مسلمان نے یہ بھی کہہ دیا کہ مرنے کے بعد مجھے اللہ سے یہ یہ امیدیں ہیں۔ اس پر مشرک نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں مرنے کے بعد زندہ ہونے کا یقین ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو مر گیا اس کو اللہ دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۴۰/۵، مواہب الرحمٰن ۱۱۳/۱۴)

تشریح: کافر چونکہ قیامت کے قائل نہیں اس لئے وہ دوسروں کو بھی اس عقیدے سے ہٹانے کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں اور پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا۔ اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت ضرور آئے گی۔ اللہ کا یہ وعدہ برحق ہے۔ لیکن بہت سے لوگ جہالت اور لاعلمی کی بنا پر یہ نہیں جانتے کہ اللہ کے وعدے کے خلاف ہونا محال ہے۔

قیامت آنے اور لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جن امور میں یہ لوگ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔ ان میں سے حق کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ نیک لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا ملے گی اور منکرین و مکذبین کو سزا ملے گی۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ کافروں کا ان کی قسم میں جھوٹا ہونا ظاہر کر دیا جائے گا اور ان کو جہنم میں دھکیل کر جتا دیا جائے گا

کہ یہی وہ دوزخ ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی کام اسے عاجز نہیں کر سکتا اور کوئی چیز اس کے اختیار سے خارج نہیں۔ وہ جو کام بھی کرنا چاہتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ کام اسی وقت ہو جاتا ہے۔ اس کے نزدیک ہم سب کا پیدا کرنا اور پھر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے کُنْ کہتے ہی کسی چیز کا وجود میں آجانا ہے۔ اسے دوبارہ کہنے اور تاکید کرنے کی ضرورت نہیں۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم کے خلاف کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کو مخاطب کر کے دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ (یٰسٓ آیت ۷۹)

آپ کہہ دیجئے کہ گلی سڑی ہڈیوں کو (دوبارہ) وہی پیدا کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

حالانکہ اس وقت تو ہڈی بھی نہ تھی۔ لہٰذا دوبارہ پیدا کرنا تو پہلے کے مقابلے میں بہت آسان ہے۔ (ابن کثیر ۵۶۹ / ۲، مواہب الرحمٰن ۱۱۲۔۱۱۵ / ۱۴)

ہجرت کے منافع

۴۱، ۴۲۔ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

اور جن لوگوں نے ظلم کئے جانے کے بعد اللہ کے لئے ہجرت کی تو ہم ان کو دنیا میں بھی اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے۔ کاش ان (کافروں) کو بھی (یہ بات) معلوم ہوتی۔ (یہ انعام ان کے لئے ہے) جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

شانِ نزول: عبدالرزاقؒ، ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور داؤد بن ہند کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت ابو جندل بن سہلؓ کے متعلق ہوا۔ مشرکوں نے ان کو مکہ میں قید کر رکھا تھا اور ان کو تکلیفیں دیتے تھے۔ (مظہری ۳۴۱/۵)

ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتمؒ اور عبد بن حمیدؒ نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول چند صحابہ کے بارے میں ہوا جن پر اہل مکہ نے مظالم کئے تھے اور ان کو گھروں سے نکال باہر کیا تھا۔ انہی مظلوموں میں سے ایک گروہ ملک حبش کو چلا گیا تھا۔ پھر اللہ نے ان کو مدینہ میں ٹھکانا دیا۔ (روح المعانی ۱۴۵/ ۱۴، مظہری ۳۴۱/ ۵)

تشریح: جو لوگ اللہ کے لئے ترک وطن کر کے اور دوست احباب کنبہ، قرابت اور اپنی تجارت کو ترک کر کے اللہ کے دین کے لئے ہجرت کرتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک دونوں جہاں میں معزز و محترم ہیں۔ ان کو دنیا میں بہترین ٹھکانا دیا جائے گا۔ جیسے مدینہ منورہ اور آخرت کا اجر تو بہت ہی عظیم الشان ہے۔ کاش ان کافروں کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آخرت کا اجر وثواب بہت عظیم ہے تو یہ کافر و ظالم لوگ کبھی ظلم نہ کرتے اور ہزار جان سے رسول کی اتباع پر فدا ہوتے۔ آیت کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ہجرت سے جان چرانے والے، مہاجرین کے اجر وثواب سے واقف ہوتے تو ہجرت میں سبقت کرتے۔ یہی پاک باز لوگ اللہ کی راہ میں پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر سے کام لیتے ہیں اور اللہ پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں اور اس میں ذرا فرق نہیں آنے دیتے۔ اس لئے دونوں جہاں کی بھلائیاں انہی لوگوں کے لئے ہیں۔

(روح المعانی ۱۴۴، ۱۴۶/ ۱۴، مواہب الرحمٰن ۱۱۶، ۱۱۹/ ۱۴)

اہلِ ذکر سے استفادے کا حکم

۴۳، ۴۴۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ

اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ O
اور ہم نے آپ سے پہلے بھی تو انسان ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ سو اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو تم اہل ذکر (اہل علم) سے پوچھ لو۔ ہم نے ان کو معجزے اور کتابیں دے کر (بھیجا تھا) اور (اے رسول) ہم نے آپ پر بھی قرآن نازل کیا ہے تاکہ جو کچھ ان کے لئے نازل کیا گیا ہے آپ اس کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کر دیں اور تاکہ لوگ (اس میں) غور کریں۔

تشریح: لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے آپ سے پہلے بھی ہم نے مرد ہی پیغمبر بنا کر بھیجے تھے۔ کسی فرشتے کو کبھی بھی پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ ہم ان پیغمبروں کے پاس فرشتوں کے ذریعہ وحی بھیجتے تھے۔ اے مشرکینِ مکہ اگر تم نہیں جانتے کہ اس سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا رہا ہے اور تمہیں آدمیوں کے پیغمبر ہونے میں شک وشبہ ہے تو تم ان اہلِ علم سے معلوم کر لو جن کے پاس سابقہ آسمانی کتابوں کا علم ہے۔ ہم نے کھلے معجزے اور کتابیں دے کر مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اہلِ ذکر سے مراد اہلِ کتاب ہیں۔ مجاہدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

اے محمد ﷺ جس طرح ہم نے پہلے رسولوں کو معجزے اور کتابیں اور صحیفے دے کر بھیجا تھا اسی طرح ہم نے آپ پر بھی قرآن مجید نازل کیا ہے، جو غافلوں کو ذاکر بناتا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کا واضح طور پر بیان کر دیں جو آپ کے ذریعہ ان کے پاس بھیجا گیا ہے اور وہ توحید اور معرفت الٰہی ہے، تاکہ یہ لوگ غور وفکر کریں، سوچیں سمجھیں اور جان لیں کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں۔ آیت میں مَا نُزِّلَ سے مراد ثواب کا وعدہ، عذاب کی وعید، احکام اور مجمل قوانین ہیں۔ (ابن کثیر ۵۷۰، ۵۷۱/ ۲، عثمانی ۷۵۹/ ۱)

منکرین و مشرکین کی تہدید

۴۵،۴۷۔ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْيَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْيَاْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَآ هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْيَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

کیا ان لوگوں کو جو بری تدبیریں کیا کرتے تھے اس بات کا (ذرا بھی) خوف نہیں رہا کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آجائے جو ان کے گمان میں بھی نہ ہو یا وہ ان کو چلتے پھرتے (اچانک کسی آفت میں) پکڑ لے سو وہ اس کو عاجز نہیں کر سکتے یا وہ ان کو خوف کی حالت میں پکڑ لے۔ سو تمہارا رب بڑا شفیق (اور) مہربان ہے،

يَخْسِفَ : وہ دھنسا دے گا۔ خَسْفٌ سے مضارع۔

حَيْثُ : جہاں، جس جگہ۔

تَقَلُّبِهِمْ : ان کا چلنا پھرنا۔ تَقَلِيْبٌ سے مضارع۔

تشریح: جو لوگ بری بری تدبیریں کرتے ہیں کیا وہ اس بات سے بے فکر ہو گئے کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر اچانک کوئی عذاب اس طرح آجائے کہ ان کے گمان میں بھی نہ ہو جیسے قوم لوط اور قوم شعیب پر آیا تھا یا اللہ ان مکار و بدکار لوگوں کو چلتے پھرتے آتے جاتے اور کھاتے کماتے ہی عذاب میں پکڑ لے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی شخص اور کوئی کام عاجز و بے بس نہیں کر سکتا۔ وہ ہارنے والا، تھکنے والا اور ناکام ہونے والا نہیں اور وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ خوف میں مبتلا کر کے کسی کو آج، کسی کو کل اور کسی کو پرسوں ہلاک کر دے اور اسی طرح سب کو ختم کر دے لیکن تمہارا رب بہت مہربان اور رحیم ہے اس لئے وہ فوراً عذاب نہیں دیتا۔

انسان کی غفلت پر تنبیہ

۴۸۔۵۰۔ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَاخَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ O وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآ بَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ O یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَایُؤْمَرُوْنَ O

کیا وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کے سائے (کبھی) دائیں طرف اور (کبھی) بائیں طرف جھکتے رہتے ہیں۔ (گویا کہ) وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور جتنے چلنے والے آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ سب اور فرشتے بھی اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر (بالادست) ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اس کو بجا لاتے ہیں۔

یَتَفَیَّؤُا: وہ جھکتے ہیں۔ وہ ڈھلتے ہیں۔ تَفَیُّءٌ سے مضارع۔

ظِلٰلُهٗ: اس کے سائے۔ واحد ظِلٌّ۔

دٰخِرُوْنَ: ذلیل ہونے والے۔ جھکنے والے، دَخْرٌ و دُخُوْرٌ سے اسم فاعل۔ واحد دَاخِرٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس کی ذات بابرکات کی عظمت وجلال کا یہ عالم ہے کہ ہر چیز جو اس نے پیدا کی ہے وہ اس کے سامنے سر بسجود ہے اور اسی کے حکم پر سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ کیا انسان اللہ کے قہر اور غضب سے بالکل بے خوف ہو گیا کہ اشرف المخلوقات ہو کر بھی اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے منہ موڑتا ہے اور غیروں کی

عبادت میں سرگرداں ہے حالانکہ جو کچھ آسمانوں میں ہے مثلاً چاند، سورج، ستارے اور جو زمین پر چلنے والی چیزیں ہیں وہ سب اور فرشتے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ اللہ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ غرض یہ سب چیزیں اللہ ہی کے زیر حکم ہیں اس نے جس کو جس کام کے لئے بنایا ہے وہ بلا چوں وچرا اس کام میں لگا ہوا ہے اور اپنے رب سے ڈرتا ہے جو غالب و قاہر ہے اور جو کچھ اس کو حکم دیا جاتا ہے وہ اس کی تعمیل کرتا ہے۔ سو یہ تمام چیزیں جس ذات واحد و یکتا کی مطیع و فرماں بردار ہیں اس قادر و قاہر کے عذاب سے انسان کیوں بے خوف ہو گیا؟

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۲۱۶)

خالص توحید کا حکم

۵۱،۵۵۔ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْآ اِلٰـهَيْنِ اثْـنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّایَ فَارْهَبُوْنِ ○ وَلَهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّـقُوْنَ ○ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ○ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ○ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰـهُمْ ۭ فَتَمَتَّـعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○

اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ دو خدا نہ بناؤ۔ خدا تو (بس) ایک ہی ہے۔ سو تم مجھ ہی سے ڈرو اور اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور عبادت ہمیشہ اسی کے لئے سزاوار ہے۔ پھر کیا تم اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو؟ اور تمہارے پاس جو کچھ (بھی) نعمت ہے تو وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر جب تم پر سختی آتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو۔ پھر جب وہ تمہاری مصیبت دور کر دیتا ہے تو فوراً تم میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے تاکہ جو نعمتیں

ہم نے ان کو دی تھیں وہ ان کی ناشکری کریں سو (دنیا میں چند روز) فائدہ اٹھالو پھر بہت جلد (آخرت میں) تمہیں (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا۔

فَارْهَبُوْنِ : پس تم مجھ سے ڈرو۔ رَهْبَةٌ سے امر۔

وَاصِبًا : لازوال۔ دائمی۔ مستقل۔ وُصُوْبٌ سے اسم فاعل۔

تَجْئَرُوْنَ : تم زاری کرتے ہو۔ تم فریاد کرتے ہو۔ جُوءَارٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک اور ہر چیز کا خالق ومالک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی کی عبادت خالص، دائمی اور واجب ہے۔ آسمان وزمین کی تمام مخلوق خوشی یا ناخوشی اسی کے ماتحت ہے۔ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت خلوص دل کے ساتھ کرو۔ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک تنہا وہی ہے۔ ہر قسم کا نفع ونقصان اسی کے اختیار میں ہے۔ بندوں کو جو کچھ نعمتیں حاصل ہیں وہ سب اسی کی طرف سے ہیں۔ رزق صحت وعافیت، فتح ونصرت اور دولت وخوشحالی سب اسی کی طرف سے ہے۔ اس کے احسان وانعام بے شمار ہیں۔ ان انعامات واحسانات کے پالینے کے باوجود بندے اس کے ویسے ہی محتاج ہیں۔ لہٰذا پورے عجز وانکسار کے ساتھ اس کی عبادت میں لگے رہنا چاہئے۔ اس سے خوف کرنا چاہئے اس کے سوا کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اس کے سوا کوئی کسی قسم کا نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جس طرح مصیبت کے وقت اس سے نالہ وفریاد کرتے ہیں اسی طرح امن وعافیت میں بھی اس کو یاد رکھنا چاہئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ مصیبت دور ہوتے ہی اس خالق ومالک حقیقی کو چھوڑ کر باطل معبودوں کی پوجا میں لگ جاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کفرانِ نعمت اور ناشکری کیا ہو سکتی ہے۔ سو تم دنیا میں چند روز اور مزے اڑالو پھر بہت جلد تمہیں اس ناشکری کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

(روح المعانی ۱۶۱، ۱۶۶ / ۱۴، ابن کثیر ۵۷۲ / ۲)

مشرکوں کی بے عقلی

۵۶۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ○

اور وہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے ان (بتوں) کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو وہ جانتے بھی نہیں۔ قسم ہے اللہ کی تمہاری افترا پردازی پر تم سے باز پرس ضرور ہو گی۔

نَصِيْبًا: حصہ، ٹکڑا، قسمت جمع نُصُبٌ۔

تَفْتَرُوْنَ: تم افترا کرتے ہو۔ تم بہتان لگاتے ہو۔ اِفْتِرَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: یہ مشرک لوگ ہماری دی ہوئی روزی میں بھی اپنے باطل معبودوں کے لئے حصہ مقرر کرتے ہیں۔ جن کے معبود ہونے کا نہ تو انہیں کچھ علم ہے اور نہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی سند اور دلیل ہے۔ بعض علما کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ بت بے جان ہیں، ہر قسم کے علم و شعور سے عاری ہیں اس لئے ان کو کسی چیز کا علم نہیں اور نہ ان کو یہ معلوم ہے کہ کون ان کی عبادت کرتا ہے۔ اس کے باوجود یہ احمق اور نادان، ان بے جان پتھروں کے لئے اللہ کی دی ہوئی روزی میں حصہ مقرر کرتے ہیں اور ان کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔ پس جو لوگ ان بتوں کو معبود بنا رہے ہیں ان سے افترا پردازی کی باز پرس ضرور کی جائے گی۔ (عثمانی ۷۶۲/۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۲۰/۴)

مشرکین کی سنگدلی

۵۷، ۶۰۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ○ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ○

یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِہٖ ؕ اَیُمْسِکُہٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّہٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ۝ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝

اور یہ (کافر) اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں۔ وہ اس سے پاک ہے (کہ اس کے لئے اولاد ثابت کی جائے) اور اپنے لئے وہ جو دل چاہتا ہے (یعنی بیٹے پسند کرتے ہیں) اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور دل ہی میں گھٹتا رہتا ہے۔ بیٹی کی خبر کی عار کے سبب وہ (قوم کے) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے یا تو وہ اس ذلت کو لئے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے۔ دیکھو کیا ہی برا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے انہی کا حال برا ہے اور اللہ تو بڑی شان والا ہے اور وہی زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

ظَلَّ : وہ ہو گیا۔ وہ ہو جاتا ہے۔ ظَلٌّ و ظُلُوْلٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

کَظِیْمٌ : سخت غمگین، کَظْمٌ و کُظُوْمٌ سے صفت مشبہ۔

یَتَوَارٰی : وہ چھپا چھپا پھرتا ہے۔ تَوَارِیٌ سے مضارع۔

هُوْنٍ : ذلت، رسوائی، خواری۔

یَدُسُّہٗ : وہ اس کو گاڑتا ہے۔ وہ اس کو دفن کرتا ہے۔ دَسٌّ سے مضارع۔ مصدر دو اسم۔

تشریح: یہ لوگ اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لئے اپنی پسند کی چیزیں یعنی بیٹے حالانکہ اللہ تو ان کے اس بہتان سے پاک و منزہ ہے۔ اس کے نہ بیوی ہے اور نہ بیٹی اور بیٹا وہ تو لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ہے۔ یہ قول بنو خزاعہ و کنانہ کا تھا۔

پھر فرمایا کہ جب ان احمقوں میں سے کسی کو لڑکی کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی

جاتی ہے تو غم سے اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ رنج و غم میں گھٹتا رہتا ہے اور جس لڑکی کی اس کو اطلاع دی جاتی ہے اس کی عار سے اپنی قوم کے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔

عربوں میں جب کسی کی بیوی کے ہاں پیدائش ہونے والی ہوتی ہے تو مرد پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے ہی اپنے قوم کے لوگوں سے چھپ جاتا اور بچے کی پیدائش کا انتظار کرتا ہے۔ اگر لڑکا پیدا ہوتا تو خوش ہو کر اپنے آپ کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ورنہ چھپا رہتا اور رنج و غم کے عالم میں سوچتا رہتا کہ اس لڑکی کو کیا کرے۔ اکثر لوگ لڑکی کو زندہ در گور کر دیتے تھے۔ اسلام نے جاہلیت کی اس رسمِ بد کا خاتمہ کیا اور ان کی شقاوت قلبی کو شفقت و رحم دلی سے بدل دیا۔

پھر فرمایا کہ خوب سن لو کہ تمہاری تجویز بہت ہی بری ہے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا اس کے لئے لڑکیاں تجویز کرتے ہو اور خود لڑکیوں کو باعث نفرت و عار سمجھتے ہو اور لڑکوں کو پسند کرتے ہو۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی حالت بہت بری ہے کہ لڑکوں کو چاہتے ہیں اور لڑکیوں سے نفرت کرتے ہیں اور یہ ایسے سنگدل ہیں کہ ان کو زندہ در گور کر دیتے ہیں حالانکہ جو کچھ اللہ نے عطا فرما دیا خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی وہ باعث خیر و برکت ہے۔ اللہ کی شان سب سے اونچی ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے۔ وہ بیوی اور اولاد کا محتاج نہیں وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ (روح المعانی ۱۶۷، ۱۷۰/ ۱۴، مواہب الرحمن ۱۳۱، ۱۳۴/ ۱۴)

اللہ تعالیٰ کا لطف و حلم

۶۱، ۶۲۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم (بے انصافی) پر پکڑنے لگتا تو کسی

جاندار کو زمین پر نہ چھوڑتا لیکن اللہ ان کو ایک مقررہ مدت تک ڈھیل
دیتا ہے۔ پھر جب وہ مقررہ وقت آجائے گا تو اس وقت وہ نہ ایک
ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے اور یہ کافر اللہ
کے لئے وہ چیزیں تجویز کرتے ہیں جن کو وہ خود پسند نہیں کرتے اور وہ
زبان سے جھوٹ کہتے ہیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے یقیناً ان کے لئے
(دوزخ کی) آگ ہے۔ جس میں سب سے پہلے وہی داخل ہوں گے۔

اَجَلٍ : وقت۔ مدت۔ موت۔ مہلت۔ جمع اٰجَالٌ۔

مُّسَمًّى : معین۔ مقرر کیا ہوا۔ نام رکھا ہوا۔ تَسْمِیَۃٌ سے اسم مفعول۔

جَرَمَ : شک، شبہ۔

مُّفْرَطُوْنَ : آگے بھیجے ہوئے۔ پہلے بھیجے ہوئے۔ اِفْرَاطٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور حلم و مہربانی کا بیان ہے کہ اگر وہ لوگوں کے گناہوں، نافرمانیوں اور بے جا حرکتوں پر ان کی فوری گرفت کرنے لگے اور ان کو فوری سزا دینا شروع کر دے تو زمین پر کوئی بھی جاندار چلتا پھرتا نظر نہ آئے۔ سب ہلاک ہو جائیں کیونکہ دنیا کا بڑا حصہ ظالموں اور بدکاروں کا ہے۔ جبکہ، چھوٹی موٹی خطاؤں اور قصوروں سے تو شاید ہی کوئی بچا ہو۔ سو خطاکاروں اور بدکاروں کو ہلاک کر دینے کے بعد انبیا کرام علیہم السلام کو دنیا میں بھیجنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لہذا جب نیک و بد دونوں زمین پر باقی نہ رہے تو دوسرے حیوانات کا زمین پر باقی رکھنا بھی بے سود ہو گا کیونکہ وہ سب بنی آدم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

بہر حال اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں بات بات پر گرفت کرنے لگے اور فوراً سزا دے تو اس دنیا کا تمام قصہ منٹوں میں پاک ہو جائے مگر وہ اپنے حلم و حکمت سے ایسا نہیں کرتا بلکہ مجرموں کو توبہ اور اصلاح کا موقع دیتا ہے۔ اس نے وقت مقررہ تک ان ظالموں کو ڈھیل اور مہلت دے رکھی ہے تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں۔ جب وہ مقررہ وقت آجائے گا تو اس میں ذرا بھی تاخیر نہ ہو گی۔

وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی باتیں تجویز کرتے ہیں جن کو وہ خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنے لئے بیٹیاں پسند نہیں کرتے اور نہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک کرنا پسند کرتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اس کے کاموں اور عبادت میں بتوں کو شریک بناتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ اپنی زبانوں سے جھوٹے دعوے بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں ہر طرح کی بھلائی انہی کے لئے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی بدکرداری کے سبب ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے اور بلاشبہ سب سے پہلے یہی لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ (عثمانی ۷۶۳/۱، مظہری ۳۴۹، ۳۵۰/۵)

آنحضرت ﷺ کو تسلی

۶۳، ۶۵ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ○

(اے رسول) اللہ کی قسم ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف قوموں میں رسول بھیجے تھے مگر شیطان نے ان کے اعمال (بد) ان کو عمدہ کر کے دکھائے۔ سو وہ آج بھی ان کا دوست ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ہم نے آپ پر اس لئے کتاب اتاری ہے تاکہ جن چیزوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں آپ ان کو صاف صاف بیان کر دیں اور (نیز یہ کتاب) مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت (کا ذریعہ) ہے اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس نے اس (بارش کے پانی) سے مردہ ہو جانے کے بعد زمین کو زندہ کر دیا۔ بیشک اس میں سننے

والوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔

تشریح: یہاں آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ کی قوم کا آپ کو جھٹلانا کوئی انوکھی بات نہیں۔ لہٰذا آپ ان کی حرکتوں سے دلگیر اور رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف امتوں کی طرف رسول بھیجے ہیں لیکن ہمیشہ یہی ہوا کہ شیطان ملعون نے ان کے کفریہ اعمال کو ان کی نظر میں خوبصورت اور پسندیدہ بنا دیا اس لئے وہ اپنے برے اعمال کو ترک کرنے کی بجائے ان پر جمے رہے۔ مسلمانوں کی دشمنی میں شیطان آج بھی ان کفار و مشرکین کا رفیق و مددگار بنا ہوا ہے۔ وہ مشرکین کو ان کے اعمال بد اچھے اور خوبصورت بنا کر دکھا رہا ہے۔ اسی لئے وہ اپنی شرارتوں پر قائم ہیں سو جو حشر ان سے پہلے لوگوں کا ہوا وہی ان مشرکین کا ہوگا۔ یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں ان سب کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہ قرآن مجید تو ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ آپ دین کے ان اصول و ضوابط کو لوگوں پر پوری طرح واضح کر دیں، جن میں وہ اختلاف اور جھگڑے ڈال رہے ہیں اور بندوں پر اللہ کی حجت تمام کر دیں۔ پھر ماننا اور نہ ماننا لوگوں کا کام ہے۔ آپ کو ان کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہدایت و رہنمائی سے فائدہ اٹھانا اور رحمتِ الٰہی میں آنا صرف انہی لوگوں کا حصہ ہے جن کو ایمان کی توفیق ملے گی۔

اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ مردہ ہونے کے بعد زمین کو زندہ اور سرسبز کر دیا۔ بلاشبہ آسمان سے پانی برسانے اور اس کے ذریعہ زمین پر سبزہ اگانے میں ایسے لوگوں کے لئے جو نہایت توجہ اور انصاف سے سنتے ہیں، اس کی قدرت اور توحید کی بڑی دلیل ہے۔ (روح المعانی ۱۷۳، ۱۷۵/ ۱۴، عثمانی ۷۶۵/ ۱)

چوپایوں میں عبرت کے نشان

۶۶، ۶۷۔ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ وَمِنْ ثَمَرٰتِ

النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اور تمہارے لئے چوپایوں میں بھی ایک سبق ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو خون اور گوبر ہے اس کے درمیان میں سے خالص دودھ ہم تمہیں پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں بھی (تمہارے لئے عبرت ہے) جن سے تم نشہ بھی بناتے ہو اور جن کو تم عمدہ روزی بھی قرار دیتے ہو۔ بے شک عقل مندوں کے لئے اس میں بھی ایک بڑی نشانی ہے۔

فَرْثٍ : وہ گوبر جو جانور کے پیٹ میں ہو۔ جمع فُرُوْثٌ۔

دَمٍ : لہو، خون، جمع دِمَاءٌ۔

سَآئِغًا : خوش ذائقہ۔ مزے دار۔ آسانی سے حلق میں اترنے والا۔ سَوْغٌ سے اسم فاعل۔

سَكَرًا : نشہ کی چیز۔ نیند۔ جمع اَسْكَارٌ۔

تشریح: چوپائے جانور بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔ ان جانوروں کے پیٹ میں جو الابلا بھری ہوئی ہوتی ہے اسی میں سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہایت خوش ذائقہ اور لطیف دودھ پلاتا ہے۔ جانوروں کے باطن میں جو خون اور گوبر وغیرہ ہے وہ اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ ان سے بچا کر تمہارے لئے نہایت خوشگوار دودھ نکالتا ہے۔ نہ اس کی سفیدی میں فرق آتا ہے اور نہ حلاوت اور ذائقے میں۔ جب جانور کا کھایا ہوا چارہ معدے میں پہنچتا ہے تو وہاں مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے مثلاً اس کا کچھ حصہ خون بن جاتا ہے کچھ حصہ پیشاب بن کر مثانے کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور گوبر اپنے مخرج کی طرف جمع ہو جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتا اور نہ وہ ایک دوسرے کو خراب اور متغیر کرتے ہیں۔ اس طرح جانور سے جو خالص دودھ حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت ہے۔

اس کے بعد ایک اور نعمت بیان فرمائی کہ تم کھجور اور انگور کے شیرے سے شراب بنا لیتے ہو اور حلال و عمدہ روزی بھی حاصل کرتے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تم ان

(کھجوروں اور انگور) سے شراب بناتے ہو جو حرام ہے اور دوسرے طریقوں سے ان (پھلوں) کو کھاتے پیتے ہو جو حلال ہیں۔ مثلاً کھجوروں اور انگوروں کو خشک کر کے کھانا، نبیذ اور شربت بنا کر پینا اور سرکہ بنا کر استعمال کرنا وغیرہ۔ سو جن لوگوں کو عقل جیسی نعمت دی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کو ان چیزوں اور نعمتوں سے پہچان سکتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۂ یٰسین آیات ۳۴ تا ۳۶)

اور ہم نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگا دیئے اور ان میں پانی کے چشمے بنا دیئے تاکہ لوگ اس کا پھل کھائیں اور یہ ان کے اپنے بنائے ہوئے نہیں۔ کیا پھر بھی یہ لوگ شکر گزاری نہیں کریں گے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین کی پیداوار میں اور خود انسانوں میں اور اس مخلوق میں جسے یہ جانتے ہی نہیں جوڑے جوڑے (مذکر و مؤنث) پیدا کر دیئے ہیں۔ (ابن کثیر ۵۷۴، ۵۷۵ / ۲)

شہد کی مکھی میں قدرتِ الٰہی کی نشانیاں

۶۸، ۶۹۔ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ پہاڑوں اور درختوں اور ان ٹٹیوں پر جن کو لوگ بناتے ہیں، اپنے چھتے بنائے۔ پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے کھائے اور اپنے رب کے راستوں میں چلے جو آسان ہیں۔ ان کے پیٹوں میں سے ایک ایسا شربت نکلتا ہے جس کے مختلف رنگ ہیں۔ اس (مشروب) میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ بیشک اس میں بھی غور کرنے والوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔

اَوْحٰی : یہاں وحی کے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں کہ بات کرنے والا اپنے مخاطب کو کوئی خاص بات مخفی طور پر اس طرح سمجھا دے کہ دوسرا شخص اس بات کو نہ سمجھ سکے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/۳۵۰)

النَّحْلِ : شہد کی مکھیاں، اسم جنس۔ واحد نَحْلَةٌ۔

الْجِبَالِ : پہاڑ۔ واحد جَبَلٌ۔

يَعْرِشُوْنَ : وہ چھت بناتے ہیں۔ وہ اونچا بناتے ہیں۔ عَرْشٌ سے مضارع۔

فَاسْلُكِيْ : سو تو (مونث) چل۔ سُلُوْكٌ سے امر۔

ذُلُلًا : آسان کی ہوئی۔ مسخر کی ہوئی۔ واحد ذَلُوْلٌ۔

بُطُوْنِهَا : اس (مؤنث) کے پیٹ۔ واحد بَطْنٌ۔

اَلْوَانُهٗ : اس کے رنگ، واحد لَوْنٌ۔

تشریح: شہد کی مکھی اپنی عقل و فراست اور حسنِ تدبیر کے لحاظ سے تمام حیوانات میں ممتاز ہے۔ اس کی فہم و فراست کا اندازہ اس کے نظام زندگی سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو انسانی سیاست و حکمرانی کے اصول پر چلتا ہے۔ تمام نظم و نسق ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو تمام مکھیوں کی حکمران ہوتی ہے۔ ان کے عجیب و غریب نظام اور مستحکم قوانین و ضوابط کو دیکھ کر

عقل حیران رہ جاتی ہے۔

بڑی مکھی یا ملکہ اپنے قد و قامت اور وضع و قطع کے لحاظ سے دوسری مکھیوں سے ممتاز ہوتی ہے اور دوسری مکھیوں کو مختلف امور پر مامور کرتی ہے۔ یہ تین ہفتوں کے عرصے میں ۶ ہزار سے ۱۲ ہزار تک انڈے دیتی ہے۔ بعض مکھیاں دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ کسی نامعلوم اور خارجی چیز کو اندر داخل نہیں ہونے دیتیں۔ بعض مکھیاں انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں اور بعض نابالغ بچوں کی تربیت کرتی ہیں۔ بعض معماری اور انجنیئرنگ کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ بعض موم جمع کر کے معماروں کے پاس پہنچاتی ہیں۔ جس سے وہ اپنے مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ بعض مختلف پھلوں اور پھولوں پر بیٹھ کر ان کا رس چوستی ہیں جو ان کے پیٹ میں جا کر شہد میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ شہد ان کی اور ان کے بچوں کی غذا ہے۔ یہی شہد ہمارے لئے بھی لذت، غذا اور بیماریوں سے شفا کا ذریعہ ہے۔ مکھیوں کی یہ مختلف پارٹیاں اپنی ملکہ کے حکم پر دل و جان سے عمل کرتی ہیں۔ کوئی مکھی گندگی پر بیٹھ جائے تو چھتے کے دربان اسے باہر روک لیتے ہیں اور ملکہ اس کو قتل کر دیتی ہے۔ یہ ان کی حسن کارکردگی کا حیرت انگیز نظام ہے۔ جسے دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اس آیت میں شہد کی مکھی کو تین کاموں کی ہدایت دی گئی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مکھیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر پہاڑوں، درختوں اور بلند عمارتوں پر بنائیں تاکہ ان کے تیار کردہ شہد کو تازہ اور صاف ستھری ہوا ملتی رہے اور وہ محفوظ رہے۔

۲۔ اپنی رغبت اور پسند کے مطابق جن پھلوں اور پھولوں تک اس کی رسائی ہو ان سے رس چوسے۔ شہد کی مکھی پھلوں اور پھولوں سے ایسے قیمتی اجزا چوستی ہے کہ آج کے نہایت ترقی یافتہ سائنسی دور میں جدید ترین مشینوں سے بھی وہ جوہر نہیں نکالا جا سکتا،

۳۔ مکھی کو تیسری ہدایت یہ دی گئی کہ وہ پھلوں اور پھولوں کی تلاش میں اپنے رب کی آسان راہوں میں بلا خوف و خطر چلتی پھرتی رہے۔ پھلوں اور پھولوں کی تلاش میں جب یہ اپنے چھتے سے نکل کر دور دراز مقامات پر چلی جاتی ہے تو بظاہر اس کا اپنے چھتے میں واپس آنا محال لگتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے راستوں کو نہایت

آسان بنادیا ہے۔ چنانچہ وہ میلوں دور سے بغیر بھولے بھٹکے اپنے چھتے پر واپس آجاتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس کے پیٹ سے مختلف رنگ کا مشروب (شہد) نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لے شفا ہے۔ رنگ کا اختلاف پھلوں و پھولوں اور موسم کے اختلاف کی بنا پر ہوتا ہے۔ اسی لئے کسی خاص علاقے کے شہد میں وہاں کے پھلوں اور پھولوں کا اثر و ذائقہ ہوتا ہے۔ شہد چونکہ سیال شکل میں ہوتا ہے اس لئے یہاں اس کو شراب (پینے کی چیز) کہا گیا۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کاملہ کی قطعی دلیل موجود ہے کہ ایک چھوٹے سے کیڑے کے پیٹ سے کیسا نفع بخش اور لذیذ مشروب نکلتا ہے حالانکہ وہ کیڑا خود زہریلا ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۳۵۰، ۵/۳۵۲)

انسانی وجود میں قدرت کی نشانیاں

۷۰۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ ۛ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں سے کچھ (لوگ) ایسے بھی ہیں جو نکمی عمر تک پہنچ جاتے ہیں تاکہ جاننے کے بعد بھی کچھ نہ جانے۔ بے شک اللہ بڑے علم (اور) قدرت والا ہے۔

تشریح: گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے پانی، نباتات، چوپائے اور شہد کی مکھی کے احوال بیان فرما کر انسان کو اپنی قدرتِ کاملہ اور مخلوق کے لئے اپنے انعامات پر متنبہ کیا۔ ان آیات میں انسان کو اپنے اندرونی حالات پر غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ انسان کچھ نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود کی نعمت عطا فرمائی۔ پھر جب چاہا تو اس کو موت دے کر وہ (وجود کی) نعمت ختم کر دی اور بعض لوگوں کو تو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجے میں پہنچا دیتا ہے کہ اس کے

ہوش وہواس ٹھکانے نہیں رہتے۔ اس کے ہاتھ پاؤں کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ نہ وہ کوئی بات سمجھ سکتا ہے اور نہ کوئی بات یاد رکھ سکتا ہے اور وہ ویسا ہی کمزور وناتواں ہو جاتا ہے جیسا کہ بچپن میں تھا جبکہ اس کو نہ کسی چیز کا علم اور خبر تھی اور نہ ہی فہم و فراست۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے کی یہ حالت نہیں ہوگی۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے علمِ کامل سے ہر شخص کی عمر کو جانتا اور اپنی قدرت سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر چاہے تو طاقت ور نوجوان پر ارذل العمر کے آثار طاری کردے اور چاہے تو سو سال کا عمر رسیدہ انسان بھی طاقتور جوان رہے۔ یہ سب کچھ اسی کے دست قدرت میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ (معارف از مفتی محمد شفیع ۳۵۶،۳۵۷/۵)

ایک دوسرے کو رزق میں فضیلت

۷۱۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○

اور اللہ ہی نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے رزق میں سے اپنے غلاموں کو نہیں دے ڈالتے کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔ کیا پھر بھی اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی جہالت اور ان کے کفر کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے سب انسانوں کو رزق میں برابر نہیں کیا بلکہ بعض کو بعض پر برتری دی ہے۔ یہاں فضیلت سے مراد زیاتی ہے۔ یعنی وہ بعض کو زیادہ رزق دیتا ہے اور بعض کو کم۔ کسی کو اس نے ایسا غنی بنادیا کہ اس کے پاس ہر قسم کا ساز و سامان ہے۔ غلام اور خادم ہیں وہ خود بھی اپنی خواہش کے مطابق خرچ کرتا ہے اور اس کے غلاموں اور خدمت گاروں کو

بھی اس کے ذریعہ رزق پہنچتا ہے۔ کسی کو اتنا فقیر و محتاج بنا دیا کہ وہ اپنی ضروریات میں بھی دوسروں کا دست نگر ہے۔ کسی کو درمیانے حال میں رکھا کہ وہ اتنا غنی بھی نہیں کہ دوسروں پر خرچ کرے اور اتنا محتاج بھی نہیں کہ اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کی طرف دیکھے۔

اس قدرتی تقسیم کا ایک اثر یہ ہے کہ کوئی بھی غنی آدمی اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ وہ اپنے مال کو اپنے غلاموں اور خادموں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ اس کے خادم اور غلام بھی مال کے اعتبار سے اس کے برابر ہو جائیں۔

مشرکین بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ وہ بت اور دوسری مخلوقات جن کی وہ پرستش کرتے ہیں سب اللہ کی مخلوق و مملوک ہیں سو جب یہ مشرکین اپنے مملوک غلاموں اور خادموں کو اپنے برابر کرنا پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیوں پسند کرتے ہیں کہ اس کی مخلوق و مملوک چیزیں اس کے برابر ہو جائیں۔ کیا یہ اللہ کی نعمتوں کا انکار نہیں؟

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۳۵۹/ ۵، مواہب الرحمٰن ۱۵۳، ۱۵۴/ ۱۴)

اللہ کی ایک اور نعمت

۷۲۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝

اور اللہ نے تمہیں میں سے تمہارے لئے جوڑے (بیویاں) بنائے اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ کیا پھر بھی وہ جھوٹے معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔

حَفَدَةً: پوتے۔ خدمت میں سرگرم ہونا۔ واحد حَافِدٌ۔

تشریح: اللہ کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری راحت و آرام کے لئے

تمہاری ہی جنس سے تمہاری ہم شکل وہم وضع عورتیں پیدا کر دیں اور ان عورتوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کر دیئے تاکہ تمہاری نسل باقی رہے۔ پھر اس نے پاکیزہ اور لذیذ چیزوں میں سے تمہیں رزق دیا تاکہ تمہاری زندگی قائم رہے۔ کیا توحید کے ان دلائل کے بعد بھی یہ لوگ بے حقیقت اور بے بنیاد چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں کہ اس کی دی ہوئی نعمتوں کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ (مواہب الرحمٰن ۱۵۵، ۱۵۶ / ۱۴)

بے مثال ذات

۷۳، ۷۴۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ○ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْـتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ آسمان سے ان کو رزق پہنچانے کا کچھ اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں سے، اور نہ کچھ قدرت رکھتے ہیں۔ سو تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو۔ بلاشبہ اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تشریح: طرح طرح کی نعمتیں اور حلال وطیب روزی دینے والی صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ذات ہے اور یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر باطل معبودوں کو پوجتے ہیں جو ان کو آسمان اور زمین سے ذرہ برابر بھی رزق نہیں پہنچا سکتے اور نہ وہ آسمان سے بارش برسا سکتے ہیں اور نہ وہ کسی قسم کی قدرت رکھتے ہیں۔ پس تم اللہ کے لئے مثالیں بیان نہ کرو اور نہ کسی کو اس کا شریک وسہیم اور اس جیسا سمجھو۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ مخلوق میں اس کی مثل کوئی نہیں اور یہ کہ مثالیں کیسے بیان کی جاتی ہیں۔ تمہیں اس کا علم نہیں۔ اگر تمہیں اپنی غلطی کا علم ہوتا تو تمہیں اللہ کے لئے مثالیں بیان کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ (ابن کثیر ۵۷۸ / ۲، نسفی ۲۹۴ / ۲)

آقا اور غلام کی مثال

۷۵۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ط هَلْ يَسْتَوٗنَ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ O

اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک غلام ہے جو دوسرے کا مملوک ہے۔ وہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب رزق دیا سو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔ کیا دونوں برابر ہیں۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں آقا اور غلام کی مثال سے شرک کا ابطال فرمایا ہے کہ ایک ایسا غلام ہے جو دوسرے کا مملوک ہے اور کسی قسم کے تصرف پر قادر نہیں اور ایک وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے محض اپنے فضل و مہربانی سے عمدہ اور حلال روزی عطا کی ہے اور اس کو اس کا مالک اور مختار بنا دیا۔ پھر وہ ہمارے دیئے ہوئے اس خاص رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ طور پر ہماری راہ میں جس طرح اور جتنا چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں۔ جس طرح بے اختیار غلام اپنے آقا کے برابر نہیں ہو سکتا جو صاحب اختیار ہے۔ اسی طرح بت جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عاجز و بے بس ہیں وہ قادر مطلق کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں۔

اللہ ہی تمام نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے۔ اس لئے سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔ وہی سب کا خالق و مالک اور مختار ہے۔ اس کے سوا کوئی نعمت دینے والا نہیں اس لئے کوئی دوسرا تعریف و توصیف کا مستحق نہیں۔ اکثر لوگ نادانی کی وجہ سے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو بتوں کی طرف منسوب کر کے ان کی عبادت کرنے لگتے ہیں۔ یہ نری جہالت ہے۔

دوسری مثال

۷۶۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O

اور اللہ ایک اور مثال بیان کرتا ہے دو آدمیوں کی۔ ان میں سے ایک تو گونگا ہے (اور) کوئی کام نہیں کر سکتا (اس لئے) وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے۔ وہ اس کو جہاں بھیجتا ہے کوئی بھلائی لے کر نہیں آتا۔ کیا وہ (گونگا) اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ خود بھی سیدھے راستے پر قائم ہے۔

اَبْكَمُ : گونگا۔ بکمٌ سے صفت مشبہ۔

كَلٌّ : بوجھ، وبال۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں دوسری مثال یہ بیان فرمائی کہ دو شخص ہیں۔ ان میں سے ایک گونگا ہے وہ کسی بات پر قدرت نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنے مالک کے لئے وبال جان ہے۔ کوئی بھی کام ٹھیک طرح نہیں کر سکتا۔ ایسا ناکارہ شخص اس مبارک اور سمجھدار آدمی کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ جو خوب روانی سے بول سکتا ہے۔ ہر کام ٹھیک اور پورا پورا کرتا ہے۔ وہ خود سیدھی راہ پر ہے اور لوگوں کو عدل وانصاف کا حکم کرتا ہے۔ سو جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو یہ گونگے بہرے بت اس مالک وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔

کمالِ علم و قدرت

۷۷۔۷۹، وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْهُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ O وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ O

اور آسمانوں اور زمین کے بھید اللہ ہی کے پاس ہیں اور قیامت کا معاملہ تو بس ایسا ہے جیسے پلک کا جھپکنا یا اس سے بھی قریب تر۔ بیشک اللہ ہی ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے (اس حالت میں) نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اس نے تمہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تاکہ تم شکر کرو۔ کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان کی فضا میں مسخر ہیں۔ ان کو اللہ کے سوا کسی نے نہیں تھام رکھا ہے۔ بیشک اس میں بھی مومنوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

كَلَمْحِ : پلک جھپکنے کی مانند۔

جَوِّ : فضا، خلا، آسمان اور زمین کا درمیانی حصہ۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور کمال قدرت کو بیان فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں۔ قیامت بھی پوشیدہ چیزوں میں سے ہے۔ اس کا قائم کرنا اس پر ایسا

ہی آسان ہے جیسے پلک جھپکنا یا اس سے بھی آسان۔ بلا شبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ فوراً ہو جاتا ہے اور اس میں پلک جھپکنے کے برابر بھی وقت نہیں لگتا۔

اسی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حالت میں پیدا کیا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم کے ذرائع یعنی آنکھ، کان اور سمجھنے والے دل دیئے جو بذات خود بڑی نعمتیں ہیں اور لاکھوں نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے ذرائع ہیں۔ اگر انسان کو آنکھ، کان اور عقل وغیرہ نہ دیئے جاتے تو دنیا میں کوئی ترقیاتی کام نہ ہوتا۔ جوں جوں بچہ بڑا ہوتا ہے اس کی علمی اور عملی قوتیں بھی بتدریج بڑھتی جاتی ہیں۔ ان سب نعمتوں کا شکر، یہ تھا کہ انسان ان قوتوں کو اللہ کی رضا اور اطاعت میں خرچ کرتا مگر وہ بغاوت پر کمربستہ ہو گیا اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر اینٹ پتھروں کی پرستش کرنے لگ گیا۔

پھر فرمایا کہ جس طرح انسان کو علم اور سمجھ کے ذرائع عطا کئے اسی طرح اس نے پرندوں میں بھی ان کے حالات کے مناسب فطری قوتیں ودیعت کیں جو اللہ کے حکم سے ہوا میں معلق ہیں۔ ان پرندوں کو اڑنے کی تعلیم کسی درسگاہ میں نہیں دی گئی۔ اللہ نے ان کے پر اور بازو اور دم وغیرہ کی بناوٹ ایسی رکھی ہے کہ وہ نہایت آسانی سے فضا میں اڑتے رہتے ہیں۔ ان کے بھاری جسم یا زمین کی کشش ان کے اڑنے میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ اللہ ہی نے ان کو فضا میں تھام رکھا ہے۔ بے شک اس تسخیر میں ان لوگوں کے لئے اللہ کی قدرت کی واضح نشانیاں ہیں جو ان کو دیکھ کر اس کی قدرت اور وحدانیت پر ایمان لاتے ہیں اور جو مومن نہیں وہ ان نشانیوں پر نظر نہیں کرتے۔ (عثمانی ۷۷۰، ۷۷۱/ ۱، مواہب الرحمٰن ۱۶۵۔ ۱۶۷/ ۱۴)

تمہاری جائے سکونت

۸۰، ۸۳۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ط كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○

اور اللہ ہی نے تمہارے گھروں کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے سفر اور قیام (دونوں حالتوں) میں ہلکا پاتے ہو اور ان کی اُون اور ان کے رُووں اور ان کے بالوں سے بہت سا، سامان اور فائدے کی چیزیں ایک مقررہ وقت تک کے لئے بنائیں اور اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے بعض کو تمہارے لئے سایہ دار بنا دیا اور تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے کرتے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور کرتے (زرہیں) جو تمہیں جنگ میں محفوظ رکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تاکہ تم سر تسلیم خم کرلو۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو (اے رسول) آپ کے ذمے تو بس صاف صاف پیغام پہنچا دینا ہے۔ وہ اللہ کی نعمت پہچانتے ہیں پھر (بھی) اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔

جُلُوْدِ: جلدیں۔ کھالیں۔ چمڑے۔ واحد جِلْدٌ

تَسْتَخِفُّوْنَهَا: تم اس کو خفیف (معمولی) خیال کرتے ہو۔ تم اس کو ہلکا جانتے ہو۔ اِسْتِخْفَافٌ سے مضارع۔

ظَعْنِكُمْ: تمہارا سفر کرنا۔ تمہارا کوچ کرنا۔ مصدر ہے۔

اَوْبَارِهَا: اس کی اُون۔ اس کی پشم۔ اس کی روئیں۔ اونٹ کے بال۔ واحد وَبَرٌ۔

وَاَشْعَارِهَا: ان کے بال۔ واحد شَعْرٌ۔

اَکْنَانًا : پناہ گاہیں۔ چھپنے کی جگہیں۔ واحد کِنٌّ۔

بَاْسَکُمْ : تمہاری لڑائی۔ تمہاری سختی

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے بنی آدم کے رہنے سہنے اور ان کے آرام وراحت کے لئے انہیں مکان دے رکھے ہیں۔ اسی نے ان کو جانوروں کی کھال کے بنے ہوئے خیمے عطا کئے جو ہلکے پھلکے ہونے کی بنا پر سفر و قیام میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی کے ساتھ منتقل کئے جا سکتے ہیں۔ گویا نہ ان کا نصب کرنا مشکل اور نہ ان کو اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جانا مشکل۔ پھر وہ لوگ جانوروں کی اون اور بالوں وغیرہ سے گھریلو استعمال کی چیزیں بھی بناتے ہیں۔ مثلاً مختلف قسم کی رسیاں، کپڑے، دریاں اور قالین وغیرہ۔

اللہ ہی نے تمہارے آرام وراحت اور فائدے کے لئے درختوں کے سائے بنائے اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ کی جگہیں مثلاً غار اور قلعے وغیرہ بنائے اور تمہارے لئے سوت، اُون اور ریشم وغیرہ کے ایسے کرتے بنائے جو تمہیں گرمی اور سردی سے اور جنگ کے دوران دشمن کے وار سے محفوظ رکھتے ہیں۔ تمہارے لے ستر پوشی اور زیب وزینت کا ذریعہ ہیں۔ جس طرح اس نے تمہیں مذکورہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے۔ اسی نے تمہاری ہدایت ورہنمائی کے لئے اپنے رسول کو بھیجا اور اس کی تصدیق کے لئے اس کو معجزے عطا کئے اور اس پر اپنی کتاب نازل کی اور اسلام کو عزت دی تاکہ لوگوں کی اکثریت مطیع وفرماں بردار ہو جائے۔

اگر یہ لوگ قدرت کے اتنے دلائل اور نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان سے منہ پھریں تو آپ ان کی پرواہ نہ کریں اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ آپ کا کام تو صرف اللہ کا پیغام واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ ان کے ماننے اور نہ ماننے سے آپ کا تعلق نہیں۔ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر ان کا اقرار تو کرتے ہیں مگر پھر بھی جان بوجھ کر ان کا انکار کرتے ہیں اور اس کی نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اللہ کی عبادت میں اوروں کو شریک بنا لیتے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگ تو ہیں ہی ناشکرے۔

(مظہری ۳۶۰، ۳۶۲/ ۵)

کفر و شرک کا انجام

۸۴،۸۸۔ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ○ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ○ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ○ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ○

اور (اس دن کو یاد کرو) جس دن ہم ہر قوم میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے۔ پھر نہ تو کافروں کو (بولنے کی) اجازت ملے گی اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھیں گے تو وہ (عذاب) نہ توان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو (کسی قسم کی) مہلت دی جائے گی اور جب مشرک اپنے شرکا کو دیکھیں گے تو کہیں گے۔ اے ہمارے رب! یہی وہ ہمارے شرکا ہیں جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پوجتے تھے۔ پھر وہ شرکا ان پر بات ڈال دیں گے کہ بلاشبہ تم جھوٹے ہو اور اس دن وہ اللہ کے سامنے سر جھکا دیں گے اور وہ (دنیا میں) جو افترا کرتے تھے وہ سب گم ہو جائیں گے اور جو لوگ (دنیا میں) خود بھی کفر کرتے تھے اور (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ ان کے لئے ہم عذاب پر عذاب بڑھائیں گے اس فساد کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔

یُسْتَعْتَبُوْنَ :ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ان کا عذر قبول کیا جائے گا۔اِسْتِعْتَابٌ سے مضارع مجہول۔

صَدُّوْا: انہوں نے روکا،صَدٌّ سے ماضی۔

تشریح: یہاں اس حالت کا بیان ہے جو قیامت کے روز مشرکوں کو پیش آئے گی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے جو ان منکرین نعمت کے انکار کار پردہ چاک کرے گا اور ان کے کفر وشرک پر گواہی دے گا کہ اس نے ان کو اللہ کا حکم پہنچا دیا تھا۔یہ گواہ انبیاء کرام ہوں گے جو اپنی اپنی امت کے اچھے اور برے اعمال کی گواہی دیں گے۔انبیاء کی گواہی کے مطابق ہی ان کے بارے میں فیصلہ ہوگا اور اس وقت (گواہی کے بعد) ان کو عذر ومعذرت تک کی اجازت نہ ملے گی کیونکہ ان کے پاس کوئی عذر موجود ہی نہ ہوگا اور ان کا بطلان اور جھوٹ ان پر ظاہر ہو چکا ہوگا۔دوسری جگہ ارشاد ہے۔

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ○ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ○

(مرسلت آیات ۳۵،۳۶)

یہ ہے وہ دن کہ نہ وہ (کافر) بات کریں گے اور نہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

انبیا کرام کی گواہی کے بعد جب ان ظالم کفار ومشرکین کے حق میں عذاب کا فیصلہ ہو جائے گا اور یہ لوگ جہنم کے عذاب کو دیکھیں گے تو اس میں داخل ہونے کے بعد عذاب سے بلبلائیں گے اور عذاب میں تخفیف کی درخواست کریں گے۔مگر ان کے عذاب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ان کو یہ مہلت دی جائے گی کہ ان کا عذاب چند روز کی تاخیر سے شروع ہو۔اس دن ان کے باطل معبود جن کی وہ عمر بھر عبادت اور نذر ونیاز کرتے رہے ان سے بالکل بے زار ہو جائیں گے اور ان کے ذرا کام نہ آئیں گے۔اس وقت مشرکین ان بتوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہی ہیں ہمارے فرضی معبود جن کو ہم تیرے سوا پوجتے تھے۔انہی کی وجہ سے ہم گمراہ ہوئے ورنہ ہم تو بالکل بے قصور ہیں۔ان کے باطل معبود جواب میں کہیں گے کہ تم قطعاً جھوٹے ہو،ہم نے کب تمہیں اپنی عبادت کی دعوت دی تھی۔ہم نے کب کہا تھا کہ ہم خدا

کے شریک اور تمہارے حاجت روا ہیں اور تم ہماری پرستش کرو۔ تم تو خود ہی اپنی خواہشات کے تحت ہماری پوجا کرتے تھے۔

پھر جب یہ مشرکین اپنے معبودوں کی شفاعت سے ناامید ہو جائیں گے تو اپنے گناہ کا اقرار کر کے اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے۔ مگر اس وقت کی اطاعت ان کو کچھ نفع نہ دے گی اور ان کی ساری افترا پردازی جاتی رہے گی۔

یہ کفار و مشرکین دنیا میں لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے اور کفر و شرک پر آمادہ کرتے تھے۔ اس لئے یہ دوہرے عذاب کے مستحق ہیں۔ ایک عذاب تو ان کے ذاتی کفر و شرک کی بنا پر اور دوسرا عذاب ان کی اس فساد انگیزی کی پاداش میں دیا جائے گا کہ وہ دوسروں کو اسلام لانے سے روکتے تھے۔

(روح المعانی ۲۰۷۔ ۲۱۲ / ۱۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۴۱، ۲۴۲ / ۴)

قیامت کے روز آنحضرت ﷺ کی گواہی

۸۹۔ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ط وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ O

اور (وہ دن یاد کرو) جب ہم ہر امت میں سے ان کے اوپر انہی میں کا ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور (اے نبی) ہم آپ کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر ایک ایسی کتاب (قرآن) نازل کی ہے جو ہر چیز کو صاف صاف بیان کرتی ہے اور وہ مسلمانوں کے لے ہدایت ورحمت اور بشارت ہے۔

تشریح: قیامت کے دن جب امتیں اپنے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کریں گی اور کہیں گی کہ ہمیں اللہ کا پیغام نہیں پہنچا تو اس وقت آنحضرت ﷺ گواہی دیں گے کہ یہ کفار و منکرین

جھوٹے ہیں کیونکہ تمام انبیاء نے احکام کو صاف صاف اور اچھی طرح پہنچایا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی فضیلت ظاہر ہو گی اور منکرین کی فضیحت ہو گی۔ اس کے علاوہ آپ کی نبوت ور سالت اور آپ کی سیادت و افضلیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید نازل کیا جس میں تمام علوم و اصول دین صراحتاً اشارتاً یا کنایۃً موجود ہیں۔ جو چیزیں قرآن مجید میں صراحتاً مذکور نہیں ان کی تفصیل و تشریح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے فرما دی۔ پھر فرمایا کہ یہ کتاب سارے جہان کے لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھاتی ہے اور فرماں برداروں کے لے جنت کی بشارت ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۴۲ / ۴)

جامع ترین آیت

۹۰۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ O

بیشک اللہ تمہیں عدل کرنے، احسان کرنے اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

تشریح: یہ قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے۔ اسی لئے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک دستور چلا آرہا ہے کہ جمعہ وعیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا حکم دیا ہے اور تین چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ جن تین چیزوں کا حکم دیا ہے وہ یہ ہیں: ۱۔ عدل، ۲۔ احسان، ۳۔ اہل قرابت کو بخشش۔

جن تین چیزوں سے منع فرمایا ہے وہ یہ ہیں۔ ۱۔ فحش کام، ۲۔ ہر بُرا کام، ۳۔ ظلم و تعدی۔

ان سب کا شرعی مفہوم اور ان کی حدود کی تشریح یہ ہے۔

۱۔ عدل: اس کے لغوی معنی آپس کے حقوق میں برابری کرنے کے ہیں یعنی آپس کے حقوق ادا کرتے وقت ظلم کو چھوڑ دینا اور حقدار کو اس کا حق پہنچا دینا۔ اسی لئے لوگوں کے نزاعی معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا عدل کہلاتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (نساء آیت ۵۸)

یہ کہ تم لوگوں کے معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

مثلاً: ابن عربی نے فرمایا کہ لفظ عدل کے اصل معنی برابری کرنے کے ہیں۔ پھر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔

۱۔ اگر انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوعات و محرمات سے مکمل اجتناب کرے۔

۲۔ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے۔ یعنی اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جن میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو۔

۳۔ تمام مخلوق کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کا معاملہ کرے۔

۴۔ جب دو فریق اپنے کسی معاملے کا محاکمہ اس کے پاس لائیں تو کسی کی طرف میلان کے بغیر حق کے مطابق فیصلہ کرے۔

۵۔ ہر معاملے میں افراط و تفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرے۔

ابو عبداللہ رازی نے فرمایا کہ لفظ عدل میں عقیدے کا اعتدال، عمل کا اعتدال اور اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۷۷۳،۳۷۸/۵، نسفی ۲/۲۹۷)

۲۔ احسان: اس کے لغوی معنی اچھا کرنے کے ہیں۔ مثلاً عبادت کو اچھا کرنا، اعمال و اخلاق کو اچھا کرنا، معاملات کو اچھا کرنا وغیرہ۔ احسان کا درجہ عدل سے اوپر ہے کیونکہ عدل یہ ہے کہ جس قدر دوسرے شخص کا حق کسی کے ذمے ہو وہ پورا پورا ادا کر دیا جائے اور جس قدر اس کا حق کسی کے ذمے ہو وہ پورا پورا لے لیا جائے اور احسان یہ ہے کہ دوسرے شخص کو اس کے اصل

حق سے کچھ زیادہ دے اور اس سے اپنے حق سے کچھ کم لے۔ (المفردات ۱۱۹)

حدیثِ جبریل میں رسول اللہ ﷺ نے احسان کے جو معنی بیان فرمائے ہیں وہ کیفیت کے اعتبار سے ہیں کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے، گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے یقیناً دیکھ رہا ہے۔

کمیت کے اعتبار سے احسان یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں ہونے والی کوتاہی کی تلافی نوافل وغیرہ کے ذریعہ کرے۔

احسان کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ تو دوسرے شخص کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ معاملے کرے۔ اس معنی کے لئے لفظ احسان کے ساتھ حرفِ الی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (سورۃ القصص آیت ۷۷)

ابن ابی حاتم نے شعبی کی روایت سے بیان کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اس سے حسن سلوک سے پیش آئے جو تجھ سے اچھا سلوک کرے بلکہ احسان تو یہ ہے کہ تو اس سے حسن سلوک کرے جو تجھ سے بد سلوکی کرے۔ (روح المعانی ۱۴/۲۱۷)

۳۔ اہلِ قرابت کو بخشش: رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ جو قرابت دار ضرورت مند ہوں ان کی ضرورت پوری کرنا۔ جو ان میں سے بیمار ہوں ان کی خبر گیری کرنا اور ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنا۔

۴۔ فواحش کی ممانعت: جس برے فعل یا قول کی برائی واضح اور ظاہر ہو اور ہر شخص اس کو برا سمجھتا ہو اس کو فحش کہتے ہیں۔

۵۔ منکر: وہ قول و فعل جس کے حرام و ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو، منکر کہلاتا ہے۔ اس میں تمام ظاہری، باطنی، عملی اور اخلاقی گناہ داخل ہیں۔

۶۔ بغی: اس کے اصل معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد ظلم و عدوان ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اسی آیت کے سبب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ایمان

لائے اور لکھا ہے کہ اگر قرآن مجید میں اس آیت کے سوا کوئی اور آیت نہ بھی ہوتی تب بھی قرآن کو تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّھُدًی وَّرَحۡمَةً وَّبُشۡرٰی لِلۡمُحۡسِنِیۡنَ کہنا صحیح ہوتا۔

(بیضاوی ۲۲۹)

بغویؒ نے نقل کیا ہے کہ عکرمہؒ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت ولید کو سنائی تو ولید نے کہا کہ بھتیجے ذرا اس کو دوبارہ پڑھو۔ آپ نے یہ آیت دوبارہ تلاوت فرمائی تو ولید کہنے لگا کہ خدا کی قسم اس میں عجیب شیرینی اور ایک خاص حسن ہے۔ اس کا بالائی حصہ (ظاہر) ثمر آفریں اور نچلا حصہ (باطن) خوشوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

(مظہری ۵/۳۶۵)

بد عہدی کی مثال

۹۱، ۹۲۔ وَاَوۡفُوۡا بِعَھۡدِ اللّٰہِ اِذَا عٰھَدۡ تُّمۡ وَلَا تَنۡقُضُوا الۡاَیۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡکِیۡدِ ھَا وَ قَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰہَ عَلَیۡکُمۡ کَفِیۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ○ وَلَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّتِیۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَھَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ اَنۡکَاثًا ؕ تَتَّخِذُوۡنَ اَیۡمَانَکُمۡ دَخَلًاۢ بَیۡنَکُمۡ اَنۡ تَکُوۡنَ اُمَّةٌ ھِیَ اَرۡبٰی مِنۡ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا یَبۡلُوۡ کُمُ اللّٰہُ بِہٖ ؕ وَ لَیُبَیِّنَنَّ لَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ مَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ○

اور جب تم اللہ سے عہد کرو تو اسے پورا کرو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد توڑا نہ کرو حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضامن بھی بنا چکے ہو۔ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جانا جس نے اپنا محنت سے کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ (اس کی طرح) تم (بھی) اپنی قسموں کو فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو تاکہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے۔ بیشک اللہ اس سے تمہاری آزمائش کرتا

ہے اور جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو، قیامت کے روز اس کو ضرور
ظاہر کرے گا۔

اَوْفُوْا: تم پورا کرو۔ اِیْفَاءٌ سے امر۔

تَنْقُضُوا: تم توڑتے ہو۔ نَقْضٌ سے مضارع۔

غَزْلَهَا: اس عورت کا کاتا ہوا۔ اس کا سوت۔ مصدر بمعنی مفعول۔

اَنْکَاثًا: ریزہ ریزہ۔ ٹکڑے ٹکڑے۔ واحد نِکْثٌ۔

اَرْبٰی: زیادہ بڑھی ہوئی۔ زیادہ چڑھی ہوئی۔ رَبَاءٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: ان آیتوں میں عہد پورا کرنے کی تاکید اور بدعہدی کی ممانعت بیان کی گئی ہے کہ تم اللہ کا نام لے کر اور قسمیں کھا کر جو معاہدے کرتے ہو ان کو اللہ کے نام کی حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے پورا کرو بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں۔ جب کوئی مسلمان اللہ کے نام اور قسم سے معاہدے کو پختہ کرتا ہے تو گویا وہ اس معاملے میں اللہ کو گواہ یا ضامن بناتا ہے۔ اس لئے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے عہد کو ہر حال میں پورا کرے۔ خواہ اس کو اس میں کتنی ہی مشکلات اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے۔ اگر کسی مسلمان نے خیانت اور بدعہدی کی تو اللہ تعالیٰ اپنے علم محیط کی بنا پر اس کو اس کی پوری پوری سزا دے گا کیونکہ اس کی کھلی یا پوشیدہ دغا بازی اور بدعہدی اس سے مخفی نہیں۔

عہد پختہ کرنے کے بعد توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جیسے کوئی عورت دن بھر سوت کاتے، پھر شام کے وقت اپنا کتا کتایا سوت توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ مکہ میں ایک دیوانی عورت ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدوں کو محض کچے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کات لیا اور جب چاہا بے تکلفی سے توڑ ڈالا، سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے۔

پھر فرمایا کہ تم اہل جاہلیت کی طرح اپنی قسموں اور معاہدوں کو دغا، فریب، مکاری اور حیلہ سازی کا آلہ مت بناؤ۔ اہل جاہلیت اپنے سے طاقتور جماعت کو دیکھ کر اس سے معاہدہ کر لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اگر پہلی جماعت سے زیادہ معزز اور طاقتور کوئی دوسری جماعت سامنے آتی تو فوراً پہلی جماعت سے معاہدہ توڑ کر دوسری جماعت سے معاہدہ کر لیتے۔ پھر فرمایا

کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش اور امتحان کے لئے بعض قوموں کو قوی اور بعض کو ضعیف بنایا ہے۔ وہ بعض کو بلند کرتا ہے اور بعض کو نیچے گراتا ہے۔ اسی طرح عہد پورا کرنے کا حکم دینے میں بھی تمہاری آزمائش ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اپنا عہد پورا کرنے میں کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون عہد شکنی کرتا ہے۔

جن امور میں تم دنیا میں اختلاف کرتے ہو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کا فیصلہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ جن لوگوں نے عہد کو پورا کیا ہوگا ان کو ثواب اور جن لوگوں نے عہد شکنی کی ہوگی ان کو عذاب دے کر حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔

(عثمانی ۶۷۷/۱، مواہب الرحمٰن ۱۸۷۔۱۹۱/ ۱۴)

مشیتِ خداوندی

۹۳، ۹۶۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے، گمراہ کرتا ہے (ہدایت سے محروم کر دیتا ہے) اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم سے تمہارے اعمال کی ضرور باز پرس ہوگی اور تم اپنی قسموں کو آپس میں دھوکہ دینے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ کہیں جمنے کے بعد

قدم اکھڑ نہ جائیں اور تمہیں اللہ کی راہ سے روکنے کا مزہ چکھنا پڑے اور تمہیں سخت عذاب ہو اور تم اللہ کے عہد کے بدلے (دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ حاصل نہ کرو۔ بیشک جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور ہم صبر کرنے والوں کو ان کے اچھے کاموں کا ضرور بدلہ دیں گے۔

دَخَلاً: دخل دینے کا بہانہ، دھوکا، فساد۔ مصدر ہے۔

صَدَدْتُمْ: تم نے روک لیا۔ تم نے باز رکھا۔ صَدٌّ سے ماضی۔

یَنْفَدُ: وہ ختم ہو جائے گا۔ وہ تمام ہو جائے گا۔ نَفَادٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اگر وہ چاہے تو سب لوگوں کو ایک ہی دین یعنی اسلام پر متفق کرے اور ان میں آپس میں کوئی اختلاف نہ رہے مگر وہ اپنی حکمت و مشیت سے جس کو چاہتا ہے ہدایت سے محروم کر دیتا اور جس کو چاہتا ہے ایمان و خیر کی توفیق دے کر سیدھے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ ہدایت و گمراہی سب اسی کے اختیار میں ہے۔ قیامت کے روز وہ سب لوگوں سے ان کے ہر چھوٹے بڑے اور نیک و بد عمل کے بارے میں پوچھے گا اور ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

پھر مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اپنی قسموں اور عہد و پیمان کو آپس میں فریب دہی اور فساد ڈالنے کا ذریعہ بنا کر راہِ راست سے نہ ہٹو کیونکہ استقامت کے بعد سیدھی راہ سے ہٹنا بہت برا ہے۔ تمہاری عہد شکنی کو دیکھ کر دوسرے لوگوں کو دین پر اعتماد نہیں رہے گا اور وہ اسلام قبول کرنے سے رک جائیں گے اور تمہارا یہ عمل لوگوں کو راہِ خدا سے روکنے کا سبب بنے گا۔ جس کے نتیجے میں دنیا میں بھی تمہیں مصیبت اٹھانی پڑے گی اور آخرت میں بھی بہت بڑے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

تم دنیا کے تھوڑے سے مال کے لالچ میں اللہ اور اس کے رسول سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو نہ توڑو۔ بلاشبہ جو اجر و ثواب عہد پورا کرنے کی صورت میں تمہیں ملے گا وہ اس مال

و متاع سے کہیں بہتر ہے جو عہد شکنی پر تمہیں حاصل ہو گا۔ جو کچھ دنیاوی مال و متاع تمہارے پاس ہے خواہ وہ کتنی ہی بڑی مقدار میں ہو وہ سب فنا ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔

جن لوگوں نے ایفائے عہد اور دوسرے احکام دین کی بجا آوری میں دنیا میں تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں اور ان پر صبر کیا اور ثابت قدم رہے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے صبر کی بنا پر ان کے اعمال کا نہایت اعلیٰ صلہ عطا فرمائے گا جو ان کے اعمال کے مقررہ اجر سے بہت زیادہ ہو گا۔ (ابن کثیر ۵۸۵/ ۲، مظہری ۳۶۷، ۳۶۸/ ۵)

حیاتِ طیبہ

۹۷۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

جو شخص بھی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم (دنیا میں بھی) اس کی اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) ان کے کاموں کا ضرور عمدہ بدلہ (پورا پورا بدلہ) دیں گے۔

تشریح: اگر کوئی مومن نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تو ہم اس کو دنیا میں بالطف زندگی عطا کریں گے۔ اس آیت میں ایمان کی شرط اس لئے لگائی کہ کافر کسی ثواب کے مستحق نہیں خواہ وہ خالص نیت کے ساتھ کتنے ہی اچھے اعمال کریں۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک ثواب کا مدار رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اچھے عمل پر ہے اور کافروں کی نیکیوں میں اللہ کی رضا کا تصور ہی نہیں ہوتا۔

یہاں حیات طیبہ سے مراد دنیا کی پاکیزہ اور بالطف زندگی ہے۔ سعید بن جبیر کے نزدیک حیات طیبہ سے مراد رزقِ حلال ہے اور حسنؒ کے نزدیک قناعت ہے۔ مقاتل بن حبانؒ نے کہا کہ طاعت میں زندگی گزارنا حیات طیبہ ہے۔ (مظہری ۳۶۸، ۳۶۹/ ۵)

بیضاوی نے کہا کہ پاکیزہ زندگی گزارنا حیات طیبہ ہے کیونکہ پاکیزہ زندگی گزارنے والا اگر مالدار اور فراخ حال ہے تو ظاہر ہے اس کی دنیوی زندگی پاکیزہ ہوگی اور اگر تنگدست ہے تو ظاہر ہے قناعت سے کام لے گا۔ تقسیم خداوندی پر راضی ہوگا اور آخرت میں اجر عظیم ملنے کا امیدوار ہوگا۔ اس طرح اس کی زندگی خوش عیشی کے ساتھ گزرے گی۔ کافر کی زندگی اس کے برعکس ہوتی ہے۔ اگر وہ تنگدست ہے تو اس کی زندگی تلخ ہوتی ہے اور اگر وہ مالدار ہے تو اس کو اپنی موجودہ دولت کے زوال کا اندیشہ رہتا ہے اور ہر وقت حرص میں گرفتار رہتا ہے اور اس کی وجہ سے خوش عیش زندگی نہیں گزار سکتا۔ (بیضاوی ۲۳۰)

پھر فرمایا کہ آخرت میں بھی ہم ان کو ان کے اچھے اعمال کا بہترین اجر و ثواب عطا کریں گے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اس کی نیکی کا بدلہ دنیا میں عطا فرماتا ہے اور آخرت کی نیکیاں بھی اسے عطا فرماتا ہے۔ البتہ کافر اپنی نیکیاں دنیا میں ہی کھا لیتا ہے۔ آخرت کے لئے اس کے ہاتھ کوئی نیکی باقی نہیں رہتی۔ (ابن کثیر ۲/۵۸۵)

تلاوتِ قرآن کا ادب

۹۸، ۱۰۰۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ یقیناً شیطان کا زور ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یقیناً اس کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو دوست رکھتے ہیں

اور اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

اسْتَعِذْ : تو پناہ مانگ۔ اِسْتِعَاذَةٌ سے امر۔

الرَّجِيْمِ : دھتکارا ہوا۔ مردود۔ ملعون۔ رَجْمٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

سُلْطٰنٌ : اقتدار۔ قوت۔ دلیل۔ غلبہ۔ جمع سلاطین

تشریح: مومن کے لئے تلاوت قرآن کریم بہترین کام ہے۔ شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کو نیک کاموں سے روکنے میں کامیاب رہے خاص طور پر قرآن مجید کی تلاوت جیسے کام کو جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے وہ کب گوارا کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو فرمایا کہ تم تلاوت قرآن کرنے سے پہلے اعوذ باللّٰہ پڑھ لیا کرو یعنی تلاوت قرآن مجید سے پہلے شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو کیونکہ استعاذہ (طلب پناہ) عمل صالح بھی ہے اور شیطان سے محفوظ رہنے کا ذریعہ بھی۔ استعاذہ کا یہ حکم فرضیت کے طور پر نہیں ہے۔ ابن جریر وغیرہ نے اسی پر اجماع نقل کیا ہے۔ اس حکم کی مصلحت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا خلط ملط ہو جانے، غور و فکر سے رک جانے اور شیطانی وسوسوں کے آنے سے بچ جائے۔

پھر فرمایا کہ اللہ پر کامل بھروسہ کرنے والے مومنوں کو شیطان ایسے گناہوں میں مبتلا نہیں کر سکتا جن سے وہ توبہ ہی نہ کریں۔ ان کے سامنے شیطان مردود کی کوئی حجت نہیں چل سکتی۔ بلاشبہ شیطان کا زور تو صرف انہی لوگوں پر چلتا ہے جو از خود اسے اپنا دوست بناتے ہیں اور اس کے کہنے پر چلتے ہیں اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی عبادتوں میں شریک کرنے لگتے ہیں۔ (ابن کثیر ۵۸۶/ ۲، عثمانی ۷۷۸/ ۱)

مشرکین کی کم عقلی اور بے یقینی

۱۰۱، ۱۰۲۔ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ

مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں حالانکہ اللہ جو کچھ نازل کرتا ہے اس (کی مصلحتوں) کو وہی خوب جانتا ہے۔ (تو اے رسول ﷺ) وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ افترا کرنے والے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ جانتے ہی نہیں۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اس کو تو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق (سچائی) کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لا چکے ان کو ثابت (قدم) رکھے اور فرماں برداروں کے حق میں ہدایت وخوش خبری (ثابت) ہو،

تشریح: یہاں مشرکوں کی کم عقلی اور بے یقینی بیان کی گئی ہے کہ ان کو ایمان نہیں نصیب ہو سکتا۔ یہ تو ازلی بدنصیب ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت یا ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم نازل کرتا ہے تو یہ کافر آنحضرت ﷺ کو مفتری بتاتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو اپنی طرف سے حکم بنا کر اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اللہ کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ پہلے وہ ایک حکم نازل کرے اور پھر اسے منسوخ کر دے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو حکم نازل کرتا ہے وہ اس کی حکمت و مصلحت سے خوب واقف ہے۔ جس وقت جس حکم کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس وقت وہی حکم دیتا ہے، جیسے طبیب مریض کے حال کے مطابق نسخہ تجویز کرتا ہے۔ مثلاً طبیب ایک مریض کو منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے۔ چند روز کے استعمال کے بعد اگر طبیب منضج بند کر کے مسہل تجویز کرے تو اسے طبیب کی کم علمی یا بے خبری پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جو شخص طبیب کو کم علم سمجھے گا وہ خود جاہل اور بے خبر کہلائے گا۔

پھر فرمایا کہ آپ ہرگز مفتری نہیں بلکہ ان کافروں میں سے اکثر جاہل اور نادان ہیں جو احکام منسوخ کرنے کی حکمت و مصلحت کو نہیں سمجھتے۔ آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ یہ میرا کلام نہیں بلکہ یہ تو اللہ کا کلام اور اس کا پیغام ہے جس کو حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ

کی طرف سے حقانیت و صداقت اور عدل وانصاف کے ساتھ لے کر آپ کی طرف آتے ہیں تاکہ ایماندار لوگ ثابت قدم رہیں اور مسلمانوں کے لئے ہدایت وخوش خبری کا ذریعہ ہو جائے۔اس میں افترااور کذب کو دخل نہیں۔ یہ ایسا فصیح وبلیغ کلام ہے کہ تم اس کی مثل ایک چھوٹی سی آیت لانے سے بھی عاجز ہو۔

(ابن کثیر ۵۸۶ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۵۳ / ۴)

مشرکین کا ایک احمقانہ اعتراض

۱۰۳۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ط لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ O

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو ایک آدمی سکھاتا ہے حالانکہ جس کی طرف یہ (منکرین) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف (فصیح) عربی ہے۔

يُلْحِدُوْنَ : وہ توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ حق سے پھرتے ہیں۔ وہ نسبت کرتے ہیں۔ اِلْحَادٌ سے مضارع۔

اَعْجَمِىٌّ : عجمی۔ غیر عرب۔

تشریح: تحقیق ہم خوب جانتے ہیں کہ کافر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہ تو اللہ کا کلام ہے اور نہ کوئی فرشتہ اس کو لے کر نازل ہوا بلکہ محمد ﷺ کو قرآن تو ایک آدمی سکھاتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جس شخص کے بارے میں مشرکین یہ کہتے تھے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید سکھاتا ہے اس کی تعین میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مکہ میں ایک عیسائی عجمی غلام تھا جو لوہار تھا اور اس کا نام بلعام تھا۔ آپ اس کے پاس آتے جاتے تھے۔ اس لئے مشرکوں نے اس کے بارے میں مشہور کر دیا کہ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے۔ عکرمہؒ نے کہا کہ

بنی مغیرہ کا یعیش نامی ایک غلام تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کو قرآن سکھاتے تھے۔ قریش نے یعیش کی طرف منسوب کر دیا کہ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے۔ عبداللہ بن مسلم حضرمیؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دو نصرانی غلام تھے جو یمن کے رہنے والے تھے ان میں سے ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام جر تھا۔ یسار کی کنیت ابو فکیہہ تھی دونوں مکہ میں تلواریں بنایا کرتے تھے۔ اور انجیل پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ ان کی طرف سے گزرتے تو آپ وہاں ٹھہر کر ان کو انجیل پڑھتے ہوئے سنتے اس پر مشرکوں نے کہا کہ آپ ان سے سیکھتے ہیں۔ یہ دونوں صحیح عربی بولنے پر بھی قادر نہ تھے اور ٹوٹی پھوٹی زبان میں بہت مشکل سے اپنا مطلب ادا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جس شخص کی طرف یہ منکرین نسبت کرتے ہیں کہ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے، وہ تو عجمی آدمی ہے۔ وہ تو خود عربی زبان میں گفتگو بھی نہیں کر سکتا وہ کسی کو کیا سکھائے گا۔ قرآن تو نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے کوئی عجمی اس کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے۔ اگر مشرکوں کو ذرا سی بھی عقل ہوتی تو وہ ایسا جھوٹ کبھی نہ بکتے۔ جس پر کوئی بیوقوف آدمی بھی یقین نہ کرے۔ (روح المعانی ۲۳۳/ ۱۴، مظہری ۳۷۴/ ۵)

منکرین کا انجام

۱۰۴، ۱۰۵۔ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ اللہ بھی ان کو ہدایت نہیں دیتا اور (آخرت میں) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔
بیشک افترا کرنے والے تو وہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور (در حقیقت) وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

تشریح: بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور واضح دلائل کے باوجود ان کی تصدیق نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو دنیا میں سیدھا راستہ نہیں دکھاتا اور نہ ان کو دین حق کی توفیق دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں نہایت دردناک عذاب دیا جائے گا۔ بیشک آپ اللہ پر جھوٹ اور افترا باندھنے والے نہیں بلکہ مفتری اور جھوٹ بولنے والے وہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ حقیقت میں یہی لوگ جھوٹے اور کاذب ہیں۔ روم کے بادشاہ ہرقل نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے (آپ کے اسلام لانے سے قبل) بہت سے سوال کئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ نبوت کے دعوے سے پہلے کبھی تم نے ان کا جھوٹ بھی دیکھا ہے۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ کبھی نہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا کہ جس شخص نے دنیوی معاملات میں لوگوں کے بارے میں کبھی جھوٹ کی گندگی سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کیا ہو وہ خدا پر جھوٹ کیسے باندھ سکتا ہے۔ (بخاری ۷/۱)

مرتد کا انجام

۱۰۶،۱۰۹۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرے، سوائے اس کے کہ جس پر زبردستی کی گئی ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ وہ جو دل کھول کر کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب

ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا اور یہ کہ اللہ (ایسی) کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور یہی لوگ (انجام سے) غافل ہیں۔ ظاہر ہے آخرت میں (بھی) یہی لوگ خسارہ میں رہیں گے۔

اُکْرِہَ : اس پر جبر کیا گیا۔ اس پر زبردستی کی گئی۔ اِکْرَاہٌ سے ماضی مجہول۔

طَبَعَ : اس نے مہر کی۔ اس نے بندش لگائی۔ طَبْعٌ سے ماضی۔

جَرَمَ : شک۔ شبہ

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول عمار بن یاسرؓ کے حق میں ہوا۔ مشرکوں نے عمارؓ کو، ان کے باپ یاسرؓ کو، ان کی ماں سمیہؓ کو اور صہیبؓ وبلالؓ وخبیبؓ وسالمؓ کو پکڑ کر سخت ترین جسمانی دکھ دیئے۔ حضرت سمیہؓ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا گیا۔ (ایک ٹانگ ایک اونٹ سے اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے) اور شرم گاہ میں ایک چھوٹا نیزہ مار دیا۔ حضرت یاسرؓ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اسلام میں سب سے پہلے یہی دونوں شہید ہوئے۔ عمارؓ نے بحالت مجبوری زبان سے وہ بات کہدی جو مشرکین چاہتے تھے۔ مگر ان کے دل کو یہ گوارا نہ تھا۔ کسی نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع کر دی کہ عمار کافر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ عمارؓ کے اندر تو چوٹی سے قدم تک ایمان بھرا ہوا ہے۔ اس کے خون اور گوشت میں ایمان سرایت کر گیا ہے۔

پھر عمارؓ روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے عمارؓ کی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے فرمایا کہ کیا ہوا تجھے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ دوبارہ ایسی حرکت کریں تو تم بھی ان کے لئے (یہ الفاظ) دوبارہ لوٹا سکتے ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۲۳۷/ ۱۴، مظہری ۳۷۶/ ۵)

تشریح: ان آیتوں میں مرتد کے عذاب اور اس کی سزا کا بیان ہے۔ مگر اس عذاب سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جو مجبوری کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے محض زبان سے کلمۂ کفر کہہ

دے اور اس کا دل ایمان پر قائم و ثابت رہے۔ ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں۔ صحابہ کرام کے بارے میں کچھ ایسے واقعات ملتے ہیں کہ بعض نے تو جان دے دی مگر زبان سے کفر کا کلمہ نہ نکالا اور عزیمت پر عمل کیا۔ بعض نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے زبان سے تو کفر کا کلمہ کہہ دیا مگر دل سے ایمان پر قائم رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد دل کھول کر اللہ کا کفر کرے اور دل سے اس پر راضی ہو جائے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہو گا اور ان کے لئے عذاب عظیم تیار ہے۔ البتہ جن لوگوں پر کفر کرنے کے لئے جبر اور زبردستی کی جائے اور وہ مجبوری کی حالت میں زبان سے تو کفریہ کلمات کہدیں اور دل ایمان پر ثابت و قائم ہو اور اس میں کسی قسم کا تذبذب و تردد نہ ہو تو ایسے لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں۔

جو لوگ اللہ پر ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے ان پر اللہ کا غضب اور عذاب اس لئے ہو گا کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دینوی زندگی کو پسند کیا اور محبوب رکھا۔ چونکہ یہ لوگ دیدہ ودانستہ گمراہی کے راستے پر چلے اس لئے اللہ نے ان کو ایمان کی توفیق نہیں دی بلکہ اس نے ایسے لوگوں کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر کر دی۔ اب یہ لوگ نہ تو حق کو حق سمجھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔ سو یہ لوگ حق سے بالکل غافل اور بے خبر ہیں۔ لامحالہ یہی لوگ آخرت میں بھی بڑے خسارے میں رہیں گے کیونکہ انہوں نے اپنی عمروں کو ضائع کر دیا اور کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو ان کو عذاب الٰہی سے بچا سکے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۵۵ / ۴)

مغفرت ورحمت کے مستحق

۱۱۰، ۱۱۱۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے مصیبت اٹھانے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور (مصائب پر) صبر سے کام لیا۔ بیشک آپ کا رب ان (اعمال) کے بعد بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔ جس دن ہر شخص اپنے ہی لئے جھگڑتا ہوا آئے گا اور (اس دن) ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا۔

شانِ نزول: اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایتیں ہیں مثلاً:

ابن سعدؒ نے طبقات میں عمران بن حاکم کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ایسی شدید تکلیفیں دی جاتی تھیں کہ وہ بالکل حواس باختہ ہو جاتے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں اور کیا کریں۔ یہی حال حضرت صہیب، حضرت ابو فکیہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہم وغیرہ کا تھا۔ انہی حضرات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۳۸۲/۵)

بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول ابو جہل کے رضاعی بھائی عیاش بن ابی ربیعہ، ابو جندل بن سہل بن عمرو، ولید بن ولید بن مغیرہ، سلمہ بن ہشام اور عبید اللہ بن اسید ثقفی رضی اللہ عنہم کے متعلق ہوا۔ مشرکوں نے ان کو سخت تکلیفیں دی تھیں۔ پھر یہ لوگ ہجرت کر کے مدینے چلے گئے۔ (روح المعانی ۲۴۰/۱۴، مظہری ۳۸۲/۵)

حسن بصریؒ اور عکرمہؒ نے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول عبداللہ بن ابی سرح کے متعلق ہوا جو رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا۔ پھر مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اور کافر[illegible]ملا۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ عبداللہ چونکہ حضرت عثمان بن عفانؓ کا اخیافی (ماں شریک بھائی) تھا۔ اس لئے اس نے حضرت عثمانؓ سے پنا کی درخواست کی۔ حضرت عثمان نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کر دی اور آپ نے اس کو پناہ دے دی۔ اس کے بعد وہ پکا مسلمان ہو گیا۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۲۴۰/۱۴، مظہری ۳۸۲/۵)

تشریح: گزشتہ آیتوں میں غافلین کا انجام بیان کیا گیا۔ ان آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کے غضب اور عذاب کی بجائے اس کی رضا ورحمت کی مستحق بنے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو مکہ میں ان کی قوم اسلام سے روکنے کے لئے طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا رکھتی تھی اور ان کو زنجیروں میں باندھ کر عین دوپہر کے وقت تپتے ہوئے پتھروں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لیٹا دیتی تھی۔ پھر ظلم وستم سے مجبور ہو کر انہوں نے اپنا ایمان بچانے کے لئے اپنا گھر بار، مال ومتاع اور اہل وعیال سب کچھ چھوڑ کر نہ صرف ہجرت کی بلکہ اللہ کی راہ میں اپنی قوم کے کافروں سے جہاد بھی کیا تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر ذلیل وخوار ہو۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اللہ کی راہ میں پیش آنے والی تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر کیا اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے بخش دیا۔

اس بخشش ورحمت کا ظہور اگرچہ آدمی کی موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا تھا۔ مگر حقیقی طور پر قیامت کے دن ہوگا جب کوئی کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا۔ باپ، بیٹا، بیوی، بیٹی سب اپنی اپنی فکر میں ہوں گے۔ ہر طرف نفسانسی کا عالم ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی اور اپنی رہائی کے لئے جھوٹے سچے عذر کرے گا۔ لیکن اس کی یہ ساری عذر ومعذرت بے سود ہوگی اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم وزیادتی نہ ہوگی۔

(مواہب الرحمٰن ۲۱۳، ۲۱۴ / ۱۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۵۶ / ۴)

ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ساتویں زمین سے لایا جائے گا۔ اس کی ایک ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے پکڑ کر کھینچیں گے۔ جب دوزخ لوگوں سے ایک ہزار سال کی مسافت پر رہ جائے گی تو ایک سانس کھینچے گی جس کی وجہ سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبیٔ مرسل دوزانوں بیٹھ کر عرض کرے گا۔ اے میرے مالک! میری جان (بچادے)۔　　(مظہری ۳۸۲، ۳۸۳ / ۵)

ایک بستی کی مثال

۱۱۲، ۱۱۳۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جو امن و اطمینان سے تھی۔ اس کا رزق بھی فراغت کے ساتھ ہر طرف سے اس کے پاس پہنچ رہا تھا، پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی سو اللہ نے ان کے برے کاموں کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھادیا اور ان کے پاس انہی میں کا ایک رسول (بھی) آیا مگر انہوں نے اس کو بھی جھٹلایا سو ان کو عذاب الٰہی نے آپکڑا اور وہ واقعی ظالم تھے۔

قَرْيَةً: بستی، آبادی۔ یہاں اس سے مراد ایک مفروضہ بستی ہے جس کو مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسی بستی گزری بھی ہو۔ جس کا ذکر اللہ نے مکہ کی تشبیہ دینے کے لئے کیا ہے تاکہ اہل مکہ کو ان کے برے انجام کا تذکرہ پڑھ کر عبرت حاصل ہو۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ قریہ سے مراد مکہ کی بستی ہے۔ (مظہری ۵/۳۸۴)

رَغَدًا: جی بھر کر۔ خوب اچھی طرح۔ بافراغت۔ مصدر ہے۔

تشریح: جمہور مفسرین کے نزدیک آیت کا نزول اہل مکہ کے حق میں ہوا ہے کیونکہ مکہ شہر مامون و مطمئن تھا۔ حتیٰ کہ لوگ اس کے گرد و پیش سے پکڑے جاتے تھے۔ مگر جو حرم میں داخل ہو جاتا اس کو کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔

عام عرب آبادی کو ہر وقت دشمن کے حملے کا خطرہ رہتا تھا اور ان کے پاس غذائی

اشیاء کی قلت رہتی تھی۔ اس لئے وہ زیادہ تر خانہ بدوش رہتے تھے۔ مگر اہل مکہ کی یہ حالت نہ تھی۔ وہ ہر قسم کی لوٹ مار اور غارت گری سے محفوظ تھے اور آسودہ حال تھے۔ ان کے پاس ہر طرف اور ہر جگہ سے کھانے پینے کی اشیاء پہنچتی رہتی تھیں پھر جب اس بستی کے رہنے والوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے امن اور رزق کی وسعت کو بھوک اور خوف سے بدل دیا۔ بھوک اور خوف ان کو ہر طرف سے اس طرح لپٹ گئے جیسے آدمی کا لباس اس کو ہر طرف سے ڈھانپ لیتا ہے۔ یہ سب کچھ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہوا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر بہت سے انعاموں میں سے ایک عظیم انعام یہ فرمایا کہ ان کے پاس انہی میں سے اللہ کا ایک رسول آیا جس کے حسب و نسب اور امانت و صداقت سے وہ خوب واقف تھے۔ سو انہوں نے اس رسول کو بھی جھٹلایا۔ تب ان کو بھوک اور خوف کے عذاب نے اس حال میں آ پکڑا کہ وہ بالکل ہی ظلم پر کمربستہ تھے۔

(مواہب الرحمٰن ۲۱۵، ۲۱۶ / ۱۴، روح المعانی ۲۴۲، ۲۴۴ / ۱۴)

اکلِ حلال کا حکم

۱۱۴، ۱۱۷۔ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ○ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

سو اللہ نے جو تمہیں حلال و طیب روزی دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ بیشک اللہ نے تم پر

(صرف) مُردار اور خون اور سُور کا گوشت حرام کیا ہے اور وہ چیز بھی
جن پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ پھر اگر کوئی بھوک کے
مارے بے تاب ہو جائے اور وہ حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو اور نہ وہ
زیادتی کرنے والا ہو (ایسی حالت میں اگر وہ ان چیزوں کو کھا بھی لے)
تو اللہ بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہے، اور اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر نہ
کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ کہ (اس طرح) تم اللہ پر بہتان
باندھنے لگو۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح
نہیں پائیں گے۔ (ان افترا پردازیوں کا) تھوڑا سا فائدہ (دنیا میں) اٹھا
لیں اور (مرنے کے بعد) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

الدَّمَ: لہو، خون، جمع دِمَاءٌ۔

اضْطُرَّ: وہ بے بس ہو گیا۔ وہ بے تاب ہو گیا۔ اِضْطِرَارٌ سے ماضی مجہول۔

عَادٍ ف: حد سے تجاوز کرنے والا۔ زیادتی کرنے والا۔ عَدْوٌ و عُدْوَانٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جمہور مفسرین کے مطابق اللہ نے یہاں اہل ایمان کو مخاطب کر کے حلال و طیب چیزوں کو کھانے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ جن لوگوں کو سابقہ آیت میں خطاب کیا تھا۔ اس آیت میں بھی انہیں کو خطاب ہے۔

پس اے مسلمانو! تم کفر و شرک سے دور رہو اور ان معاندین و منکرین کی باتوں میں نہ آؤ۔ ہم نے جو حلال اور پاک روزی تمہیں دی ہے اسے خوب شوق سے کھاؤ پیو اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو جس کے نتیجے میں اللہ تمہیں اور زیادہ نعمتیں دے گا۔ اگر تم خالص اللہ کا بندہ بننا چاہتے ہو تو اسی کے حکموں پر چلو، اس نے جس چیز کو تمہارے لئے حلال کر دیا اس کو خوب ذوق و شوق سے کھاؤ اور جس چیز کو اس نے حرام قرار دے دیا اس کے قریب بھی نہ جاؤ اور اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام نہ ٹھہراؤ۔

پھر فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لئے چار چیزیں حرام کی ہیں ان کو نہ کھاؤ۔ ۱۔ مردار، ۲۔ خون، ۳۔ سور کا گوشت اور ۴۔ وہ جانور جو غیر اللہ یعنی بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ جو

شخص بھوک اور فاقے سے مجبور و بے قرار ہو کر ان چاروں حرام چیزوں میں سے بقدر حاجت (اپنی جان بچانے کے لئے) کھالے بشرطیکہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور سرکشی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

کسی شرعی سند کے بغیر کسی چیز کے بارے میں بغیر سوچے سمجھے یہ کہہ دینا کہ یہ حلال ہے یا حرام بڑی سخت جسارت اور کذب و افترا ہے۔ حلال و حرام تو وہی ہے جسے اللہ نے حلال یا حرام کیا ہے۔ اگر کوئی شخص محض اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہراتا ہے اور پھر اس کی نسبت اللہ کی طرف کرتا ہے تو حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا ہے۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہ پائیں گے۔ نہ دنیا میں نہ دین میں۔ یہ لوگ تھوڑے دن اور دنیا کے مزے اڑالیں۔ اس کے بعد آخرت میں تو ان کے لئے دردناک عذاب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ (مواہب الرحمٰن ۲۱۹، ۲۲۲/ ۱۴، عثمانی ۷۸۴/ ۱)

یہود پر حرام کی گئی اشیا کا ذکر

۱۱۸، ۱۱۹۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور ہم نے (صرف) یہودیوں پر وہ چیزیں حرام کی تھیں جو ہم اس سے پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ پھر بے شک جو لوگ جہالت کی بنا پر برے کام کرتے رہے پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور انہوں نے (اپنی) اصلاح کر لی تو بیشک اس کے بعد آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا (اور) بڑا رحمت کرنے والا ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے جو پاکیزہ چیزیں یہود کی سرکشی کی وجہ سے سزا کے طور پر ان پر حرام کر دی تھیں وہ ہم آپ کو پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ سورۂ انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِى ظُفُرٍ (آیت ۱۴۶) میں ان حرام چیزوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ یعنی یہود کی شرارتوں کی وجہ سے ہم نے ان پر تمام ناخن والے جانور جن کی انگلیاں کٹی کٹی اور جدا جدا ہوں جیسے اونٹ، شترمرغ، بطخ اور مرغابی حرام کر دیئے تھے۔ نیز گائے اور بکری کی چربی بھی ان پر حرام تھی سوائے اس چربی کے جو ان جانوروں کی پشت پر لگی ہوئی ہو یا ان کی آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا ان کی ہڈیوں سے لگی ہوئی ہو۔ یہ چیزیں اپنی ذات میں حلال و طیب ہیں۔ لیکن یہود پر تنگی کر کے ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ناانصاف تھے۔ ان کے ظلم و عدوان اور سرکشی کی وجہ سے سزا کے طور پر پاکیزہ اور حلال چیزیں بھی ہم نے ان کے لئے حرام کر دی تھیں تاکہ وہ اپنی بداعمالیوں سے تائب ہو جائیں۔

بلاشبہ جن لوگوں نے لاعلمی اور نادانی سے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال و حال کی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ اس توبہ اور صلاح کے بعد ان کا قصور معاف کرنے والا اور ان پر رحمت و مہربانی کرنے والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف

۱۲۰، ۱۲۳۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

بیشک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے پیشوا تھے۔ اللہ کے بڑے فرماں بردار

اور یکسو تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اس کی نعمتوں کے بڑے
شکر گزار تھے۔ اللہ نے ان کو منتخب کر لیا تھا اور ان کو سیدھے راستے پر
ڈال دیا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی تھی اور وہ آخرت میں
بھی صالحین میں سے ہوں گے۔ (اے نبی ﷺ) پھر ہم نے آپ کی
طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم کے طریقے کی پیروی کریں جو بالکل
یکسو تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

تشریح: ان آیتوں میں امامِ حنفا، والدِ انبیا، خلیلِ خدا، رسولِ جل وعلا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چند اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ أُمَّةً: امام جس کی اقتدا کی جائے۔ صاحب قاموس نے امت کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ وہ شخص جس میں ہر طرح کی اچھائی اور خوبی ہو۔ قاموس ہی نے امۃ کے ایک معنی یہ بیان کئے کہ جو شخص تمام ادیان کی مخالفت کرتے ہوئے دین حق کو اختیار کرے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس زمانے کے اعتبار سے ان کے انفرادی ایمان کی وجہ سے اُمَّةً کہا گیا یعنی وہ اپنے زمانے میں تنہا موحد مومن تھے۔ باقی تمام لوگ اس وقت کافر تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کے اندر اتنے فضائل اور محاسن جمع تھے کہ ان کا متعدد لوگوں میں پایا جانا بھی دشوار ہے۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (اپنی بیوی) حضرت سارہ سے کہا کہ آج روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن نہیں۔ (روح المعانی ۲۴۹/ ۱۴، مظہری ۳۸۷/ ۵)

۲۔ قَانِتًا: اللہ کا طاعت گزار، اللہ کا فرماں بردار یعنی حضرت ابراہیم اللہ کے احکام پر چلنے والے تھے۔ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے والے نہ تھے۔

۳۔ حَنِيفًا: ہر قسم کے شرک سے ہٹ کر خالص توحید کی طرف آجانے والا۔ باطل

سے پھر جانے والا۔ اسلام پر قائم رہنے والا۔

۴۔ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ : وہ شرک سے پاک اور منزہ تھے۔ خالص موحد تھے۔ بچپن سے لے کر اخیر عمر تک توحید پر قائم رہے۔

۵۔ شَاكِرًا لِّاَ نْعُمِهٖ :اللہ کی نعمتوں کے قدر دان اور شکر گزار تھے وہ سر تاپا شکر تھے۔

۶۔ اِجْتَبٰهُ : اللہ کے برگزیدہ بندے تھے۔ اللہ نے ان کو اپنے لئے منتخب کر لیا تھا۔

۷۔ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ : اللہ نے دین اسلام کی طرف ان کی رہنمائی کی تھی۔ وہ صرف خدائے واحد ولا شریک لہ کی عبادت واطاعت کرتے تھے۔

۸۔ اٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً : اللہ نے دینا کی عزت وبزرگی عطا فرمائی۔ سارا عالم ان کو خیر کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ یہاں حسنہ سے مراد پیغمبری اور خالص دوستی ہے۔

۹۔ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ: بلاشبہ وہ آخرت میں بھی نیکوں میں سے ہوں گے۔

۱۰۔ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا : خاتم الانبیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا۔

یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک فضیلت ہے کہ نبی رحمت، شافع محشر، خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا۔ یہ فضیلت مذکورہ تمام فضائل سے بڑھ کر ہے۔ نیز مشرکین عرب کا یہ سمجھنا کہ وہ (مشرکین) ملت ابراہیمی پر ہیں غلط ہے۔ حقیقت میں ملت ابراہیمی پر تو آنحضرت ﷺ ہیں جن کو ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا جو شخص ملت ابراہیمی کی پیروی کا دعویٰ کرے اس کو چاہئے کہ وہ ملتِ محمدیہ کی اتباع کرے کیونکہ ملتِ ابراہیمی اور ملت محمدیہ ایک ہی ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۶۲، ۲۶۳ / ۴، ابن کثیر ۵۹۰، ۵۹۱ / ۲)

ہفتے کے دن کی تعظیم کا حکم

۱۲۴۔ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○

ہفتے کا دن تو (صرف) انہی لوگوں پر مقرر ہوا تھا جو اس میں اختلاف کرتے تھے اور بیشک قیامت کے روز آپ کا رب ہی ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

جُعِلَ : مقرر کیا گیا۔ ٹھہرایا گیا۔ لازم کیا گیا۔ جَعْلٌ سے ماضی مجہول۔

السَّبْتُ : سنیچر کا دن۔ ہفتے کا دن۔

تشریح: سنیچر کے دن کی تعظیم ان لوگوں پر فرض کی گئی تھی جنہوں نے ہفتے کے دن کے معاملے میں اپنے پیغمبر کی مخالفت کی تھی۔ ملت ابراہیمی میں ہفتہ کی تعظیم کا حکم نہ تھا اور نہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر ہے۔ البتہ یہود نے حضرت موسیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے لئے ہفتے کا دن مقرر کر لیا۔ اس پر اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ اچھا اسی کی تعظیم کرو اور اس روز مچھلی کا شکار نہ کیا کرو۔ یہود میں سے بعض نے اس حکم کو مانا اور بعض نے نہ مانا۔ جن لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی ان کو دنیا میں ہی بندر اور سور بنا دیا گیا۔ آخرت میں جو سزا ملے گی وہ الگ ہے۔ پھر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس چیز کا فیصلہ کر دے گا، جس میں وہ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے اور ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ کون غلطی پر تھا اور کون راستی پر۔ (عثمانی ۷۸۶/۱)

تبلیغ دین کے آداب

۱۲۸،۱۲۵۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِ

لَهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ O وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ O وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ O اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ O

(اے نبی!) آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ وعظ کے ذریعہ بلایئے اور ان کے ساتھ بحث پسندیدہ طریقے سے کیجئے۔ بیشک آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہیں اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنی کہ تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان لوگوں پر رنج نہ کیجئے اور ان کے مکروں سے تنگدل نہ ہوں۔ بیشک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیز گاری کرتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ نیکی کرتے ہیں۔

عَاقَبْتُمْ : تم نے بدلہ لیا۔ تم نے تکلیف پہنچائی۔ مُعَاقَبَةٌ سے ماضی۔

تَكُ : وہ ہوتی ہے۔ كَوْنٌ سے مضارع۔

ضَيْقٍ : تنگدل ہونا۔ مصدر ہے۔

يَمْكُرُوْنَ : وہ مکر کرتے ہیں۔ وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں۔ مَكْرٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دعوت اسلام اور تبلیغ دین کے آداب بتائے ہیں۔

۱۔ حِكْمَت: اس سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین اور مضبوط دلائل

وبراہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے لوگوں کو اسلام کی دعوت پیش کی جائے۔

۲۔ مَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ : مؤثر، رقت انگیز نصیحتوں، نرم خوئی، اخلاص، ہمدردی، شفقت اور حسنِ اخلاق سے نہایت خوبصورت اور معتدل پیرائے میں نصیحت کی جائے۔ اس سے اکثر پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں۔ لوگ ترغیب وترہیب کے مضامین سن کر بے تابی کے ساتھ دین حق کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

۳۔ جَادِ لْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ : اگر بحث ومباحثے کی نوبت آجائے تو بہترین طریقے سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو، ایسی دل آزار باتیں نہ کرو جن سے قضیہ بڑھے اور معاملہ طول کھینچے۔ بحث کا مقصد خالص اللہ کے لئے معاملے کو سلجھانا اور اللہ کا کلمہ بلند کرنا ہو۔

پھر فرمایا کہ آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ دین ہے۔ آپ کو اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور کس نے رد کیا۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون حسنِ موعظت اور حسن مجادلت کے باوجود حق سے دور رہا اور کس نے حق وہدایت کو قبول کیا۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا وسزا دے گا۔

اگر تبلیغ دین کی راہ میں تمہیں سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور تم بدلہ لینے پر بھی قادر ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمہیں تکلیف پہنچی ہے اور عدل وانصاف کی حد سے تجاوز نہ کرو اور اگر تم صبر کرو اور بدلہ نہ لو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔

کفار کی طرف سے آپ کو جو ایذا پہنچے، آپ اس پر صبر کیجئے اور مصائب ومظالم پر صبر کرنا آسان نہیں بلکہ اللہ ہی کی مدد سے مصائب پر صبر کرنا آسان ہوتا ہے۔ آپ ان کی مخالفت اور ان کے مکر وفریب سے تنگدل نہ ہوں۔ یہ لوگ نہ تو آپ کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ اسلام کا۔ جو شخص جس قدر اللہ سے ڈر کر تقوی وپرہیز گاری اور نیکی اختیار کرتا ہے اسی قدر اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

(عثمانی ۷۸۶، ۷۸۷/۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۲۷۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ بنی اسرائیل

وجہ تسمیہ: اس سورت میں بنی اسرائیل کا ذکر خاصی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ اس لئے یہ بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہو گئی۔ اس کا ایک نام الاسراء بھی ہے کیونکہ اس میں آنحضرت ﷺ کے اسراء و معراج کا بیان ہے۔

تعارف: اس میں بارہ رکوع، ایک سو گیارہ آیتیں، ۱۵۸۲ کلمات اور ٦٧١٠ حروف ہیں۔

جمہور علما کے نزدیک یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکے میں نازل ہوئی۔ اس کا آغاز تسبیح سے ہوا اور اختتام تحمید سے ہوا ہے۔ ابتدا میں آنحضرت ﷺ کی معراج کا بیان ہے، پھر بنی اسرائیل کے فساد اور فتنہ پردازی اور ان کی تباہی و بربادی کا ذکر ہے تاکہ مکے کے لوگ بنی اسرائیل کے حالات کو سن کر عبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کی فکر کریں۔ جس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو مصر سے نکالنے کا قصد کیا۔ اسی طرح اہل مکہ بھی آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کو مکہ سے نکالنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ جس طرح فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوا اور بنی اسرائیل آل فرعون کے مکانات و محلات کے وارث ہو گئے۔ اسی طرح اللہ نے مکہ کے نامور سرداروں کو معرکۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرا دیا اور پھر مسلمانوں کو مکہ اور سرزمین عرب کا وارث و مالک بنا دیا۔

(روح المعانی ۲/۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۷۲/۴)

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف اور سورۂ مریم سب سے پہلی سب سے بہتر اور بڑی فضیلت والی ہیں۔

(ابن کثیر ۳/۲)

ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف، مریم، طٰہٰ اور الانبیاء یہ سب سے پہلی، سب سے بہتر اور بڑی فضیلت والی ہیں۔ (روح المعانی ۲/۱۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی تو روزے (نفلی) اس طرح (لگاتار) رکھتے کہ ہم اپنے دل میں کہتے کہ آپ (پورا مہینہ روزے رکھیں گے) افطار نہیں کریں گے اور کبھی بالکل ہی نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم دل میں سوچتے کہ آپ (اس مہینے میں) روزے نہیں رکھیں گے اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر پڑھا کرتے تھے۔ (مسند احمد ۱۰۰/۷،۱/۶۷/۷)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: ابتداء میں سفر معراج کے اس حصے کا بیان ہے جو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک براق پر ہوا۔ پھر حضرت موسیٰ کو توریت دینے اور بنی اسرائیل کی سرکشی کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں قرآن مجید کی فضیلت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: قدرتِ الٰہی کی دو نشانیوں کے بیان کے بعد بتایا گیا ہے کہ آدمی خواہ مومن ہو یا کافر اس کا نیک و بد عمل اس کے گلے کا ہار بنا دیا گیا ہے۔ پھر بستیوں کی تباہی کے اسباب کا بیان ہے۔ آخر میں طالب دنیا کا انجام اور مومنوں کا انعام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: والدین کے ساتھ حسن سلوک، قرابت داروں کے حقوق اور مال خرچ کرنے میں میانہ روی کی تاکید ہے۔

رکوع ۴: چند ممنوعہ امور کا بیان اور آخر میں مشرکین کی ایک بڑی گستاخی مذکور ہے۔

رکوع ۵: توحید کی تاکید اور شرک کی تردید اور پھر مشرکین کی ازلی گمراہی کے پردوں کا بیان ہے۔ آخر میں مشرکین کا حیات اخروی پر تعجب کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۶: مسلمانوں کو نصیحت اور مشرکین کے باطل معبودوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ پھر مشرکین کی فرمائشوں کا بیان ہے۔ آخر میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے۔

رکوع ۷: ابتدا میں مشرکین مکہ اور آدم وابلیس کا واقعہ اور شیطان اور اس کے متبعین کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ پھر بنی آدم کی دیگر تمام مخلوق پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۸: قیامت کے روز لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیئے جانے کا بیان ہے۔ پھر مشرکین مکہ کی حماقت اور کفار کی عداوت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۹: نماز قائم کرنے کی تاکید، غلبہ حق کی پیش گوئی اور انسانی فطرت کا بیان ہے۔

رکوع ۱۰: روح کی حقیقت، اعجاز قرآن اور مشرکین کے شبہات کا بیان ہے۔

رکوع ۱۱: کافروں کو عذاب کی تہدید اور ان کے انجام کا بیان ہے۔ پھر حیات بعد الممات کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔

رکوع ۱۲: حضرت موسیٰ کے نو معجزے، قرآن کا حق ہونا اور پھر قرآن کی تاثیر بیان کی گئی ہے۔ آخر میں اللہ کے اسماء الحسنیٰ کا بیان ہے۔

واقعۂ اسرا

۱۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِالْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَا السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی، جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اس کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہی اللہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

سُبْحٰنَ: وہ پاک ہے، یہ اسم مصدر ہے بمعنی تسبیح اور تسبیح کے معنی ہیں پاک جاننا، پاکی کا اقرار کرنا، یہاں کلام کے شروع میں لانے سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اس کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں۔ وہ ہر قسم کے

عیب و نقص اور عجز سے پاک ہے۔ اس کو ایک رات میں اپنے بندے کا مکے سے بیت المقدس لے جانا کچھ مشکل نہیں۔ وہ قادر مطلق اور ہر چیز کا خالق ہے۔

اَسْرٰی: وہ رات کو لے کر گیا، اَسْرَاءٌ سے ماضی، اس آیت میں اَسْریٰ کے بعد لَیْلاً کو نکرہ لا کر یہ بتا دیا گیا کہ اس واقعے میں تمام رات صرف نہیں ہوئی بلکہ صرف رات کا کچھ حصہ صرف ہوا۔

بِعَبْدِہٖ: اپنے بندے کو، جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں بِعَبْدِہٖ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں۔ یہاں اس لفظ میں ایک خاص محبوبیت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے بارے میں خود یہ فرمادے کہ یہ میرا بندہ ہے تو کسی بشر کا اس سے بڑا کوئی اور اعزاز نہیں ہو سکتا۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/۴۲۶)

اَقْصٰی: انتہائی، آخری، پرے کنارے کی، اس زمانے میں مسجد الحرام سے بیت المقدس تک کوئی اور مسجد نہ تھی اور اس سے آگے بھی کوئی مسجد نہ تھی۔ اس لئے اس کو مسجد اقصیٰ کہا گیا۔ ایک رات میں مسجد اقصیٰ تک پہنچنے پر قریش کو تعجب ہوا کیونکہ مسجد اقصیٰ بہت دور تھی۔ ان کے خیال میں اتنی طویل مسافت کر کے ایک ہی رات میں واپس آجانا محال تھا۔

تشریح: اس آیت میں واقعۂ معراج کا بیان ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص اعزاز اور امتیازی معجزہ ہے۔ پہلے آپ کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے اور اسی کو اسرا کہتے ہیں۔ یہ سفر بُراق پر ہوا۔ پھر مسجد اقصیٰ سے آپ کو ساتوں آسمانوں پر اور سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ اس سفر کا نام معراج ہے اور اس کا بیان سورۂ نجم کی آیات ۱۳، ۱۸ میں ہے۔ معراج کے معنی سیڑھی کے ہیں۔ مسجد اقصیٰ سے آسمان پر جانے کے لئے پہلے آپ کو سیڑھی کے ذریعہ پہلے آسمان پر لے جایا گیا۔ اس کے بعد آپ باقی آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ اسرا اور معراج نص قطعی اور احادیث متواترہ سے ثابت ہیں۔

بیت المقدس ایسی جگہ ہے جس کے ماحول کو اللہ تعالیٰ نے برکت والا بنا دیا ہے اور اس میں بکثرت دریا، نہریں، درخت اور پھل پیدا کر دیئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو مسجد الحرام

سے مسجد اقصیٰ تک لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی قدرت کی کچھ عجیب نشانیاں دکھادے۔ مثلاً چالیس دن کی مسافت کو رات کے تھوڑے سے حصے میں طے کرادینا۔ پھر بیت المقدس سے آسمانوں تک لے جانا اور آسمانوں کی سیر کرانا، انبیا کو مجسم بنا کر دکھانا اور ان کی امامت کرانا اور دوسرے عجائبات قدرت کی سیر کرانا وغیرہ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی وہ آیات تھیں جن کا مشاہدہ کرانا مقصود تھا۔ بلاشبہ وہ اپنے نبی کی دعا اور کلام کو خوب سننے والا اور آپ کے احوال وافعال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (روح المعانی ۹۔ ۱۳؍۱۵)

حضرت موسیٰؑ اور توریت

۲، ۳۔ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝

اور ہم نے موسیٰ کو (بھی) کتاب دی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت (کا ذریعہ) بنایا کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا۔ تم ان لوگوں کی اولاد ہو جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔ تحقیق وہ (نوح) شکر گزار بندے تھے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کی بزرگی اور معراج کا ذکر کر کے فرمایا کہ ہم انبیا کے ساتھ اسی طرح انعام واکرام کا معاملہ کرتے آئے ہیں۔ اس سے پہلے ہم نے حضرت موسیٰ کو کتاب (توریت) دی تھی جو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ تھی۔ اس کتاب میں تاکیدی حکم یہ تھا کہ اے نوح اور اس کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کی نسل! میرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز اور حاجت روا نہ بنانا، مگر بنی اسرائیل نے اس حکم کی خلاف ورزی کر کے بت پرستی اختیار کر لی اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیا۔ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کر کے ڈوبنے سے محفوظ رکھا تھا۔ تم ذرا اپنے بزرگوں کا تو

خیال کرو کہ وہ کیسے شکر گزار بندے تھے اور تم کیا کر رہے ہو۔ بلا شبہ حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ تم ان کی اولاد ہو کر کفر کرتے ہو۔ حالانکہ تمہیں بھی اپنے بڑوں کی طرح اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ (حقانی ۱۱۶/ ۳)

ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی نے شعب الایمان میں اور حاکم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ نوح (علیہ السلام) جب کپڑا پہنتے یا کھانا کھاتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو شکر گزار بندہ کہا۔

ابن مردویہ نے معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح (علیہ السلام) کو شکر گزار بندہ اس لئے کہا کہ وہ صبح و شام یہ (آیت) پڑھتے تھے۔

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ○

(الروم آیات ۱۷، ۱۸)

اللہ کی پاکی بیان کیا کرو جب (صبح سے) شام کرو اور جب (شام سے) صبح کرو اور آسمانوں اور زمین میں سب تعریف اسی کی ہے اور تیسرے پہر اور ظہر کے وقت (بھی اس کی حمد کیا کرو) (روح المعانی ۱۵، ۱۶/ ۱۵)

بنی اسرائیل کی سرکشی

۴۔ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○

اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کو یہ بات بتا دی تھی کہ تم زمین پر دوبارہ فساد برپا کرو گے اور بڑی ہی سرکشی کرو گے۔

وَقَضَيْنَآ : ہم نے فیصلہ کیا۔ ہم نے بتا دیا۔ قَضَا سے ماضی۔

لَتَعْلُنَّ : البتہ تم ضرور سرکشی کروگے۔ عُلوٌّ سے مضارع۔

عُلُوًّا : اللہ کی اطاعت سے سرکشی کرنا اور لوگوں پر ظلم کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے والوں کے برے انجام کو بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ جو شخص یا قوم اللہ سے باغی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں اس کے دشمنوں کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ یہاں دو واقعوں کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشگوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل سرزمین شام میں دو مرتبہ فتنہ و فساد برپا کریں گے، حدود شرعیہ کو پامال اور احکام توریت کی خلاف ورزی کریں گے اور لوگوں پر ظلم و ستم ڈھائیں گے۔ دونوں مرتبہ یہ لوگ سخت قتل و غارت اور ذلت و مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔

پہلی سرکشی کا انجام

۵،۷۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰـهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ط وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ قف وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ط

پھر جب ان میں سے پہلی (سرکشی) کا موقع آیا تو ہم نے تم (بنی اسرائیل) پر اپنے ایسے بندے کھڑے کر دیئے جو بڑے لڑنے والے تھے سو وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے اور اللہ کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔ پھر ہم نے تمہیں ان پر دوبارہ غلبہ دے دیا اور تمہیں مال اور اولاد سے قوت دی اور تمہیں بڑی جماعت والا بنا دیا۔ اگر تم نے بھلائی کی تو

اپنے ہی نفع کے لئے کی اور اگر تم نے برائی کی تو وہ بھی اپنے ہی لئے کی۔

بَاْسٍ : قتال، لڑائی، جنگ، آفت۔

خِلٰلَ : بیچ، درمیان، واحد خَلَلٌ

الْکَرَّۃَ : لوٹ جانا، پھر جانا، سلطنت، طاقت، مصدر مرۃ ہے۔

تشریح: سو جب ان دونوں وعدوں میں سے پہلے وعدے (سزا) کا وقت آیا تو ہم تمہاری سرکوبی کے لئے تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دئے جو سخت لڑنے والے اور نہایت جنگجو تھے وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے اور انہوں نے تمہیں چن چن کر قتل کیا۔ اور اللہ کا یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا اس لئے ہو کر رہا۔

سعید بن جبیرؒ نے کہا کہ یہاں عِبَاداً لَّنَاَ سے مراد سخاریب بادشاہ جو اہل نینوا میں سے تھا اور اس کے ساتھی ہیں۔ قتادہؒ نے کہا کہ اس سے مراد جالوت اور اس کا لشکر ہے۔ جس کو داؤد علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ ابن اسحاقؒ کے نزدیک بخت نصر بابلی مراد ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ (مظہری ۵/۴۰۴)

پھر جب تم اپنی شرارتوں سے باز آگئے اور تم نے توبہ کر لی تو ہم نے تمہیں طاقت اور غلبہ عطا کر دیا اور تمہیں خوب مال و اولاد دی اور تمہاری قلت کو کثرت سے بدل دیا۔

اللہ تعالیٰ نے توریت میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اگر تم آئندہ اللہ کی اطاعت کرو گے اور اس کے احکام پر چلتے رہو گے تو اس کا اجر و ثواب تمہیں ہی ملے گا۔ اللہ کو تمہاری اطاعت و فرماں برداری کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر تم نافرمانی اور برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی تمہیں ہی بھگتنا پڑے گی۔ سو جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

دوسری سرکشی کا انجام

۸،۷۔ فَاِ ذَاجَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ لِیَسُوْٓءٗا وُجُوْھَکُمْ وَلِیَدْ خُلُوا الْمَسْجِدَ کَمَا دَخَلُوْہُ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ لِیُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِیْرًا ○

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَ جَعَلْنَا جَھَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا ۝

پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے لوگوں کو مسلط کر دیا) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تاکہ وہ مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہو جائیں جیسا کہ وہ اس میں پہلی بار داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر ان کا بس چلے اس کو پوری طرح برباد کر ڈالیں۔ کچھ بعید نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمادے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے اور ہم نے کافروں کے لئے جہنم کو قید خانہ بنا رکھا ہے۔

لِیَسُوْٓءُا: تاکہ وہ بگاڑ دیں، سَوْءٌ سے مضارع۔

لِیُتَبِّرُوْا: تاکہ وہ ہلاک کر دیں، تاکہ وہ تباہ کر دیں، تَتْبِیْرٌ سے مضارع۔

عَلَوْا: وہ بلند ہوئے، انہوں نے سرکشی کی، وہ غالب آئے، عُلُوٌّ سے ماضی۔

حَصِیْرًا: قید خانہ، جیل خانہ، حَصْرٌ سے صفت مشبہ۔ فاعل و مفعول دونوں کے معنی دیتا ہے،

تشریح: پھر جب دوسرے وعدے (سزا) کا وقت آئے گا یعنی تم دوبارہ فتنہ و فساد برپا کرو گے اور شرعی احکام کو پامال کرو گے تو حسب سابق ہم پھر اپنے ظالم بندوں کو تم پر مسلط کر دیں گے جو مار مار کر تمہارا حلیہ بگاڑ دیں گے اور پہلے کی طرح مسجد بیت المقدس میں گھس کر اس کو تہس نہس اور نیست نابود کر دیں گے۔

اس دوسری ذلت و رسوائی کے بعد جب شریعت محمدیہ کا زمانہ آئے تو اس وقت کوئی شرارت نہ کرنا بلکہ شریعت محمدیہ کی اتباع کرنا۔ امید ہے تمہارا رب بہت جلد تم سے مہربانی کا برتاؤ کرے گا اور تم پر رحم و کرم فرمائے گا۔ تمہیں عزت و نعمت دے کر ذلت و مصیبت سے محفوظ رکھے گا۔ اگر تم نے تیسری بار شریعت محمدیہ کے دور میں بھی، جو قیامت تک جاری رہے گا شرعی احکام کو پامال کیا اور شر و فساد برپا کیا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تو ہم تیسری بار بھی تمہیں ذلیل و رسوا کریں گے اور ہم نے کافروں کے لئے دوزخ کو دائمی جیل خانہ

بنادیا ہے۔　　(مظہری ۲۱،۹/۵)

مذکورہ واقعات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ فیصلہ فرمادیا کہ جب تک وہ اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کرتے رہیں گے۔ دین و دنیا میں کامیاب رہیں گے۔ جب بھی وہ دین سے انحراف کریں گے ذلیل وخوار ہوں گے اور دشمنوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک ضابطہ بیان فرمادیا وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ یعنی اگر تم پھر نافرمانی اور سرکشی کروگے تو ہم بھی تمہیں اسی طرح سزا اور عذاب دیں گے۔ یہ ضابطہ قیامت تک کے لئے ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۳۷، ۴۳۸/۵)

قرآن کی فضیلت

۹، ۱۱۔　اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَّ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝

بیشک یہ قرآن ایسا راستہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں خوشخبری سناتا ہے کہ بیشک ان کے لئے (اللہ کے ہاں) بہت بڑا اجر ہے اور یہ کہ جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور انسان (اللہ سے) برائی بھی اسی طرح مانگنے لگتا ہے جس طرح وہ بھلائی مانگتا ہے اور انسان تو ہے ہی بہت جلد باز۔

اَقْوَمُ :　سب سے سیدھا، قِیَامٌ سے اسم تفصیل۔

اَعْتَدْنَا :　ہم نے تیار کیا، اِعْتَادٌ سے ماضی۔

عَجُوْلًا : بہت جلد باز، عَجَلٌ سے مبالغہ۔

تشریح: بلاشبہ یہ قرآن ایسے طریقے اور راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو منزل مقصود تک پہنچانے میں قریب ہو، آسان اور خطرات سے خالی ہو۔ جو مومن نیک کام کرتے ہیں ان کو یہ قرآن بڑے اجر یعنی جنت کی بشارت دیتا ہے۔ یہ قرآن اس بات کی بھی خبر دیتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ کبھی کبھی یہ عذاب وسزا دنیا میں بھی واقع ہوتی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر واقع ہوئی اور آخرت میں تو اس کا واقع ہونا یقینی اور لازمی ہے مگر انسان جلد باز ہے وہ دیر میں نیک نتیجہ بر آمد ہونے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ ہو فوراً ہو۔ اس لئے آخرت کی نعمتوں کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ دنیاوی لذتوں پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ اجر وثواب کی بشارتوں اور شر وفساد کے مہلک نتائج سے باخبر ہونے کے باوجود کبھی کبھی غصے، جھنجھلاہٹ اور ناامیدی کی حالت میں اپنے لئے یا اپنے اہل وعیال اور مال کے لئے بددعا کرنے لگتا ہے کبھی موت و ہلاکت کی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ کبھی کسی چیز کو اپنے حق میں بہتر سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کو حاصل کرنے کی دعا کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کی ایسی دعاؤں کو فوراً قبول فرمالے تو یہ ہلاک و برباد ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس پر خود اس سے بھی زیادہ مہربان ہے اور اس کی ان بددعاؤں کو فوراً قبول نہیں فرماتا۔ یہاں تک کہ اس کو احساس ہو جاتا ہے کہ اس کی دعا اس کے لئے نقصان دہ تھی اور انسان تو ہے ہی جلد باز، سرسری نفع پر نظر رکھتا ہے، انجام پر غور نہیں کرتا۔ فوری راحت خواہ تھوڑی ہی ہو اس کو دائمی راحت پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ (حقانی ۱۴۸۔۱۴۹/ ۳، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۴۱/ ۵)

قدرت کی دو نشانیاں

۱۲۔ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ

السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنادیا۔ سو رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا کر دیا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنادیا تاکہ تم اپنے رب کے فضل (روزی) کو تلاش کرو اور تاکہ تمہیں برسوں کی گنتی اور حساب معلوم ہو جائے اور ہم نے ہر چیز کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

فَمَحَوْنَآ: پس ہم نے محو کر دیا، پس ہم نے مٹادی، مَحْوٌ سے ماضی۔

مُبْصِرَةً: دکھانے والی، روشن کرنے والی، یہ اسم فاعل ہے مفعول کے معنی میں۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے دو نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ ایک دن، دوسری رات۔ دن کو روشن اور رات کو تاریک بنایا۔ دن کو تلاش معاش کے لئے بنایا۔ لوگ اس میں اپنے کام کاج کرتے ہیں۔ صنعت و حرفت اور سیر و سفر کرتے ہیں۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے آرام و سکون کے لئے بنایا تاکہ دن کو کام کاج کرنے والے تھکے ہارے لوگ آرام و سکون کے لئے سو سکیں اور صبح کو تازہ دم ہو کر اٹھیں اور دوبارہ اپنے کام کاج میں لگ جائیں۔ دونوں ایک کے بعد ایک باری باری آتے ہیں۔ یہ اس لئے کیا تاکہ لوگ دنوں، ہفتوں، مہینوں اور برسوں کی گنتی معلوم کر سکیں تاکہ لین دین اور دوسرے معاملات میں اور عبادت کے کاموں میں سہولت ہو اور ہم نے تمہارے لئے دین و دنیا کی ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ واضح طور پر بیان کر دیا۔ (ابن کثیر ۲۶، ۲۷/ ۳)

نامۂ اعمال

۱۳، ۱۴۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝

اور ہم نے ہر آدمی کے عمل کو اس کے گلے کا ہار بنادیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس (نامۂ اعمال) کو کتاب بنا کر نکال لیں گے جس کو وہ کھلی ہوئی پائے گا (اور ہم اس سے کہیں گے کہ) اپنی کتاب (نامۂ اعمال) پڑھ۔ آج اپنا حساب لینے کے لئے تو ہی کافی ہے۔

اَلْزَمْنٰهُ : ہم نے اس کے لئے لازم کر دیا، ہم نے اس کو لگادیا، اِلْزَامٌ سے ماضی۔

طٰٓئِرَهٗ : اس کی نحوست، اس کی بری قسمت، واحد طَیْرٌ۔

عُنُقِهٖ : اس کی گردن، جمع اَعْنَاقٌ۔

یَلْقٰهُ : وہ اس کو دیکھے گا، وہ اس کو پائے گا، لَقْیٌ سے مضارع۔

مَنْشُوْرًا : کھلا ہوا، پھیلا ہوا، نَشْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: گزشتہ آیت میں زمانے کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں اس کی آنے والی حالت کا بیان ہے کہ ہر آدمی خواہ وہ مومن ہو یا کافر اس کے نیک و بد عمل کو اس کے گلے کا ہار بنادیا ہے۔ انسان جہاں جاتا ہے اس کا عمل اور مقدر اس کے ساتھ رہتا ہے۔ گویا اللہ نے جو چیز اس کے لئے مقدر کر دی وہ اس کو اڑ کر پہنچے گی۔ قیامت کے روز ہم اس کے گلے کے ہار کو نامۂ اعمال کی شکل میں ظاہر کریں گے جس میں اس کے تمام نیک و بد احوال درج ہوں گے پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو اپنا نامۂ اعمال خود پڑھ لے اور دیکھ لے کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور خود ہی فیصلہ کر لے کہ تو کس چیز کا مستحق ہے۔ اس میں تیرے تمام عمر کے اعمال درج ہیں۔ آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ○ (سورۂ قیامہ آیت ۱۳)

اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے پچھلے اعمال سے آگاہ کر دیا جائے گا۔

ابن جریر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص دنیا میں پڑھا ہوا نہیں ہو گا، قیامت کے روز وہ بھی اپنا اعمال نامہ پڑھ لے گا۔

اصبہانی نے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

آدمی کے سامنے اس کا اعمال نامہ کھلا ہوا لایا جائے گا تو وہ پڑھ کر کہے گا کہ میں نے فلاں فلاں نیکیاں کی تھیں وہ اس میں درج نہیں ہیں۔ اللہ فرمائے گا کہ چونکہ تو لوگوں کی غیبت کرتا تھا اس لئے میں نے وہ تیری نیکیاں مٹا دیں۔ (ابن کثیر ۲۸،۲۷/۳، مظہری ۴۲۱،۴۲۰/۵)

اپنی کرنی آپ بھرنی

۱۵۔ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○

جو کوئی ہدایت پر چلتا ہے تو وہ اپنے ہی لئے ہدایت پر چلتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہوا تو وہ اپنے ہی (نقصان کے) لئے گمراہ ہوا اور کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم کسی کو سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر ایک کو ہدایت کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ دنیا میں کسی شخص کا سیدھے راستے پر چلنا اور اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کرنا خود اسی کے لئے فائدہ مند ہے۔ اسی طرح گمراہ ہونا حق کا راستہ چھوڑ کر نافرمانوں کے طریقے پر چلنا بھی خود اسی کے لئے نقصان دہ ہے۔ کسی کی گمراہی کا وبال دوسرے پر نہیں پڑے گا اور نہ کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا۔ ہر شخص کو اپنے اپنے گناہوں کا بار اٹھانا ہوگا۔

پھر فرمایا کہ ہم کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک کہ ان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ان کے پاس اپنا کوئی رسول نہ بھیج دیں جو ان کو سیدھا اور دینِ حق کا راستہ دکھا دے۔ اگر دعوت و تبلیغ دین کے بعد بھی لوگ کفر و معصیت اور فسق و فجور سے باز نہ آئیں اور حد سے بڑھ جائیں تب ان پر عذاب نازل کیا جاتا ہے۔

بستی کی تباہی

۱۶، ۱۷۔ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ○ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ○

اور جب ہم کسی بستی کو (اہل بستی کی بداعمالیوں کے سبب) ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو (کوئی) حکم دیتے ہیں۔ پھر (جب) وہ اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ پھر ہم اس بستی کو تباہ کر ڈالتے ہیں اور ہم نے نوح (کی بعثت) کے بعد (کفر و معصیت کے سبب) بہت سی امتوں کو ہلاک کیا ہے اور آپ کا رب کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والا (اور) دیکھنے والا۔

مُتْرَفِيْهَا : اس (بستی) کے دولت مند، اس کے خوشحال، اِتْرَافٌ سے اسم مفعول۔
فَدَمَّرْنٰهَا: پس ہم نے اس کو ہلاک کر دیا، پس ہم نے اس کو تباہ کر دیا، تَدْمِيْرٌ سے ماضی۔

تشریح: جب ہم کسی بستی کو اس کے رہنے والوں کی بداعمالیوں کے سبب ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان کو یونہی اچانک ہلاک نہیں کر دیتے بلکہ ہلاکت سے پہلے وہاں کے دولت مندوں اور راحت پسندوں کو اپنے پیغمبر یا اس کے نائبین کے ذریعے اپنے احکام پہنچاتے ہیں۔ جو ان کو رد کر دیتے ہیں اور کھلے بندوں فسق و فجور کرنے لگتے ہیں اور شریعت کی حدود و قیود کو پامال کرتے ہیں۔ اس طرح جب ان کا کفر و نافرمانی حد سے بڑھ جاتا ہے تو ان پر اللہ کی حجت قائم ہو جاتی ہے اور وہ عذابِ الٰہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ پھر ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

اے قریش کے لوگو! ہم نے حضرت نوح کے بعد اسی قانون کے تحت کتنی ہی قومیں اور بستیاں ہلاک و برباد کر دیں۔ تمہارے پاس ان سے زیادہ ساز و سامان اور قوت و تعداد نہیں

لہذا تم ان سے عبرت پکڑو۔ اللہ تعالیٰ پر کسی بندے کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ اچھا یا برا، کھلا یا چھپا ہوا سب اس پر ظاہر ہے۔ وہ کسی کو بے قصور سزا نہیں دیتا بلکہ ہر ایک کو اس کے گناہ دیکھ کر ان کے مطابق سزا دیتا ہے۔ (عثمانی ۷۹۵/۱، مواہب الرحمٰن ۶۳، ۶۵/۱۵)

طالبِ دنیا کا انجام اور مومنین کا انعام

۱۸، ۲۰۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَانَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○

جو شخص دنیا (کے نفع) کا ارادہ کرتا ہے تو ہم دنیا میں سے بھی جس کو جتنا دینا چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ وہ اس میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہو گا اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اس کے لئے جیسی کوشش کرنی چاہئے ویسی کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو ایسے ہی لوگوں کی سعی مقبول ہو گی۔ ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں۔ ان (طالب دنیا) کی بھی اور ان (طالب آخرت) کی بھی اپنی عنایت سے اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں ہے۔

الْعَاجِلَةَ: جلد ملنے والی چیز، یہاں دنیا کی خوشحالی مراد ہے، عَجَلٌ و عَجْلَةٌ سے اسم فاعل۔

مَدْحُوْرًا: مردود کیا ہوا، رحمت سے دور کیا ہوا، دَحْرٌ و دُحُوْرٌ سے اسم مفعول۔

مَحْظُوْرًا: بند کی ہوئی، روکی ہوئی، حَظْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: جو شخص صرف دنیا کو طلب کرتا ہے اور آخرت پر یقین نہیں رکھتا تو ضروری نہیں کہ اس کی ہر چاہت پوری ہو جائے بلکہ ہم جس کے لئے مناسب سمجھتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں اس کو فوراً دنیا ہی میں دے دیتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ آخرت میں خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ چونکہ اس نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی اس لئے ہم نے آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم میں بنا دیا جس میں وہ ذلت و خواری کے ساتھ داخل ہو گا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو، یہ اس کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہ ہو، اسے وہی جمع کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔

جو شخص آخرت کو طلب کرتا ہے اور ایمان کی حالت میں آخرت کے لئے مناسب کوشش کرتا ہے اور امر و نواہی کی پابندی اور اعمال صالحہ کرتا ہے تو ایسے لوگوں کی یہ کوشش اللہ کے ہاں قبول ہو گی۔ ان کو ان کے اعمال صالحہ کا پورا پورا اجر و ثواب دیا جائے گا۔ ہر ایک کو خواہ وہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت۔ ہم اپنی عطا سے بڑھاتے رہتے ہیں۔ وہ ایسا حاکم عادل ہے جو کبھی ظلم نہیں کرتا۔ وہ سب کا رب ہے کافر کا بھی اور مومن کا بھی۔ کوئی بھی فریق اس کی دین سے محروم نہیں اس کی نعمتیں عام ہیں۔

(مظہری ۴۲۹، ۵/۴۳۰، مواہب الرحمٰن ۶۶، ۱۵/۶۸)

آخرت کے درجات

۲۱، ۲۲۔ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ○ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○

دیکھو! ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت کے تو بڑے درجے ہیں اور بڑی فضیلت ہے۔ اللہ کے ساتھ

کوئی اور معبود نہ بناؤ ورنہ تُو بدحال و بے بس ہو کر بیٹھ رہے گا۔

تشریح: دیکھ لو! ہم نے دنیا میں بھی انسانوں کے مختلف درجے رکھے ہیں۔ ان میں امیر بھی ہیں فقیر بھی، دولت مند بھی ہیں اور نادار بھی، نیک بھی ہیں بد بھی، ضعیف بھی ہیں توانا بھی، جوان بھی ہیں بوڑھے بھی، صحت مند بھی ہیں بیمار بھی، درجات کے اعتبار سے آخرت دنیا سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ بعض لوگ جنت میں ہوں گے اور بعض دوزخ میں۔ پھر جنت اور دوزخ کے اندر بھی بہت سے درجات ہیں جہاں اعمال کے اعتبار سے اہلِ جنت و اہلِ دوزخ کو رکھا جائے گا۔ سو درجوں اور فضیلتوں کے اعتبار سے آخرت بہت بڑی ہے۔

پھر امت محمدیہ کو خطاب ہے کہ تم اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ اللہ کی مدد سے محروم ہو جاؤ گے اور تم اللہ کے سوا جس کی عبادت کرو گے اسی کے سپرد کر دیئے جاؤ گے۔ چونکہ اللہ کے سوا کوئی نفع و نقصان کا مالک نہیں اس لئے تم ہر نفع سے محروم اور نقصان سے دوچار ہو جاؤ گے۔

(ابن کثیر ۳/۳۴، مواہب الرحمٰن ۱۵/۷۲،۶۸)

والدین کے ساتھ حسن سلوک

۲۳، ۲۵۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝

اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا

اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ اگر تیرے سامنے ان (والدین) میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑ کنا اور ان سے ادب سے بات کرنا اور ان کے آگے مہربانی سے جھکے رہنا اور ان کے لئے دعا کرتے رہنا کہ اے میرے رب! جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم کر۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم (واقعی) نیک ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

تَنْهَرْ : تو ڈانتا ہے، تو جھڑکتا ہے، نَهْرٌ سے مضارع۔

اخْفِضْ: تو جھکا دے، تو شفقت کر، خَفْضٌ سے امر۔

جَنَاح : بازو، ہاتھ، جمع اَجْنِحَةٌ۔

الذُّلِّ : ذلت، عاجزی، تواضع، مصدر ہے۔

اَوَّابِيْنَ : بہت رجوع کرنے والا، بہت توبہ کرنے والا، واحد اَوَّابٌ

تشریح: اللہ تعالی کی طرف سے تاکیدی حکم جو کبھی ٹلنے والا نہیں یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور والدین کی اطاعت میں ذرا فرق نہ آنے دو، خاص طور پر جب ان کے بڑھاپے کا زمانہ آئے تو ان کا پورا ادب و احترام کرو۔ ان کے لئے کوئی بری بات زبان سے نہ نکالو یہاں تک کہ ان کے سامنے "ہوں" بھی نہ کرو۔ کوئی ایسا کام نہ کرو جو ان کو پسند نہ ہو اور ان کے لئے تکلیف کا باعث ہو۔ ان کے ساتھ بے ادبی سے بات نہ کرو بلکہ ان کے ساتھ عزت واحترام اور نرمی سے بات چیت کرو۔ ان کے سامنے تواضع اور عاجزی وانکساری سے رہو۔ ان کے بڑھاپے میں اور ان کے انتقال کے بعد ان کے لئے دعائیں کرتے رہو خاص طور پر ان کے لئے یہ دعا کرو کہ اے اللہ ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں رحم اور مہربانی سے میری پرورش کی۔ البتہ اولاد کو کافر والدین کے لئے (بخشش کی) دعا کرنا منع ہے۔

(ابن کثیر ۳۴۔۳۶/۳)

پھر فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ کون کیسے دل سے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے۔ اگر تم دل سے نیک اور سعادت مند ہو گے اور اللہ کی طرف رجوع ہو کر اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت کرو گے تو وہ تمہاری کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔ اگر نیک نیتی کے باوجود کسی وقت تنگدلی یا تنک مزاجی سے کوئی کوتاہی ہو گئی اور پھر توبہ کر لی تو اللہ بہت بخشنے والا ہے۔ (عثمانی ۱/۷۹۷)

قرابت داروں کے حقوق

۲۸،۲۶. وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ○ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ○

اور اہل قرابت اور محتاج اور مسافر کا حق ادا کرتے رہنا اور (مال کو) فضول نہ اڑانا۔ بلاشبہ فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اگر تمہیں اپنے پروردگار کی طرف سے رحمت (فراخی) کے انتظار میں جس کی تجھے امید ہو ان (حاجت مندوں) سے پہلو تہی کرنا پڑے تو ان سے نرم بات کہنا۔

تُبَذِّرْ: تم فضول خرچی کرتے ہو، تم بیجا خرچ کرتے ہو، تَبْذِيْرٌ سے مضارع۔

تُعْرِضَنَّ: تو ضرور اعراض کرے گا، تو ضرور منہ پھیرے گا، اِعْرَاضٌ سے مضارع۔

اِبْتِغَآءَ: چاہنا، تلاش کرنا مصدر ہے۔

مَّيْسُوْرًا: نرمی، آسانی، يُسْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کے حکم کے بعد ان آیتوں میں قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ قرابت دار خواہ ماں کی جانب سے

ہو یا باپ کی جانب سے یا دونوں جانب سے ہو اگرچہ دور کے رشتے کا ہو، اس کو اس کا حق ضرور ادا کرنا چاہیئے اور حق کا لفظ عام ہے۔ اس میں ہر قسم کا حق آگیا کہ اگر وہ قرابت دار محتاج ہیں تو ان کی مال سے مدد کرنا چاہیئے۔ اگر وہ محتاج نہیں ہیں تو ان کے ساتھ ادب و احترام، اخلاص و ہمدردی اور صلۂ رحمی کا معاملہ کرنا چاہیئے۔

اسی طرح مسکین کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہئے خواہ وہ قرابت دار ہو یا کوئی غیر ہو۔ قرابت دار مسکین کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں دوہرا ثواب ہے ایک صلۂ رحمی اور دوسرا مسکین کی امداد کا۔ مسافر کا بھی حق ادا کرنا چاہئے۔ اگر وہ ضرورت مند ہے تو اس کی ضرورت پوری کرنی چاہئے اگرچہ وہ اپنے گھر میں بہت مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ مسافر کو کھانا کھلانا چاہئے اس کو ٹھہرنے کی جگہ دینی چاہئے۔ اس کے ساتھ نرمی اور عزت واحترام کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے رزق میں اور عمر میں ترقی چاہتا ہو اسے صلۂ رحمی کرنا چاہئے۔

آیت کے آخری حصے میں اسراف سے منع کیا گیا ہے کہ اپنے مال کو لغویات میں برباد نہ کرو۔ بلا ضرورت مکانات بنوانا، غیر ضروری سامان بنوانا، شادی بیاہ کی دعوت میں اعتدال سے بڑھنا بھی تبذیر ہے۔ ان سب سے بچنا ضروری ہے۔ بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں یعنی وہ شیطانوں کے طریقے پر ہیں یا ان کے دوست ہیں اور ان کی اطاعت و فرماں برداری میں بیہودہ جگہوں پر خرچ کرتے ہیں اور شیطان تو ہے ہی اپنے رب کا نافرمان اس لئے اس کی باتوں میں نہیں آنا چاہئے، مال و دولت اللہ کی نعمت ہے۔ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اس کا شکر ادا کرنا ہے اور ناحق خرچ کرنا اس کی ناشکری ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۸۰۔۸۲ / ۱۵، حقانی ۱۵۴، ۱۵۵ / ۳)

مجاہد نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنا سارا مال حق کے راستے میں خرچ کردے تو اس کو تبذیر نہیں کہا جائے گا اور اگر گناہ کے راستے میں ایک سیر غلہ بھی خرچ کیا تو اس کو تبذیر کہا جائے گا۔ ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا کہ مال کو حق کے راستہ کے علاوہ ناحق (باطل راستہ میں) خرچ کرنا

تبذیر ہے۔ (روح المعانی ۶۳/۱۵)

جب تمہارے پاس اللہ کی راہ میں دینے کے لئے کچھ نہ ہو اور تمہیں اپنے رب کی طرف سے رزق آنے کی امید ہو اور اس رزق کے انتظار میں ان کی طرف سے رخ بھی پھیرنا پڑے تو ان سے نرمی کے ساتھ معذرت کرو۔ جب تم ان پر رحم کرو گے اور ان کے ساتھ نرمی سے بات کرو گے تو اللہ بھی تم پر رحم فرمائے گا۔

خرچ میں میانہ روی

۲۹، ۳۰۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝

اور تو اپنے ہاتھ کو سکیڑ کر گردن میں نہ باندھ اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو ملامت زدہ اور تہی دست ہو کر بیٹھ رہے۔ (اے نبی!) بیشک آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور وہی تنگی کر دیتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے (اور ان کے حال کو) دیکھ رہا ہے۔

مَغْلُوْلَةً : بندھی ہوئی، بخیل، غَلٌّ سے اسم مفعول۔

عُنُقِكَ : تیری گردن جمع اَعْنَاقٌ۔

تَبْسُطْهَا : تو اس کو کشادہ کر دے، تو اس کو کھول دے، بَسْطٌ سے مضارع۔

مَّحْسُوْرًا: پچھتایا ہوا۔ حسرت زدہ۔ عاجز۔ حَسْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: یہاں مال خرچ کرنے میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید ہے کہ نہ تو انتہائی بخل اور کنجوسی کی وجہ سے اپنا ہاتھ بالکل روک لو گویا کہ وہ گردن سے بندھا ہوا ہے، کسی کو کچھ دینے کے لئے کھلتا ہی نہیں اور نہ ہاتھ کو اتنا کھول دو کہ جوش میں آکر سب کچھ دے دو اور

پھر خالی ہاتھ ہو کر گھر میں بیٹھ جاؤ۔

پس بخل کی وجہ سے انسان برا بن جاتا ہے اور لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ ہر ایک اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور جو حد سے زیادہ خرچ کر دیتا ہے وہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہتا۔ وہ ضعیف اور عاجز ہو جاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا کہ تو اللہ کی راہ میں خرچ کیا کر اللہ تعالیٰ تجھے دیتا رہے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ درمیانہ خرچ رکھنے والا کبھی فقیر نہیں ہوتا۔

پھر فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ اس تنگی اور کشادگی میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں وہ خوب جانتا اور دیکھتا ہے کہ رزق میں کشادگی کا مستحق کون ہے اور غربت و مفلسی کا مستحق کون۔ تم بندے ہو تمہیں مصلحتوں اور حکمتوں کا علم نہیں لہٰذا تمہیں جو میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے تم اس کی تعمیل کرو۔ (ابن کثیر ۳/۳۷)

اولاد کے قتل کی ممانعت

۳۱۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ○

اور مفلسی کے ڈر سے تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم ہی ان کو رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بیشک ان کا قتل کرنا بڑی خطا (گناہ) ہے۔

اِمْلَاقٍ : افلاس، ناداری، تنگدستی، مصدر ہے۔

خِطْاً : خطا، گناہ، چوک، مصدر ہے۔

تشریح: اہل جاہلیت کی ایک ظالمانہ عادت تھی کہ وہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا کرتے تھے۔ ایک تو اس خیال سے کہ لڑکیاں کچھ کما نہیں سکتیں جبکہ لڑکے لوٹ مار کر کے بھی

کچھ نہ کچھ مال حاصل کر لیتے تھے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ جب وہ بڑی ہوں گی تو خاندان والے مفلسی کی بنا پر اس لڑکی سے نکاح نہیں کریں گے اس لئے اس کا نکاح خاندان سے باہر کے لوگوں میں کرنا پڑے گا۔ جو ان کے نزدیک بڑی عار کی بات تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو افلاس و تنگدستی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ جہاں تک ان کے رزق کا تعلق ہے تو تمہیں اس کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان کی روزی تمہارے ذمے نہیں۔ سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے۔ تمہیں بھی وہی روزی دیتا ہے اور تمہارے رزق میں کمی کئے بغیر ان کے رزق کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ ہی نے لیا ہوا ہے۔ لہذا بھوک اور افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کیا کرو۔ ان کا قتل جرمِ عظیم اور گناہِ کبیرہ ہے۔ سو تم اس سے بچتے رہو۔

(روح المعانی ۶۶، ۶۷/ ۱۵، حقانی ۱۵۶/ ۳)

صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے، میں نے کہا کہ اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنی پڑوسن سے زنا کرے۔ (ابن کثیر ۳۸/ ۳)

زنا کی ممانعت

۳۲۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ○

اور تم زنا کے قریب (بھی) نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی (کا کام) ہے اور وہ بری راہ ہے۔

تشریح: زنا کرنا تو بہت دور کی بات ہے تم اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بلا شبہ وہ بڑی بے حیائی اور واضح طور پر برائی کا کام ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔ اس سے حسب و نسب میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ طرح طرح کی دشمنیاں، لڑائیاں اور جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور قتل ہوتے

ہیں۔ لہٰذا تم اس کے پاس بھی نہ پھٹکو۔

قتلِ ناحق کی ممانعت

۳۳۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝

اور جس جان کا قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے، تم اس کو ناحق قتل نہ کرو اور جو شخص ناحق (مظلوم) قتل کیا جائے تو بیشک ہم نے اس کے وارث کو (قصاص لینے یا معاف کرنے کا) اختیار دے دیا ہے۔ سو اس کو چاہئے کہ وہ قتل کرنے (قصاص لینے) میں زیادتی نہ کرے۔ بیشک اس (وارث کے مقتول) کو مدد دی جاتی ہے۔

تشریح: جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔ مگر حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ قاتل کو قتل کی سزا میں قصاص کے طور پر قتل کیا جائے۔

۲۔ نکاح کرنے کے بعد بھی زنا کرے تو اس کو زنا کی سزا میں قتل (سنگسار) کیا جائے۔

۳۔ دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔ ان تینوں صورتوں میں انسان کی حرمت جاتی رہتی ہے۔

نسائی نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کے نزدیک (ساری) دنیا کا فنا ہو جانا مومن کے قتل سے حقیر ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص ناحق قتل کر دیا جائے تو اس کے وارث کو اختیار ہے کہ وہ قاتل کو بالکل معاف کر دے یا دیت لے لے۔ قصاص لینے میں یعنی قاتل کو قتل کرنے میں اسراف نہ ہو یعنی قاتل کی قوم کے کسی اور شخص کو قتل نہ کرے، نہ قاتل کو جلا کر مارے اور نہ

اس کا مثلہ کرے، یعنی اس کے اعضاء ناک، کان وغیرہ نہ کاٹے جو اس کے وارثوں میں اشتعال کا باعث ہو۔　　(روح المعانی ۶۹،۷۰/۱۵، مظہری ۴۳۷،۴۳۸/۵)

یتیموں کے مال سے اجتناب

۳۴۔　وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝

اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بجز ایک احسن طریقے کے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو۔ بیشک (اللہ کے ہاں) عہد کی باز پرس ہو گی۔

تشریح:　یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ البتہ تم یتیم کے مال میں ایسے طریقے سے تصرف کر سکتے ہو جو یتیم کے لئے بہتر اور مفید ہو۔ جس سے اس کے مال کی حفاظت مقصود ہو یا اس کا مقصد مال کو بڑھانے کی غرض سے تجارت میں لگانا ہو وغیرہ۔ پھر جب وہ یتیم بالغ ہو جائے اور اس میں سوجھ بوجھ پیدا ہو جائے جو صحیح تصرف کے لئے ضروری ہے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دو۔

اگر وہ شخص جس کی پرورش میں یتیم بچے ہوں، وہ خود مالدار ہے تو اسے ان کے مال سے بالکل الگ اور دور رہنا چاہئے۔ البتہ اگر وہ غریب و محتاج ہے تو یتیم کے مال کی نگرانی کی اُجرت کے طور پر اس میں سے دستور کے موافق لے سکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ نے اپنے احکام پر عمل کرانے کا جو تم سے وعدہ لیا ہے اس کو پورا کرو اور لوگوں سے جو تم جائز معاملات کا وعدہ کرو اس کو بھی پورا کرو۔ جو شخص عہد کی پابندی نہیں کرتا اس سے ہر عہد توڑنے کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اس کو عہد شکنی کی سزا دی جائے گی۔　　(ابن کثیر ۳۹/۳)

ناپ تول میں کمی کی ممانعت

۳۵۔ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

اور جب ناپ کر دینا ہو تو پورا پیمانہ دیا کرو اور صحیح ترازو سے تولو۔ (کیونکہ) یہی بہتر ہے اور (اس کا) انجام بھی اچھا ہے۔

وَاَوْفُوا: تم پورا کرو، اِيْفَاءٌ سے امر۔

الْكَيْلَ: غلہ ناپنے کا پیمانہ، پیمانے سے غلہ ناپنا۔

بِالْقِسْطَاسِ: ترازو، میزان، جمع قَسَاطِيْس۔

تشریح: ناپ کر دیتے وقت پیمانے کو پورا بھر کر دیا کرو اور تولتے وقت صحیح ترازو سے ڈنڈی مارے بغیر تولا کرو۔ یہ پورا ناپنا اور تولنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر ناپ تول میں کمی کرو گے تو یہ دھوکہ اور خیانت ہے اس میں برکت نہیں، تمہارے لئے دونوں جہان کی بہتری اسی میں ہے کہ تم ناپ اور تول میں کسی قسم کی کمی اور خیانت سے بچو، پورا ناپنا اور تولنا دنیا میں بھی نیک نامی کا باعث ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی نہایت عمدہ ہے۔

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کے لئے سخت وعید بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝
(مطففین آیت ۱۔ ۳)

ہلاکت ہے (ناپ تول میں) کمی بیشی کرنے والوں کے لئے وہ لوگ کہ جب ناپ کر لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

بلا تحقیق بات کہنے کی ممانعت

۳۶۔ وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ○

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہ ہو۔ بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ کچھ ہو گی۔

تَقْفُ : تو پیروی کر، تو پیچھے چل، تو عمل کر، قَفْوٌ سے مضارع۔

اَلْفُؤَادَ : دل، قلب، جمع اَفْئِدَةٌ۔

تشریح: کسی شخص کے بارے میں ایسی بات نہ کہو جس کا تمہیں قطعی اور یقینی علم نہ ہو۔ آدمی کو چاہئے کہ پہلے وہ اپنے کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر بقدر کفایت تحقیق کر کے پورا اطمینان حاصل کرے پھر اس کے بعد کسی کے بارے میں کوئی بات کہے۔ محض سنی سنائی باتوں پر سوچے سمجھے بغیر عمل نہ کرے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، کسی پر بہتان لگانا، سنی سنائی باتوں پر کسی کے درپے آزار ہونا یا اس سے بغض و عداوت رکھنا یا رسم و رواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا وغیرہ سب داخل ہیں۔ بلاشبہ قیامت کے روز ایسی تمام باتوں کے بارے میں تمہارے کانوں، آنکھوں اور دلوں سے ضرور باز پرس کی جائے گی۔ یعنی جو شخص سننے دیکھنے اور جاننے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے اعضا سے اس کی تصدیق طلب کی جائے گی۔ آنکھ سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کیا دیکھا تھا۔ کان سے سوال کیا جائے گا کہ اس نے کیا سنا تھا اور دل سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کیا جانا تھا۔ (عثمانی ۱/۸۰۱، مظہری ۵/۴۴۰)

اکڑ کر چلنے کی ممانعت

۳۸،۳۷۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ج اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ

وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً ○ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ○

اور تو زمین پر اکڑ کر نہ چل۔ تحقیق نہ تو تو زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچے گا۔ ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک (سخت) ناپسندیدہ ہے۔

مَرَحًا: اکڑتا ہوا، اتراتا ہوا، مصدر ہے۔

تَخْرِقَ: تو پھاڑ دے گا، تو چلنے میں زمین کو قطع کرے گا، خَرْقٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں اکڑ کر، اترا کر اور تکبر کے ساتھ چلنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ روش اور طریقہ سرکش اور مغرور لوگوں کا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی چلنے میں تواضع اختیار کرے کیونکہ وہ کھٹ پٹ، کھٹ پٹ اور زور زور سے زمین پر پاؤں مار کر چلنے سے نہ تو زمین کو پھاڑ کر اس کو دو ٹکڑے کر سکتا ہے اور نہ گردن اکڑا کر چلنے سے وہ پہاڑ کی بلندی کو چھو سکتا ہے۔ بلکہ وہ جیسا پست ہے ویسا ہی پست رہے گا۔ پھر فرمایا کہ مذکورہ تمام برے کام اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ اور قابل نفرت ہیں۔

ایک روز حضرت عمرؓ نے منبر پر فرمایا کہ لوگو! میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو اٹھا کر اونچا کر دیتا ہے گو وہ اپنی نظر میں تو نیچا ہی ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں بڑا ہو جاتا ہے اور جو خود بڑا بنتا ہے اللہ اس کو پست کر دیتا ہے۔ سو وہ لوگوں کی نظر میں چھوٹا ہو جاتا ہے اور خود اپنی نظر میں بڑا ہوتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ (مظہری ۵/۴۴۱)

علم و حکمت کی باتیں

۳۹، ۴۰۔ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ

اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓـئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّـكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝

(اے رسول ﷺ) یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہیں اور (اے انسان) اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا ورنہ تو ملامت زدہ اور راندہ درگاہ ہو جائے گا اور تجھے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (اے مشرکو!) کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے لئے مخصوص کر لیا ہے اور اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہے۔ بیشک تم بہت ہی بڑی بات کہتے ہو۔

مَّدْحُوْرًا : مردود کیا ہوا، رحمت سے دور کیا ہوا، دَحْرٌ و دُحُوْرٌ سے اسم مفعول۔

اَفَاَصْفٰكُمْ : اس نے تم کو خاص کیا، اس نے تم کو پسند کیا، اِصْفَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: گزشتہ آیات میں جو ہدایتیں اور نصیحتیں کی گئی ہیں وہ ایسی علم و حکمت کی باتیں ہیں جو اللہ نے وحی کے ذریعہ آپ کے پاس بھیجی ہیں اور جن کو ہر عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ یہ تمام ادیان اور ملتوں میں چلی آتی ہیں۔ بلاشبہ یہ تمام امور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال میں سراپا حکمت ہیں۔ ان کی بجاآوری میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ ان احکام حکمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے حکم اور شرک کی ممانعت سے شروع فرمایا۔ (آیت ۲۳) اور اسی پر ختم فرمایا (آیت ۳۹) جس سے مقصود یہ ہے کہ یہی حکم اول ہے اور یہی حکم آخر ہے۔ اس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو کلمۂ توحید پڑھتے رہو تاکہ تمہاری زندگی اسی پر ختم ہو کیونکہ اسی پر تمام اعمال کی صحت کا مدار ہے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور تمہارا یہ حال ہو گا کہ تم اپنے آپ کو ملامت کرنے لگو گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی ساری مخلوق بھی تمہیں ملامت کرے گی اور تمہیں ہر بھلائی سے دور کر دیا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ کیا تمہارے رب نے تمہارے لئے لڑکے مخصوص کر دیئے ہیں اور اپنے لئے لڑکیاں جو تمہیں سخت ناپسند ہیں اور جن کو تم زندہ درگور کرتے ہو۔ بلاشبہ تمہاری یہ بات

اللہ تعالیٰ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ تمہاری یہ بات کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں بہت ہی بری ہے۔ تم اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہو حالانکہ وہ واحد و یکتا اور اولاد سے بے نیاز ہے۔　(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۱۶، ۳۱۷/ ۴، مظہری ۴۴۲/ ۵)

توحید کی تاکید اور شرک کی تردید

۴۱، ۴۴۔　وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّا بْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

اور ہم نے اس قرآن میں (اہم امور کو) طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ وہ (لوگ) نصیحت حاصل کریں حالانکہ ان کو تو اس سے نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے۔ (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا کہ وہ (مشرکین) کہتے ہیں تب تو انہوں نے عرش کے مالک تک (پہنچنے کا) کوئی راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا۔ وہ (اللہ) پاک ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے (اس کی ذات) بہت ہی بلند ہے۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے وہ سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو اور لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بیشک وہ بڑا تحمل کرنے والا (اور) بڑا ہی بخشنے والا ہے۔

نُفُوْرًا :　نفرت کرنا، فرار ہونا، بھاگنا، مصدر ہے۔

اِبْتَغَوْا : انہوں نے تلاش کیا، اِبْتِغَاءٌ سے ماضی۔
تَفْقَهُوْنَ : تم سمجھتے ہو، فِقْهٌ سے مضارع۔

تشریح: ہم نے قرآن میں متعدد مقامات پر عبرتیں، حکمتیں، احکام، امثال، دلائل اور نصیحتیں صاف صاف اور واضح طور پر بیان کر دی ہیں تاکہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں اور برائیوں اور اللہ کی ناراضی سے بچیں۔ لیکن یہ بد بخت لوگ نصیحت حاصل کرنے کی بجائے حق سے نفرت میں بڑھتے ہی چلے گئے۔

اے محمد ﷺ آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے جو لوگ اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ معبود بھی اللہ ہی کی عبادت کرتے اور اسی کا قرب حاصل کرتے، سوائے کافرو تمہیں بھی اسی ذات واحد کی عبادت کرنی چاہئے نہ کہ باطل معبودوں کی۔

وہ ذات واحد و صمد اس سے پاک و منزہ ہے کہ کوئی اس کا شریک و ہمسر ہو اور وہ ان سب باتوں سے بلند و برتر ہے جو یہ ظالم اس کے بارے میں کہتے ہیں۔ ساتوں آسمانوں اور زمین کی ہر مخلوق اللہ کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔ لیکن اکثر لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہایت حلم والا ہے اور گناہوں کی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور جو توبہ کرتا ہے اس کو بخش دیتا ہے۔ (مظہری ۴۴۲، ۴۴۳/۵)

ازلی گمراہی کے پردے

۴۵، ۴۸۔ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ○ وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ○ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ

بِہٖٓ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ○ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ○

اور (اے نبی ﷺ) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا (نظر نہ آنے والا) پردہ حائل کر دیتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ تاکہ وہ اس (قرآن) کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیتے ہیں (تاکہ وہ اس کو سن نہ سکیں) اور جب آپ قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ جس وقت یہ لوگ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو جس نیت سے یہ سنتے ہیں ہم اسے خوب جانتے ہیں اور (ہم اس سے بھی واقف ہیں) جب وہ سرگوشی کرتے ہیں (اور) جب یہ ظالم کہتے ہیں کہ (بس) تم تو ایک ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جو سحر زدہ ہے۔ آپ ذرا دیکھئے تو کہ یہ لوگ کیسی کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں۔ سو وہ تو گمراہ ہو گئے اس لئے وہ راستہ نہیں پا سکتے۔

مَّسْتُوْرًا : چھپانے والا، ستر سے اسم مفعول بمعنی اسم فاعل۔

اَكِنَّةً : حجاب، پردے، واحد کنان۔

وَقْرًا : بوجھ، بہرا پن، ڈاٹ، اسم مصدر۔

اَدْبَارِهِمْ : ان کے بعد، ان کی پیٹھیں، ان کی پشتیں، واحد دبر۔

نُفُوْرًا : نفرت کرنا، فرار ہونا، بھاگنا، مصدر ہے۔

نَجْوٰى : سرگوشی کرنا، مشورہ کرنا، باتیں کرنا، راز بھید، اسم بھی ہے مصدر بھی۔

تشریح: آسمانوں اور زمین کی چیزوں کی تسبیح تو یہ مشرکین کیا سمجھتے یہ تو قرآن مجید

بھی نہیں سمجھتے جو خاص انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اے نبی ﷺ ان مشرکین کے قرآن نہ سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو ان کی ازلی گمراہی کے پردے، قرآن کریم اور ان کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ قرآن کریم کے مضامین میں غور و فکر نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی دوسرا آدمی ان کو قرآن سمجھانا چاہے تو یہ اس کی بھی نہیں سنتے کیونکہ ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی گئی ہے تاکہ وہ سن نہ سکیں۔ جب آپ قرآن کریم میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے معبودوں کا ذکر نہیں کرتے تو وہ توحید کے ذکر سے نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں۔

ہم خوب جانتے ہیں کہ جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو یہ لوگ آپ کی طرف کان کیوں لگاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا مقصد قرآن کریم کی تلاوت سننا نہیں ہوتا بلکہ یہ آپ کا اور قرآن کریم کا مذاق اڑانے کے لئے آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم اس سے بھی خوب واقف ہیں جب یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم محض ایسے شخص کی اتباع کر رہے ہو جو سحر زدہ ہے۔ دیکھو ان لوگوں نے آپ کے لئے کیسے کیسے القاب تجویز کئے ہیں۔ کوئی شاعر کہتا ہے، کوئی جادوگر، کوئی سحر زدہ، کوئی کاہن۔ ایسی بے اصل باتیں کہنے کی بنا پر یہ لوگ حق سے بھٹک گئے۔ پس اب یہ حق و ہدایت کے راستے پر نہیں آسکتے کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ (مظہری ۴۴۴، ۴۴۵/۵)

حیاتِ اخروی پر تعجب

۴۹، ۵۲۔ وَ قَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝ يَوْمَ

يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا جب ہم (مر کر) ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو ہم نئے سرے سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ خواہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور مخلوق (ہو جاؤ) جس کو تم اپنے دلوں میں مشکل سمجھتے ہو (تب بھی زندہ کر کے اس کے سامنے پیش کئے جاؤ گے) اس پر وہ کہیں گے کہ کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔ پھر وہ آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر یہ کہیں گے کہ وہ کب ہو گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ وہ وقت قریب ہی آ پہنچا ہو۔ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم (خوف کے مارے) اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور تم یہ گمان کرو گے کہ (دنیا میں) تم بہت تھوڑی دیر رہے۔

عِظَامًا : ہڈیاں، واحد عَظْمٌ۔

رُفَاتًا : ٹوٹا ہوا، ریزہ ریزہ، بوسیدہ، رَفْتٌ سے فاعل بمعنی مفعول۔

حِجَارَةً : پتھر، کنکریاں، واحد حَجَرٌ۔

حَدِيْدًا : لوہا۔

فَطَرَكُمْ : اس نے تم کو بنایا۔ اس نے تم کو پیدا کیا۔ فَطْرٌ سے ماضی۔

فَسَيُنْغِضُوْنَ : پس جھکا دیں گے، پس وہ مٹائیں گے، پس وہ ہلائیں گے، اِنْغَاضٌ سے مضارع۔

رُءُوْسَهُمْ : ان کے سر، واحد رَأْسٌ۔

مَتٰى : کب۔ جب۔ اسم ظرف بھی ہے اور حرف بھی۔

تشریح: مشرکین و منکرین قیامت کے قائل نہ تھے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کو محال سمجھتے تھے۔ اسی لئے کہا کرتے تھے کہ جب ہم ہڈیاں مٹی بن کر بالکل ناپید ہو جائیں گے تب کون ہمیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے

فرمایا آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا یا اس سے بھی زیادہ سخت چیز بن جاؤ پھر بھی اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کر کے اٹھائے گا۔ پہلی بار بھی جب تم کچھ بھی نہ تھے، اسی نے تمہیں پیدا کیا تھا۔ لہذا تمہیں دوبارہ پیدا کرنا اس پر ذرا بھی مشکل نہیں۔ یہ سن کر وہ کافر تعجب یا استہزا کے طور پر اپنے سر مٹکا کر کہیں گے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے اور جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے تو پھر یہ دوبارہ پیدا ہونا کب ہوگا اور اس میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ اے محمد ﷺ آپ ان کو کہہ دیجئے کہ امید ہے کہ یہ دوسری زندگی بہت ہی قریب ہے۔ بس اس کو آئی ہوئی ہی سمجھو۔

قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ تمہیں پکارے گا تو تم اللہ کی آواز کے ساتھ ہی بے اختیار اس کی حمد کرتے ہوئے زمین سے نکل پڑو گے اور حساب و کتاب کے لئے میدان حشر میں جمع ہو جاؤ گے۔ اس وقت تم خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم مدت دنیا میں رہے۔ قتادہ نے کہا کہ وہ قیامت کے مقابلے میں دنیا کی مدت کو حقیر سمجھیں گے۔

(ابن کثیر ۴۴، ۴۵/۳، روح المعانی ۹۰، ۹۴/۱۵)

مسلمانوں کو نصیحت

۵۳، ۵۵۔ وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ○ رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ اَوْاِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ وَکِیْلاً ○ وَرَبُّکَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ○

اور (اے رسول ﷺ) آپ میرے بندوں کو کہہ دیجئے کہ وہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو کیونکہ شیطان لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ بلاشبہ

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر وہ
چاہے تو تم پر رحمت فرمادے یا اگر وہ چاہے تو تمہیں عذاب دے اور ہم
نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے اور آپ کا رب ان کو خوب
جانتا ہے۔ جو آسمانوں اور زمین میں (رہتے) ہیں اور البتہ ہم نے بعض
انبیا کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ہے۔

یَنۡزَغُ : وہ ورغلاتا ہے، وہ وسوسہ ڈالتا ہے، نَزۡغٌ سے مضارع۔

عَدُوًّا : دشمن، جمع اَعۡدَاءٌ۔

وَکِیۡلاً : وکیل، کارساز، وَکۡلٌ سے صفت مشبہ۔

فَضَّلۡنَا : ہم نے فضیلت دی، ہم نے بزرگی دی، تَفۡضِیۡلٌ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں آنحضرت ﷺ کے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ کافروں کو دعوت اسلام اور کلمۂ توحید کی تبلیغ نرمی اور حسنِ گفتار کے ساتھ کیا کریں کیونکہ سخت کلامی سے شیطان باہم فساد ڈلوادیتا ہے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔ وہ گھات میں لگا رہتا ہے اس لئے مسلمانوں کو کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جس سے شیطانِ لعین کو شر اور بگاڑ پیدا کرنے کا موقع مل جائے۔

اللہ تعالیٰ تمہارے احوال سے خوب واقف ہے اور ہدایت کے مستحق لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ جس کے ساتھ چاہتا ہے ایمان کی توفیق دے کر رحم کا معاملہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بداعمالیوں پر پکڑ لیتا ہے۔ اور عذاب دیتا ہے۔ اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار نہیں بنایا۔ آپ کا کام تو صرف بشارت دینا اور خبردار کردینا ہے جو لوگ آپ کی بات مانیں گے اور آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر چلیں گے ان کو اس کے بدلے جنت ملے گی اور جو لوگ آپ کا انکار کریں گے اور آپ کے طریقے سے روگردانی کریں گے ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

ہر کام کی مصلحت و حکمت اللہ خوب جانتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کوئی بات اس سے مخفی نہیں۔ وہ تمہارے احوال سے بھی واقف ہے۔ وہ مختار کل ہے جس کو چاہے فضیلت

دے۔ انبیا میں بھی درجے ہیں۔ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور عطا کی ہے۔ کسی کو خلیل بنایا، کسی کو کلیم بنایا، کسی کو گہوارے میں قوت گویائی دی، پھر آخر میں آنحضرت ﷺ کو تمام انبیا سے برگزیدہ بنایا اور آپ پر نبوت ختم کر دی اور آپ کی امت کو خیر الامم قرار دیا۔

زبور اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر سے یہود کو یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ وہی نبی ہے جس کی خبر حضرت داؤد علیہ السلام نے دی تھی کہ اس کو شوکت و سلطنت بھی دی جائے گی۔ (حقانی ۱۶۳/ ۳، ابن کثیر ۴۵، ۴۶/ ۳)

باطل معبودوں کی حقیقت

۵۶، ۵۸۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ط اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ط كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ○

آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم اللہ کے سوا جن کو (معبود) قرار دے رہے ہو ذرا ان کو بلاؤ تو سہی۔ وہ یہ قدرت نہیں رکھتے کہ تمہاری تکلیف دور کر سکیں اور یا اس کو بدل دیں۔ جن کو یہ لوگ (مشرکین) پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب تک وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بیشک آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہئے اور ایسی کوئی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں

یا اس کو کسی شدید عذاب میں مبتلا نہ کریں۔ یہ (بات) کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

تَحْوِيْلًا: تبدیلی، تغیر، مصدر ہے۔
مَحْذُوْرًا: بند کی ہوئی، روکی ہوئی، حَظْرٌ سے اسم مفعول۔
مَسْطُوْرًا: لکھا ہوا، سَطْرٌ سے اسم مفعول۔

شانِ نزول: بخاری، عبدالرازق، ابن ابی شیبہ، نسائی اور طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ آدمی کچھ جنوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ جب وہ جن مسلمان ہو گئے تب بھی یہ مشرک لوگ انہی جنات سے چمٹے رہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۵/۹۷، مظہری ۵/۴۵۰،۴۴۹)

تشریح: مشرکین دلائل توحید سن کر اپنے معبودوں کے فضائل بیان کیا کرتے تھے کہ وہ یوں کر سکتے ہیں اور یہ دے سکتے ہیں ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ جن معبودوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ کسی مصیبت میں بھی تمہارے کام نہیں آسکتے اور نہ وہ تمہارا دکھ درد دور کرنے یا اس کو تمہارے اوپر سے ٹال کر دوسروں کو اس میں مبتلا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ وہ تمہارا افلاس اور قحط سالی دور کر سکتے ہیں۔ وہ تو محض بے بس اور بے اختیار ہیں۔ قدرت و اختیار تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو تمام مخلوق کا خالق اور سب کا حکمران ہے۔

مشرکین بعض فرشتوں، انبیا علیہم السلام اور صالحین کی مورتیں بنا کر ان کو پوجتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ مشرک جن کو پکارتے ہیں وہ تو خود ایمان واطاعت کے ذریعہ اللہ کے قرب کا وسیلہ تلاش کرتے رہے ہیں۔ ان میں جو سب سے زیادہ قربت رکھنے والے ہیں وہ بھی وسیلے کے طلب گار ہیں اور جو قربت نہیں رکھتے ان کا تو ذکر ہی کیا۔ جب یہ معبود خود ہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں تو مشرک کس بنیاد پر ان کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ کا عذاب تو ہے ہی ڈرنے کے قابل۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا جن کو تم معبود خیال کرتے ہو جیسے فرشتے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر وغیرہ ان میں سے بھی کوئی تمہارا دکھ درد دور نہیں کر سکتا۔ یہ تو خود اطاعت و فرماں برداری کے ذریعہ اللہ کا مقرب ترین بندہ بننے کے لئے وسیلے کے طلبگار اور اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ تم کس طرح ان کو عبادت کے لائق سمجھتے ہو۔

پھر فرمایا کہ کافروں کی ایسی کوئی بستی نہیں جس کو ہم ان کے گناہوں کے سبب قیامت سے پہلے ہی ہلاک و برباد نہ کر دیں یا قیامت کے روز ان کو عذاب نہ دیں۔ اس میں ہماری طرف سے ذرا بھی ظلم و زیاتی نہ ہو گی بلکہ یہ سب ان کے اپنے اعمال بد کا وبال اور اللہ کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے سرکشی کا انجام ہو گا۔ یہ سب باتیں لوح محفوظ میں درج ہیں۔
(حقانی ۱۶۳، بیضاوی ۳۸ ۲)

مشرکین کی فرمائشیں

۵۹۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ○

اور ہم نے معجزے بھیجنا اس لئے موقوف کر دیا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں اور ہم نے (قوم) ثمود کو (ان کی فرمائش پر) اونٹنی دی تھی۔ (یعنی اونٹنی کا معجزہ دیا تھا) جو بصیرت کا ذریعہ تھی۔ سو انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا اور ہم (اپنی) نشانیاں (معجزے) ڈرانے ہی کے لئے تو بھیجتے ہیں۔

النَّاقَةَ: اونٹنی جمع نُوْقٌ۔

مُبْصِرَةً: دکھانے والی، واضح کرنے والی، اِبْصَارٌ سے اسم فاعل بمعنی مفعول۔

تَخْوِیْفًا: خوف دلانا، ڈرانا، مصدر ہے۔

شانِ نزول: احمد، نسائی، حاکم اور طبرانی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ اہل مکہ نے رسول ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے لئے کوہ صفا کو سونے کا بنا دیجئے اور ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیجئے تاکہ ہم یہاں کھیتی باڑی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ رسول ﷺ کو بتایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں ان کی درخواست پوری کرنے میں ڈھیل کردوں اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کا سوال پورا کردوں۔ پھر اگر سوال پورا ہونے کے بعد ان لوگوں نے کفر کیا تو ان کو بھی اسی طرح ہلاک کردیا جائے گا جس طرح ان سے پہلی امتوں کو ہلاک کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا۔ نہیں۔ تو ان کو ڈھیل دے دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ (مسند احمد ۲۲۶/۱، روح المعانی ۱۰۳/۱۵)

تشریح: مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ سے پہلے جو انبیا گزرے ہیں ان میں سے بعض کے تابع ہوا تھی اور بعض مُردوں کو زندہ کرتے تھے، بعض پر من و سلویٰ اترتا تھا وغیرہ۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیجئے۔ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو بتایا کہ پہلی امتوں میں بھی لوگوں نے انبیا سے سوال کر کے اپنی پسند کے معجزے طلب کئے تھے اور کہا تھا کہ اگر ہماری خواہش کے مطابق معجزہ آئے گا تو ہم ایمان لے آئیں گے مگر وہ اپنی خواہش کے مطابق معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ اس لئے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ منکرین بھی انہی لوگوں کی طرح ہیں اگر آپ چاہیں تو میں ان کی خواہش پر صفا پہاڑ کو سونے کا بنادوں گا۔ اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان کو فوراً ہلاک کر دیا جائے گا اور ہم ان کو تباہ کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم ان کو مہلت دینا چاہتے ہیں۔

قومِ ثمود کو دیکھو کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ معجزے کے طور پر اس خاص پتھر میں سے اونٹنی نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح کی دعا پر ان کا مطالبہ پورا کر دیا۔ لیکن وہ ایمان نہ لائے بلکہ وہ رسول

کو جھٹلاتے رہے اور انہوں نے اونٹنی کی بھی کونچیں کاٹ ڈالی اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو تین دن کی مہلت دی اور پھر ہلاک کر دیا۔ پھر فرمایا کہ ہم ایسے معجزات صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں۔ (حقانی ۳/۱۶۴)

آپ کو تسلی

۶۰۔ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝

اور (اے رسول! وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے رب نے ان لوگوں کا احاطہ کر رکھا ہے اور وہ خواب جو ہم نے آپ کو دکھایا تھا اور وہ ملعون درخت جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ ان سب کو ہم نے ان لوگوں کے لئے آزمائش بنایا اور ہم ان کو خوف دلاتے رہتے ہیں۔ سو اس سے ان کی سرکشی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

تشریح: ممکن ہے آپ کو یہ خیال ہوا ہو کہ مشرکین کو ان کی خواہش کے مطابق معجزہ نہ دکھانے پر شاید وہ تمسخر اور طعن کرنے لگیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے گھیر رکھا ہے۔ نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہے اور نہ قدرت سے۔ سب اس کے قبضے میں ہیں۔ لہذا آپ ﷺ کو ان کے طعن و تشنیع کی طرف التفات کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ وہ آپ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی خواہش کے مطابق معجزہ دیکھ کر بھی آپ پر ایمان لانے والے نہیں تھے اور پھر ہماری سزا سے بچ نکلنا بھی ان کے لئے ممکن نہ ہوتا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ فی الحال ان میں سے کون کون تباہ کئے جانے کے لائق ہیں۔ لہذا آپ ان کی طرف سے فکرمند نہ ہوں ہم ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ شب معراج میں ہم نے آپ کو اپنی قدرت کی نشانیوں کا نظارہ اور مشاہدہ کرایا اور عجائب ملکوت ہم نے آپ کو بیداری کی حالت اور اسی چشم سر کے ساتھ دکھائے وہ آپ کے لئے تو کرامت عظیمہ ہے اور لوگوں کے لئے آزمائش کہ دیکھیں کون مانتا ہے اور کون اس کا انکار کرتا ہے۔ واقعہ معراج کا کافروں نے تو انکار کیا ہی تھا، بہت سے کمزور ایمان والے بھی اس وقت ایمان سے پھر گئے۔

شجرۂ ملعونہ سے مراد زقوم کا پیڑ ہے چونکہ قرآن کریم میں آچکا تھا کہ یہ جہنمیوں کی غذا ہوگی اس لئے قریش مکہ بہت تمسخر کیا کرتے تھے۔ ان کے خیال میں آگ کے اندر کسی پیڑ کا ہونا بالکل محال تھا۔ اس لئے یہ بھی ان کے لئے فتنہ کا باعث ہوگیا۔ پھر فرمایا کہ ہم ان کو ڈراتے ہیں اور ہمارا یہ ڈرانا بھی ان کی سرکشی میں اضافہ کرتا ہے۔ (عثمانی ۱/۸۰۸، حقانی ۳/۱۶۵)

مشرکین مکہ اور آدم و ابلیس کا واقعہ

۶۱، ۶۲۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے کہا کہ کیا میں اس شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے بنایا۔ وہ (شیطان) کہنے لگا کہ ذرا دیکھ تو اس شخص کو جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی اگر تو نے مجھ کو قیامت تک ڈھیل دے دی تو میں بھی بجز تھوڑے سے لوگوں کے اس کی نسل کو اپنے قابو میں کرلوں گا۔

طِیْنًا : گارا، مٹی، خاک۔

اَحْتَنِكَنَّ : میں ضرور بہکاؤں گا، میں ضرور قابو میں کروں گا، اِحْتِنَاكٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں انسان کو ابلیس کی قدیمی عداوت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ جس طرح وہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا کھلا دشمن تھا۔ اسی طرح تمہارا بھی دشمن ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا تو ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا۔ ابلیس نے حضرت آدم کو اپنے سے کمتر سمجھ کر سجدے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے۔ حالانکہ میں اس سے کہیں افضل ہوں کیونکہ میں آگ سے بنا ہوں۔ پھر نہایت ڈھٹائی سے کہنے لگا کہ اچھا اگر تو نے اس کو مجھ پر فضیلت دے دی ہے تو میں بھی ان میں سے چند لوگوں کے سوا، اس کی اولاد کو برباد کر کے چھوڑوں گا۔ میں ان سب کو اپنے تابع کر کے ان پر اپنا تسلط قائم رکھوں گا۔

شیطان اور اس کے متبعین کا انجام

۶۳، ۶۵۔ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ○ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ط وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ○ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ط وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ○

اللہ نے فرمایا۔ جا (تجھے مہلت ہے) ان میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو بیشک تم سب کی سزا جہنم ہے۔ (اور وہ) پوری سزا ہے۔ اور تو اپنی آواز سے، ان میں سے جس کو ڈگمگانا چاہے ڈگمگا دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے بھی چڑھا دینا اور ان کے مال اور اولاد میں بھی ان کا شریک ہو جانا اور ان سے وعدے بھی کرنا اور شیطان تو بس ان سے جھوٹے وعدے ہی کرتا ہے۔ بیشک میرے بندوں پر تیرا ذرا بھی قابو نہیں چلے گا۔ (اے پیغمبر ﷺ) آپ کا رب کافی کارساز ہے۔

مَّوْفُوْرًا : پورا کیا ہوا، مکمل کیا ہوا، وَفْرٌ سے اسم مفعول۔

وَاسْتَفْزِزْ : تو بہکا دے، تو لغزش دے، تو پریشان کر دے، اِسْتِفْزَازٌ سے امر۔

وَاَجْلِبْ: تو کھینچ کر لے آ، تو جمع کر لے، اِجْلَابٌ سے امر۔

بِخَيْلِكَ : اپنے گھوڑوں کے ساتھ، جمع خُيُوْلٌ واَخْيَالٌ۔

شَارِكْهُمْ : تو ان کے ساتھ شریک ہو جا۔ تو ان کے ساتھ شامل ہو جا۔ مُشَارِكَةٌ سے امر۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی مہلت مانگنے کی درخواست منظور فرمائی اور فرمایا کہ تجھے ایک وقتِ معلوم تک مہلت ہے اب جو تیرا دل چاہے کر، ان میں سے جو لوگ تیری اتباع کریں گے تو ان کی اور تیری برائیوں کا بدلہ جہنم ہے جو تمہارے اعمال کی پوری سزا ہے۔ ان میں سے جس جس کو تو اپنی آواز یعنی گانے بجانے اور تماشوں سے بہکا سکے تو بہکا لے اور جس قدر تو ان پر اپنا تسلط جما سکتا ہے تو جما لے اور ان کے مالوں اور اولاد میں ان کا شریک ہو جا اور جیسے تیرا دل چاہے ان سے جھوٹے وعدے کر کہ جنت اور جہنم کچھ نہیں۔ شیطان جب کسی کو گناہ کی طرف بلاتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ جنت و دوزخ حشر و نشر سب غلط ہے۔ جو کچھ ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اس لئے اس سے خوب فائدہ اٹھاؤ۔ اس طرح بہت سے لوگ شیطان کے بہکائے میں آجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف بلانے والی ہر صدا شیطانی آواز ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ کی نافرمانی میں سواری پر ہو یا پیدل وہ شیطانی لشکر میں ہے اور جو مال اور اولاد معصیت کا باعث ہوں اس میں شیطان ان کا شریک ہے۔ مثلاً مال کو فضول خرچ کرنا، اچھی باتوں میں صرف کرنے سے روکنا، غلط طریقے سے مال حاصل کرنا، جیسے چوری سے، زنا سے، غصب سے، سود سے، فریب سے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح ناجائز طریقے سے اولاد حاصل کرنا بھی شیطانی شرکت ہے۔ یعنی زنا سے، یا اولاد کے برے نام رکھنا۔ اس کے ناک کان چھیدنا۔ اس کے سر پر غیر اللہ کے نام کی چوٹی رکھنا وغیرہ سب شیطانی شرکت ہے۔

اس کے بعد شیطان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا قابو نہیں

چلے گا۔ اے محمد ﷺ! ان کی کارسازی کے لئے آپ کا رب کافی ہے۔ وہ اپنے خاص بندوں کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ (حقانی ۱۶۶،۱۶۷/ ۳،ابن کثیر ۴۹،۵۰/ ۳)

انسان کی ناشکری

۶۶،۶۹۔ رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ۝ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ۝

تمہارا رب تو وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو۔ بیشک وہ تم پر بڑا مہربان ہے اور جب سمندر میں تم پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو اللہ کے سوا جن (معبودوں) کو تم پکارتے ہو وہ سب غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم (اس سے) منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ وہ تمہیں خشکی کی طرف لاکر زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے پھر (اس وقت) تم کسی کو بھی اپنا مددگار نہ پاؤ۔ کیا تمہیں اس کا بھی خوف نہیں رہا کہ وہ پھر دوسری بار تمہیں سمندر میں

لے جائے اور تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے۔ پھر تمہیں تمہاری
ناشکری کے بدلے میں غرق کر دے۔ پھر تمہیں اس بات پر ہم سے باز
پرس کرنے والا کوئی نہ ملے۔

یُزْجِیْ: وہ ہنکاتا ہے۔ وہ چلاتا ہے، وہ اٹھاتا ہے، اِزْجَاءٌ سے مضارع۔

یَّخْسِفَ: وہ دھنسا دے گا، خَسْفٌ سے مضارع۔

حَاصِبًا: پتھروں کی بارش کرنے والی تیز ہوا، سخت آندھی، حَصْبٌ سے اسم فاعل۔

تَارَةً: ایک بار، ایک مرتبہ، جمع تِیَرٌ۔

قَاصِفًا: سخت طوفان، سخت آندھی، قَصْفٌ سے اسم فاعل۔

تَبِیْعًا: پیروی کرنے والا، مددگار، انتقام لینے والا، تَبَعٌ سے صفت شبہ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے تمہاری آسانی و سہولت اور تجارت و سفر کے لئے دریاؤں میں کشتیاں چلا دیں تاکہ تم دور دراز ملکوں میں جا کر اس کا فضل و کرم اور لطف و رحم تلاش کرو۔ پھر جب دریا میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے جیسے طوفان باد و باراں کی وجہ سے کشتی ڈوب جانے کا خوف، تو اس وقت تم خلوص دل سے اللہ کی طرف جھکتے ہو اور اس سے دعائیں کرنے لگتے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تمہیں صحیح و سالم خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم پھر خدائے برحق سے منہ موڑ لیتے ہو اور باطل معبودوں کو پوجنے لگ جاتے ہو۔ حقیقت میں انسان تو ہے ہی ناشکرا۔

پھر فرمایا کہ اگر تم سمندر میں غرق ہونے سے بچ گئے تو تمہیں مطمئن اور بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔ جس طرح ہم سمندر میں غرق کر دینے پر قادر ہیں اسی طرح خشک زمین کے اندر دھنسا دینے پر بھی قادر ہیں۔ ہمارے لئے بحر و بر سب یکساں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہم تو پتھر برسا کر بھی تمہیں ہلاک کر سکتے ہیں۔ اس وقت تمہیں نہ کوئی مددگار ملے گا اور نہ نگہبان جو تمہیں زمین میں دھنسنے سے یا پتھروں سے بچا سکے۔

اے منکرو! سمندر میں تو تم میری توحید کے قائل ہو جاتے ہو اور باہر آ کر پھر انکار کرنے لگتے ہو۔ کیا تم اس سے بالکل مطمئن اور بے خوف ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں

پھر اسی سمندر کا خیال پیدا کر دے اور تم دوبارہ بحری سفر کے لئے نکل پڑو اور تیز ہواؤں کے تھپیڑے تمہاری کشتی کو ڈگمگادیں اور آخر کار تمہارے کفر اور ناشکری کی وجہ سے تمہیں غرق کر دے۔ پھر تمہیں کوئی نہیں ملے گا جو ہم سے تمہارا بدلہ لے لے یا ہم سے باز پرس کر سکے۔

تکریمِ آدم

۷۰۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور اس کو خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تمام مخلوق پر بزرگی دی۔ اس کو ایسی خصوصیات سے نوازا جو دوسری مخلوق میں نہیں پائی جاتیں اور اس کو اچھی شکل و صورت پر جملہ کمالات کے ساتھ پیدا کیا جیسا کہ ارشاد ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ (التین آیت ۴)

ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

اس کو حسنِ صورت، عقل و حواس اور فہم و فراست عطا فرمائی۔ نطق و گویائی اور لکھنا پڑھنا سکھایا۔ یہ واحد مخلوق ہے جو مستقیم القامت ہے۔ پاؤں پر چلتی اور اپنے ہاتھوں سے کھانا کھاتی ہے۔ جبکہ دوسرے حیوانات منہ کے ذریعہ زمین سے غذا اٹھا کر کھاتے ہیں اور چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ کھانے کی چیزوں کو مختلف اشیا سے مرکب کر کے لذیذ و مفید بنانا بھی انسان ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ تمام جانور مفرد چیزیں کھاتے ہیں مثلاً کچا گوشت، پھل اور گھاس وغیرہ۔ افہام و تفہیم کا جو ملکہ اس کو عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے حیوان میں نہیں۔ گفتگو، اشارات اور تحریر و تقریر کے ذریعہ اپنے دل کی بات دوسروں تک پہنچا دینا بھی انسان ہی کی خصوصیت ہے۔ اس

کو سب سے بڑا شرف جو عطا ہوا ہے وہ عقل و فہم اور حواس کا ہے جن سے جہاز، کشتیاں وغیرہ بنا کر فضاؤں اور سمندر میں سفر کرتا ہے۔

زمین کی تمام موجودات پر اس کو تسلط عطا کیا کہ یہ دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر ان سے اپنے کام لیتا ہے۔ مثلاً خشکی پر سفر کرنے کے لئے بعض جانوروں کو سواری کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ بعض سے بار برداری کا کام لیتا ہے۔ بعض کھیتی باڑی میں کام آتے ہیں۔ انہی انسانوں کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مسجود ملائک اور آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام مخلوقات کا سردار بنایا۔ (عثمانی ۸۰۹، ۱/۸۱۰)

آخرت میں فرق مراتب

۷۱، ۷۲۔ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ○ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ○

(اور وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے) جس دن ہم ہر ایک شخص کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ پھر جس کو اس کی کتاب (اعمال نامہ) دائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ لوگ اپنی کتاب کو پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور وہ بہت ہی بڑا گمراہ ثابت ہوگا۔

اُوْتِيَ : اس کو دیا گیا، اسے ملا، اِیْتَاءٌ سے ماضی۔

بِيَمِيْنِهٖ : اس کی دائیں طرف۔

فَتِيْلًا : کھجور کی گٹھلی کا ریشہ یا جھلی، ذرا بھی، تاگہ۔

تشریح: وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہر امت اپنے نبی اور کتاب کے ساتھ بلائی جائے گی اور جو لوگ نبی کو نہیں مانتے وہ اپنے سرداروں کے ساتھ بلائے جائیں گے جن کو

وہ اپنا پیشوا اور مقتدا مانتے ہیں۔ اس کے بعد تمام آدمیوں کو ان کے اعمال نامے دے دیئے جائیں گے سو جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنے اعمال نامے کو خوشی سے بار بار پڑھے گا اور دوسروں کو دکھاتا اور پڑھواتا پھرے گا۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کے ایمان اور اعمال صالحہ کے اجر میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ جس شخص نے دنیا میں اللہ کی آیتوں، اس کی کتاب اور اس کے طریقے سے چشم پوشی کی وہ آخرت میں دنیا سے بھی زیادہ گم کردۂ راہ ہوگا۔ (روح المعانی ۱۲۰، ۱۲۱/۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۴۵/۴)

• مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ایک شخص کو بلوا کر اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا جسم بڑھ جائے گا، چہرہ چمکنے لگے گا، سر پر چمکتے ہوئے ہیروں کا تاج رکھ دیا جائے گا۔ وہ اپنے گروہ کی طرف بڑھے گا۔ اسے اس حال میں آتا دیکھ کر وہ سب آرزو کرنے لگیں گے کہ اے اللہ ہمیں بھی یہ عطا فرما اور ہمیں اس میں برکت دے وہ آتے ہی کہے گا کہ خوش ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک کو یہی ملنا ہے لیکن کافر کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اس کا جسم بڑھ جائے گا۔ اسے دیکھ کر اس کے ساتھی کہیں گے کہ اس سے خدا کی پناہ یا اس کی برائی سے پناہ۔ اے اللہ! اس کو ہمارے پاس نہ لا۔ وہ وہیں آجائے گا۔ وہ کہیں گے کہ اے اللہ! اسے رسوا کر۔ وہ جواب دے گا کہ خدا تمہیں غارت کرے، تم میں سے ہر شخص کے لئے یہی خدائی مار ہے۔ (ابن کثیر ۵۲/۳)

مشرکین مکہ کی حماقت

۷۳۔۷۵۔ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّا تَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ○ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَ ذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ○

اور (اے رسول ﷺ) یہ لوگ (کافر) تو چاہتے تھے کہ جو وحی ہم نے

آپ کی طرف بھیجی ہے اس سے آپ کو پھسلا دیں تاکہ آپ اس (وحی) کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کر دیں اور اس وقت وہ آپ کو دلی دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ کیا ہوتا تو آپ شاید کسی قدر ان کی طرف جھک ہی جاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو زندگی میں بھی دوہرے عذاب کا اور موت کے بعد بھی دہرے عذاب کا مزہ چکھاتے۔ پھر ہمارے مقابلے میں آپ کو کوئی مددگار بھی نہ ملتا۔

كَادُوْا : وہ قریب ہوئے۔ کَوْدٌ سے ماضی۔

كِدْتَّ : تو نزدیک تھا۔ تو قریب تھا۔ کَوْدٌ سے ماضی۔

تَرْكَنُ : تو جھک جائے۔ تو مائل ہو جائے۔ رُكُوْنٌ سے مضارع۔

ضِعْفَ : دوگنا۔ دوچند۔ جمع اَضْعَافٌ

شانِ نزول: ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے ابن اسحاق کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ امیہ بن خلف اور ابو جہل بن ہشام اور کچھ دوسرے قریشی جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کو (تعظیماً ذرا) ہاتھ لگا دیجئے۔ ہم سب آپ کے مذہب میں داخل ہو جائیں گے۔ آپ کو اپنی قوم کا مسلمان ہو جانا دل سے مطلوب تھا۔ اس لئے آپ کے دل میں کچھ نرمی پیدا ہونے لگی تھی اس پر یہ آیتیں نَصِيْراً تک نازل ہوئیں۔ (روح المعانی ۱۲۸/۱۵، مظہری ۴۶۱/۵)

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبر کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کو چومتے تھے۔ مشرکوں نے کہا کہ ہم آپ کو سنگ اسود کو چومنے نہیں دیں گے جب تک کہ آپ ہمارے معبودوں کی طرف نہ جھکیں۔ آپ نے خیال کیا کہ اگر میں ایسا کر لوں تو کیا حرج ہے جبکہ اللہ جانتا ہے کہ میں دل سے اس کے خلاف ہوں۔ (مظہری ۴۶۱/۵)

ابن ابی حاتم ہی نے جبیر بن نفیر کی روایت سے بیان کیا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے تو یہ

نچلے کمین لوگ اور غلام جو آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں ان کو اپنے پاس سے نکال دیجئے۔ اس وقت ہم آپ کے ساتھی ہو جائیں گے۔ اس پر آیتیں نازل ہوئیں۔

(روح المعانی ۱۲۸ / ۱۵، مظہری ۶۱ / ۵)

تشریح: یہ مشرکین اس کوشش میں ہیں کہ آپ کو فریب دے کر فتنے کی طرف مائل کر دیں تاکہ آپ اس وحی کے سوا کوئی دوسری بات ہم پر افترا کر دیں۔ جب آپ ان کے فریب اور دھوکے میں آجاتے تو وہ آپ کو اپنا دلی دوست بنا لیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و مہربانی سے آپ کو ان کی طرف التفات کرنے سے محفوظ رکھا۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتا تو قریب تھا کہ آپ ان کی ہدایت کی حرص میں ان کی طرف قدرے مائل ہو جاتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا۔ اگر بالفرض آپ ان کی طرف تھوڑا سا بھی جھک جاتے تو ہم آپ کو اس دنیا میں بھی دوہرا عذاب دیتے اور آخرت میں بھی دوہرا عذاب دیتے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۴۶، ۳۴۷ / ۴)

کفار کی عداوت

۷۶، ۷۷۔ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ○

اور وہ تو سرزمین (مکہ) سے آپ کے قدم اکھاڑ ہی دینے کو تھے تاکہ آپ کو وہاں سے نکال دیں اور اگر ایسا ہو جاتا تو آپ کے بعد وہ بھی (وہاں) بہت ہی کم ٹھہر پاتے۔ آپ سے پہلے ہم نے جس قدر نبی بھیجے ان کے بارے میں ہمارا یہی دستور چلا آرہا ہے اور آپ ہمارے دستور میں ذرا بھی فرق نہ پائیں گے۔

يَسْتَفِزُّوْنَكَ : البتہ وہ تیرے قدم اکھاڑ دیں گے۔ البتہ وہ تیرے قدم ڈگمگا دیں گے۔

اِسْتِفْزَازٌ سے مضارع۔

یَلْبَثُوْنَ : وہ ٹھہرتے ہیں۔ وہ رہتے ہیں۔ لَبْثٌ سے مضارع۔

خِلٰفَكَ : تیرے خلاف۔ تیرے پیچھے۔

تَحْوِيْلًا : تبدیلی۔ تغیر۔ مصدر ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں کفار کی عداوت اور ان کی طرف سے پیش آنے والی جسمانی تکلیف و مضرت سے حفاظت کا ذکر ہے کہ مشرکین مکہ آپ کو وہاں سے نکالنا چاہتے تھے مگر وہ ایسا نہ کر سکے بلکہ آپ نے خود ہی اللہ کے حکم سے مکہ سے مدینہ ہجرت کی چنانچہ ارشاد فرمایا کہ قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو ستا ستا کر سر زمین مکہ سے دل برداشتہ کر دیتے اور آپ کو اس زمین سے نکال دیتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو آپ کے بعد وہ خود بھی وہاں چند روز سے زیادہ نہ ٹھہر پاتے۔ پھر جب مشرکین مکہ کے ظلم حد سے بڑھے تو آپ اللہ کے حکم سے مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ آپ کا مکہ سے تشریف لے جانا تھا کہ ڈیڑھ سال کے قلیل عرصے میں مکہ کے بڑے بڑے نامور سردار اپنے گھروں سے نکل کر میدان بدر میں نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے اور اس کے چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہو گیا اور کفار کی حکومت و شوکت تباہ ہو گئی۔ پھر تھوڑے ہی عرصے میں پورے جزیرۃ العرب میں پیغمبر اسلام ﷺ کا ایک بھی مخالف باقی نہ رہا۔

پھر فرمایا کہ جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کے ساتھ بھی ہمارا یہی طریقہ رہا کہ جب کسی امت نے اپنے رسول کو نکالا تو اس کے بعد وہ امت بھی وہاں نہ رہی بلکہ ہلاک کر دی گئی۔ اے محمد ﷺ آپ ہمارے اس طریقے میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۳۴۷، عثمانی ۱/۸۱۲)

نماز قائم کرنے کی تاکید

۷۸، ۷۹۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ

الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ
بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

آفتاب کے ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے تک نماز ادا کریں اور فجر کی نماز بھی۔ بے شک فجر کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے اور رات کے ایک حصے میں تہجد پڑھا کرو جو آپ کے لئے فائدہ مند ہے۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔

لِدُلُوْكِ : وقت ڈھلنے سے۔ زوال کے وقت، مصدر ہے۔

غَسَقِ : سخت تاریکی۔ مصدر ہے۔

مَشْهُوْدًا : شہادت دیا ہوا۔ حاضر کیا ہوا۔ شُهُوْدٌ و شَهَادَةٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اے محمد ﷺ! آفتاب کے زوال کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی چھا جانے تک نماز کو اس کے پورے ارکان و شرائط کے ساتھ ادا کیجئے۔ اس میں چار نمازیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء آگئیں۔ اکثر صحابہ و تابعین کے نزدیک دلوکِ شمس سے مراد آفتاب کا زوال ہے۔ ابو مسعود عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زوال کے وقت جب سورج ڈھل گیا تو جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ بعض صحابہ و تابعین کہتے ہیں کہ "دلوکِ شمس" سے غروب آفتاب یعنی مغرب کی نماز مراد ہے اور جب رات کی سیاہی افق پر پھیل جائے تو اس وقت عشاء کی نماز پڑھو۔ پھر فرمایا کہ فجر کی نماز میں اور نمازوں کے مقابلے میں زیادہ قرآن پڑھا کرو۔ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فجر اور عصر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ اگر تم اس کا ثبوت قرآن سے چاہتے ہو تو پڑھو۔ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا چونکہ صبح کی نماز کے وقت نیند سے اٹھنے کا وقت ہے۔ اس لئے فجر کی نماز کا حکم الگ سے بیان

فرمایا۔ پھر اسی کے متصل نماز تہجد کو بیان فرمایا کہ اے نبی ﷺ رات کے کچھ حصے میں خواب سے بیدار ہو کر نماز میں قرآن پڑھا کرو آپ کے لئے تہجد کی نماز کا حکم پانچ وقت کی فرض نماز کے علاوہ ہے۔ آپ یہ نماز ضرور پڑھا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو سب سے زیادہ بلند مقام عطا کرنا چاہتا ہے۔ (روح المعانی ۱۳۱، ۱۴۰/ ۱۵)

غلبۂ حق کی پیشگوئی

۸۰، ۸۲۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ○ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ○

اور آپ دعا کیجئے کہ اے رب مجھے خوبی کے ساتھ (مدینے میں) داخل کر اور خیر و خوبی کے ساتھ ہی (مکہ سے) نکال اور اپنی طرف سے مجھے ایسا غلبہ عطا فرما جس کے ساتھ (تری) نصرت ہو اور (اے رسول) آپ (ان مشرکوں سے) کہہ دیجئے کہ حق (اسلام) آگیا اور باطل (کفر) مٹ گیا۔ بیشک باطل تو مٹنے ہی والا تھا اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہیں اور ظالموں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔

لَّدُنْكَ : تیری طرف سے۔ اپنے پاس سے۔ ظرف مکان ہے۔

زَهَقَ : وہ مٹ گیا۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ زَهُوْقٌ سے ماضی۔

تشریح: اے نبی ﷺ آپ مشرکین مکہ کی عداوت سے پریشان نہ ہوں بلکہ آپ تو یہ

دعا مانگیں کہ اے میرے پروردگار! آپ مجھے مکہ سے نکال کر جہاں (مدینے میں) پہنچانا چاہتے ہیں وہاں نہایت عزت و وقار اور خیر و خوبی سے پہنچا دیجئے اور میری پوری مدد و اعانت کیجئے تاکہ حق کا بول بالا ہو اور مکہ سے نکلنا بھی عزت و وقار کے ساتھ ہو تاکہ دشمن ذلیل و خوار ہو، حق کی فتح اور باطل کا سر نیچا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی اور آپ کو نہایت خیر و خوبی اور عزت و آبرو کے ساتھ مکہ سے نکال کر مدینے پہنچا دیا اور دشمن آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور مدینے کے لوگوں کو آپ کا مددگار بنا کر وہاں اسلامی حکومت و سلطنت قائم کرادی۔ پھر تھوڑے ہی عرصے میں مکہ بھی فتح کرادیا۔

پھر جب مکہ فتح ہو جائے اور آپ اللہ کی فتح و نصرت کو دیکھ لیں تو دوست و دشمن سب سے علی الاعلان کہہ دیجئے کہ حق یعنی خالص اللہ کی عبادت کا وقت آگیا اور کفر و شرک سرزمین عرب سے نکل بھاگا۔ بلاشبہ باطل تو تھا ہی مٹنے کے لئے یہ عظیم الشان پیشگوئی مکہ ہی میں کی گئی جہاں بظاہر غلبۂ حق کے کوئی امکانات نہ تھے۔

پھر فرمایا کہ ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفاء اور رحمت ہیں یعنی جو لوگ اس قرآن کو مانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں ان کو اس سے دنیا و آخرت دونوں کے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور جو لوگ اس قرآن کا انکار کرتے ہیں اور اس کو جھٹلاتے ہیں تو ان کے کفر و تکذیب کے سبب یہ ان ظالموں کے خسارے کو بڑھاتا ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۷۱، ۱۷۵/۱۵، مظہری ۴۸۱، ۴۸۳/۵)

انسانی فطرت

۸۳، ۸۴۔ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَا بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ۝ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝

اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور اپنا
پہلو بچاتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔
آپ کہہ دیجئے کہ ہر ایک اپنے اپنے طریقے پر عمل کر رہا ہے۔ سو آپ
کے رب ہی کو معلوم ہے کہ کون راہِ راست پر ہے۔

نَـا : اس نے اس سے منہ موڑ لیا۔ وہ دور ہو گیا۔ نَاْیٌ سے ماضی۔

یَئُوْسًا : مایوس۔ ناامید۔ یَاْسٌ سے صفت مشبہ۔

شَاکِلَتِہٖ : اس کی روش۔ اس کا طریقہ۔ اس کی عادت۔ شَکْلٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: قرآن کریم سے ان ظالموں کو زیادہ خسارہ ہونے کا سبب یہ نہیں کہ قرآن میں کوئی نقص ہے بلکہ اس کا سبب انسان کی فطرت ہے کہ جب ہم اس کو اپنے انعامات سے نوازتے ہیں اس کو صحت و تندرستی، مال و دولت اور رزق و اولاد وغیرہ عطا کرتے ہیں تاکہ وہ ان انعامات پر ہمارا شکر ادا کرے اور ان کو ہمارے قرب کا ذریعہ بنائے تو وہ ہمارے قریب ہونے کی بجائے ہماری اطاعت و بندگی سے منہ موڑ لیتا ہے اور کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔ جب اس کو کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے جیسے ناداری و تنگدستی یا کوئی بیماری وغیرہ تو وہ اس پر صبر کرنے کی بجائے اللہ کی رحمت سے بالکل ناامید ہو جاتا ہے۔

اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجئے کہ ہر ایک اپنی طبیعت اور فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ شکر کرنے والا اور کفر کرنے والا جو بھی عمل کرتا ہے وہ اس کی روح کے ہم شکل ہوتا ہے۔ ہم نے اپنی حکمت سے بعض کی فطرت میں نیکی ودیعت کر دی اور بعض کی فطرت میں برائی رکھ دی اس لئے ہر شخص اپنی فطرت اور جبلت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ سو آدمی کے اعمال اس کے بارے میں بتا دیتے ہیں کہ وہ نیک ہے یا بد اور اللہ تعالیٰ تو پہلے ہی سے خوب جانتا ہے کہ ان دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ صحیح راستے پر ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۷۵،۱۷۸/۱۵، مظہری ۴۸۳، ۴۸۴/۵)

روح کے بارے میں سوال

۸۵۔ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ط قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّي وَمَآ اُوْتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيلًا O

اور وہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں (سو) آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور (اس کے بارے میں) تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

شانِ نزول: بخاری نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مدینے کے کھیتوں میں جا رہے تھے میں بھی ساتھ تھا۔ آپ کے پاس کھجور کی ایک شاخ تھی۔ آپ اس پر ٹیک لگائے چل رہے تھے، چلتے چلتے یہودیوں کی ایک جماعت کی طرف سے گزرے آپ کو دیکھ کر یہودی آپس میں کہنے لگے کہ ان سے روح کے بارے میں دریافت کرو۔ ایک شخص کہنے لگا کہ مت پوچھو۔ کہیں وہ ایسا جواب نہ دے دیں جو تمہیں ناگوار ہو۔ دوسرے نے کہا کہ ہم ضرور پوچھیں گے۔ چنانچہ ایک یہودی نے کھڑے ہو کر آپ سے روح کے بارے میں سوال کیا۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ میں سمجھ گیا کہ وحی آنے والی ہے میں بھی کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر میں جب وحی کی حالت دور ہو گئی تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ بنی اسرائیل)

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ قریش نے جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ محمد (ﷺ) ہم میں پلے بڑھے ہیں اور ہمیشہ امانت و سچائی کے حامل رہے ہیں۔ ہم نے کبھی ان پر کسی جھوٹ کا شبہ بھی نہیں کیا لیکن اب انہوں نے وہ دعویٰ کیا جو تم لوگ جانتے ہو۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو مدینے کے یہودیوں کے پاس بھیج کر معلوم کراؤ کیونکہ وہ اہل کتاب ہیں۔ چنانچہ کچھ آدمیوں کو یہودیوں کے پاس مدینے بھیجا گیا۔ ان لوگوں نے مدینے جا کر یہودیوں سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ جا کر محمد (ﷺ) سے تین باتیں (یعنی اصحاب

کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں) پوچھو۔ اگر وہ تینوں کا جواب دے دیں یا کسی کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو کہ نبی نہیں ہیں اور اگر وہ دو باتوں کا جواب دے دیں اور تیسری (روح) کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو کہ وہ نبی ہیں۔ (روح المعانی ۱۵۲/۱۵، مظہری ۸۶/۴/۵)

آیت کی شان نزول کے بارے میں مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔ ابن مسعود کی روایت کے مطابق یہ آیت مدنی ہے اور ابن عباس کی روایت سے یہ آیت مکی ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس آیت کا نزول مدینے میں دوسری مرتبہ ہوا ہو جیسا کہ بہت سی دوسری آیات کا مکرر نازل ہونا سب علما کے نزدیک مسلم ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے ابن مسعود کی روایت کو راجح قرار دیا ہے اور اس کی دو وجوہ بتائی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ صحیحین کی روایت ہے اور اس کی سند ابن عباس کی روایت سے زیادہ قوی ہے۔ دوسرے ابن مسعود خود صاحب واقعہ ہیں۔ (مظہری ۸۶/۴/۵، ابن کثیر ۶۰/۳)

تشریح: اس آیت میں کفار کی طرف سے روح کے متعلق ایک سوال اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب مذکور ہے۔ کفار نے سوال کیا تھا کہ روح کیا چیز ہے وہ انسان کے بدن میں کس طرح آتی جاتی ہے اور حیوان اور انسان اس سے کس طرح زندہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اے محمد ﷺ! آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ وہ اعضائے جسم اور عام مخلوقات کی طرح مادے سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ وہ مادہ کے بغیر بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کے حکم کن سے پیدا ہوئی ہے، حادث ہے، قدیم نہیں، نہ وہ خدا ہے اور نہ اس کا جز ہے۔ بلکہ وہ از قسم مخلوق ہے جس پر مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ کو اختیار و قدرت ہے۔

اس جواب سے یہ واضح ہو گیا کہ روح کو عام مادی اشیا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ مادے کے بغیر اللہ کے حکم سے پیدا ہوئی ہے۔ انسان کے لئے روح کے بارے میں اتنا جان لینا ہی کافی ہے اس سے زیادہ علم نہ ہونے سے نہ تو اس کا کوئی دینی کام رکتا ہے اور نہ دنیوی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے روح کے بارے میں اسی قدر وضاحت فرمائی جس قدر کہ انسان کے لئے ضروری ہے۔ جہاں تک اس کی حقیقت کا تعلق ہے تو اس کو سمجھنا عام آدمی کے لئے تو کیا بڑے بڑے حکما اور عقلا کے لئے بھی آسان نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت کو بیان نہیں

فرمایا۔ روح کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کی حقیقت کو انسان نہیں جانتا۔ مثلاً پانی، مٹی وغیرہ کی بھی پوری حقیقت کوئی نہیں جانتا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۱۳، ۵۱۵/۵، حقانی ۱۷۵، ۱۷۶/۳)

اعجازِ قرآن

۸۶، ۸۹۔ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ۝ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؗ فَاَبٰٓی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ (قرآن) ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اس کو لے جائیں (سلب کر لیں) پھر اس کے لئے آپ ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ پائیں گے۔ مگر یہ صرف آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسا نہیں کیا) بیشک آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی اس قران کی مانند لانا چاہیں تب بھی اس جیسا (قرآن) نہ لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی (کتنی ہی) مدد کیوں نہ کریں اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثال کھول کھول کر بیان کی ہے۔ پھر بھی اکثر لوگ ناشکری کئے بغیر نہ رہے۔

شِئْنَا : ہم نے چاہا۔ ہم نے ارادہ کیا۔ مَشِیْئَۃٌ سے ماضی۔

ظَهِیْرًا: پشت پناہی کرنے والا۔ مددگار۔ ظَهْرٌ سے فاعل کے معنی میں صفت مشبہ۔

صَرَّفْنَا : ہم نے طرح طرح سے بیان کیا۔ ہم نے کھول کھول کر بیان کیا۔ تَصْرِیْفٌ سے ماضی۔

فَاَبٰی : سو اس نے انکار کیا۔ سو اس نے حکم نہ مانا۔ اِبَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک عظیم الشان انعام بیان فرمایا ہے جو اس نے اپنے حبیب ﷺ پر فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں کہیں سے بھی کسی وقت باطل کا شامل ہونا ناممکن ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس وحی کو سلب بھی کر سکتا ہے مگر یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔

کفار و مشرکین قرآن کریم کے بارے میں یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اس قرآن میں کون سی خوبی ہے؟ اگر چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام کہہ سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پوری دنیائے جن و انسان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتے بلکہ اس کو کسی انسان کا بنایا ہوا سمجھتے ہو تو پھر تم بھی تو انسان ہو۔ تم اس جیسا بنا کر دکھادو اور اس کام میں جنوں کو بھی شامل کر لو۔ تم سب مل کر بھی اس قرآن کی ایک سورت تو کیا اس کی ایک آیت کی مثل نہ بنا سکو گے۔ لہٰذا تم روح وغیرہ کے چکر میں پڑنے کے بجائے قرآن کریم میں غور و خوض کرو کہ جب جن و انس اس کی ایک آیت بنانے سے عاجز ہیں تو اس کے کلام الٰہی ہونے میں کیا شبہ ہے؟ جب قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہو گیا تو آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت میں شبہے کی گنجائش کہاں؟

پھر فرمایا کہ ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کا مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے پھر بھی اکثر لوگوں نے کفر و انکار کے سوا قرآنی ہدایت میں سے کسی بات کو قبول نہیں کیا۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۱۸/۵، حقانی ۱۷۶، ۱۷۷/۳)

مشرکین کی فرمائشیں

۹۰، ۹۳۔ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ○

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ○ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ○ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ہر گز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہماری زمین سے ایک چشمہ جاری نہ کر دیں یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ (پیدا) ہو جائے پھر اس باغ کے بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں جاری کر دیں یا جیسا کہ آپ کا گمان ہے آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں یا آپ اللہ اور اس کے فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لے آئیں۔ یا آپ کے لئے سونے کا ایک گھر ہو جائے یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے (آسمان پر) چڑھ جانے پر بھی ہر گز یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ آپ ہم پر ایسی کتاب نازل کرا دیں جس کو ہم خود پڑھ لیا کریں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک آدمی ہوں اس کا بھیجا ہوا۔

تَفْجُرَ : تو پھاڑ ڈالے۔ تو بہا ڈالے۔ فَجْرٌ سے مضارع۔

يَنْبُوْعًا : چشمہ۔ جمع يَنَابِيْعُ ۔

خِلٰلَهَا : اس (مونث) کے درمیان۔ واحد خَلَلٌ۔

كِسَفًا : ٹکڑے۔ واحد كِسْفَةٌ ۔

قَبِيْلًا : مقابل۔ سامنے۔

زُخْرُفٍ : سونا۔ سونا کرنا۔

ترقی: تو ترقی کرے۔ تو چڑھ جائے۔ رُقِیٌّ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں مشرکین کے ان شبہات و مطالبات کا بیان ہے جو ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کے بارے میں تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ قرآن کریم کا معجزہ ہونا ثابت ہونے کے باوجود اپنے بغض و عناد کی بنا پر ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ ڈھٹائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ:

۱۔ آپ ہمارے لئے سرزمینِ مکہ سے جہاں پانی کی قلت ہے، چشمہ جاری کر دیں جو کبھی خشک نہ ہو اور جس سے تمام اہل مکہ سیراب ہو جائیں۔

۲۔ یا خاص آپ کے لئے کھجوروں یا انگوروں کا کوئی باغ ہو اور پھر آپ اس باغ میں جگہ جگہ نہریں جاری کر دیں۔

۳۔ یا جیسا کہ آپ کہا کرتے ہیں ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں۔

۴۔ یا آپ اللہ اور فرشتوں کو لا کر ہمارے سامنے کھڑا کر دیں ہم ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور وہ ہمارے سامنے یہ شہادت دیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

۵۔ یا آپ کے پاس سونے کا گھر ہو جس سے آپ کی شان و شوکت ظاہر ہو۔

۶۔ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم اپنی آنکھوں سے آپ کو آسمان پر چڑھتا ہوا دیکھ لیں۔

۷۔ ہم آپ کے آسمان پر چڑھ جانے کے باوجود آپ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے آسمان سے ایک لکھی ہوئی کتاب اتار کر لائیں جس کو ہم پڑھ لیں۔ اس میں یہ بات لکھی ہوئی ہو کہ یہ ہمارا رسول ہے تم اس کی اتباع کرو۔

اگر آپ ہماری ان باتوں کو پورا کر دیں گے تو ہم آپ کو سچا مان لیں گے اور جان لیں گے کہ اللہ کے ہاں آپ کا بڑا مرتبہ ہے اور اس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ آپ ان کی خرافات کے جواب میں کہہ دیجئے کہ یہ فرمائشیں ایسے شخص سے ہو سکتی ہیں جو اپنے لئے کمال قدرت کا دعویدار ہو۔ میرا پروردگار اس سے پاک ہے کہ اس کی قدرتِ کاملہ میں کوئی اس کا شریک ہو۔

میں تو بس ایک انسان ہوں جس کو اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ میرا کام تو اللہ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچانا اور اس کے عذاب سے خبردار کرنا ہے۔ میری نبوت ورسالت کی تصدیق کے لئے تو اللہ تعالیٰ پہلے ہی بہت سے معجزے دکھا چکا ہے۔ جیسے شق القمر وغیرہ جو ان فرمائشی معجزوں سے کسی طرح کم نہیں۔

(روح المعانی ۱۶۸، ۱۶۹/ ۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۷۰ ۳، ۷۱ ۳/ ۴)

کافروں کو عذاب کی تہدید

۹۴، ۹۶۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰىٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝

اور جب بھی لوگوں کے پاس ہدایت پہنچی تو ان کو ایمان لانے سے صرف یہ بات مانع ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے ہوتے اور وہ اس پر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان (حق کی) گواہی کے لئے اللہ کافی ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا (اور) دیکھتا ہے۔

تشریح: اکثر لوگ ایمان لانے اور رسولوں کی اتباع سے اس بنا پر رک گئے کہ ان کو انسان کا پیغمبر ہونا عجیب لگا اسی لئے انہوں نے نبوت بشری کا انکار کر دیا۔ لیکن ان کا یہ تعجب و انکار بیجا ہے۔ عقل و حکمت کا تقاضا ہے کہ رسول انہی لوگوں میں سے ہو جن کی طرف اس کو

بھیجا گیا ہے تا کہ وہ رسول کی بات کو سمجھ سکیں، اس کے پاس اٹھ بیٹھ سکیں اور اس سے اپنا حال بیان کر سکیں۔ اگر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیا جاتا تو لوگ نہ تو اس سے مانوس ہو سکتے تھے اور نہ اس کے پاس اٹھ بیٹھ کر اس کو اپنے احوال بیان کر سکتے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو بلاشبہ ہم کسی آسمانی فرشتے ہی کو ان میں رسول بنا کر بھیجتے۔ چونکہ تم انسان ہو اس لئے ہم نے تمہارے پاس انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اے محمد ﷺ! آپ ان کو بتا دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان تو بس اللہ ہی کی شہادت کافی ہے کہ میں نے رسالت کا فرض ادا کر دیا اور تمہیں اس کا پیغام پہنچا دیا۔ میرا اور تمہارا فیصلہ اللہ ہی کرے گا۔ ہم میں سے جو حق پر ہو گا وہ اس کو اجر و ثواب دے گا اور جو باطل پر ہو گا اس کو سزا دے گا۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کے تمام ظاہری اور باطنی احوال سے واقف ہے۔
(ابن کثیر ۶۴/ ۳، مظہری ۴۹۳، ۴۹۴/ ۵)

کافروں کا انجام

۹۷، ۹۸۔ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ج وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ط وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ط مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ط كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ○ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ○

اور جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پر ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو آپ اللہ کے سوا کسی کو بھی ان کا مددگار نہ پائیں گے اور قیامت کے دن ہم ان کو اندھے، گونگے اور بہرے (بنا کر) منہ کے بل اٹھائیں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب (آگ) ذرا دھیمی ہونے لگے گی تو ہم اس کو اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ یہ ہے ان کی سزا اس لئے کہ انہوں نے

ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں ہو کر بالکل ریزہ
ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔

عُمْيًا : اندھے۔ واحد اَعْمٰی

بُكْمًا : گونگے۔ واحد اَبْكَمُ۔

صُمًّا : بہرے۔ بہرا ہونا۔ واحد اَصَمُّ۔

خَبَتْ : وہ دھیمی ہوئی۔ وہ بجھی۔ خَبْوٌ سے ماضی۔

سَعِيْرًا : دہکتی ہوئی آگ، دوزخ۔ سَعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

رُفَاتًا : ٹوٹا ہوا۔ ریزہ ریزہ۔ بوسیدہ۔ رَفْتٌ سے فاعل بمعنی مفعول۔

تشریح: ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ چھوڑ دے اور اس کو کج راہی سے محفوظ نہ رکھے تو ایسے لوگوں کو کوئی فرشتہ یا انسان، کوئی بھی حمایتی نہیں ملے گا جو ان کو راہ راست پر ڈال سکے۔ قیامت کے روز اللہ ان کو اندھا، گونگا اور بہرا اٹھائے گا۔ حشر میں وہ منہ کے بل چل کر آئیں گے یعنی سرنگوں اور ذلیل ہو کر آئیں گے پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جہنم کی آگ جب بھی ذرا دھیمی ہونے لگے گی تو اللہ تعالیٰ فوراً ہی اس کو اور زیادہ بھڑکا دے گا۔ یہ سزا ان کو اس لئے دی جائے گی کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا تھا۔ اس کی دلیلوں کو غلط جانتے تھے اور قیامت کے قائل نہ تھے اور کہتے تھے کہ بوسیدہ ہڈیاں ہو جانے اور مٹی کے ریزوں سے مل جانے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہو جائیں گے۔

نسائی، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز لوگوں کی تین جماعتیں (بنا کر) اٹھائی جائیں گی۔ ایک جماعت کپڑے پہنے ہوئے، کھائے پیئے ہوئے اور سواریوں پر سوار ہو گی اور ایک جماعت پیدل چلے گی اور ایک جماعت کو فرشتے منہ کے بل گھسیٹیں گے۔

آیت میں اندھے، گونگے اور بہرے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی ایسی صورت نہیں آئے گی جس کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ وہ کوئی ایسا عذر بیان نہ

کر سکیں گے جو قابل قبول ہو۔ کوئی خوش کن بات ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی کیونکہ دنیا میں قدرت کی نشانیاں دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی تھیں۔ کلام حق سننے سے ان کے کان بہرے تھے اور کلمۂ حق بولنے سے ان کی زبانیں گونگی تھیں۔

بعض اہل تفسیر نے کہا کہ مطلب یہ ہے حشر کے وقت تو واقعی سب کافر اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے لیکن دوزخ کے سامنے جانے اور حساب کے لئے پیش ہوتے وقت وہ دیکھ بھی سکیں گے، سن بھی سکیں گے اور بول بھی سکیں گے۔

(مظہری ۴۹۴، ۴۹۵/ ۵، حقانی ۱۷۸، ۱۷۹/ ۳)

حیات بعد الممات کے دلائل

۹۹، ۱۰۰۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ ط فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا O قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ط وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا O

اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسے اور بھی پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس نے ان کے لئے ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے۔ اس میں ذرا بھی شک (کی گنجائش) نہیں۔ اس پر بھی کافر انکار کئے بغیر نہ رہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے ڈر سے ان کو روک کر رکھتے اور انسان بڑا تنگ دل واقع ہوا ہے۔

اَجَلًا: وقت، موت۔ مہلت۔ مدت جمع اٰجالٌ۔

اَمْسَكْتُمْ: تم نے روک کر رکھا۔ تم نے بند رکھا۔ اِمْسَاكٌ سے ماضی۔

اِنْفَاقِ: خرچ کرنا۔ مصدر ہے۔

قَتُوْرًا : کنجوس۔ بخیل۔ تنگدل۔ قَتَرٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: منکرین حشر تعجب سے کہتے تھے کہ بوسیدہ ہڈیاں ہو جانے اور ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جانے کے بعد ہم دوبارہ کیسے زندہ ہو جائیں گے۔ قرآن کریم نے اس کا جواب مختلف مقامات پر مختلف طریقے سے دیا ہے۔ یہاں فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین جیسے بڑے بڑے اجسام بغیر نمونے کے پیدا کئے ہیں۔ اس کے لئے تم جیسی چھوٹی چیز کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ بلاشبہ وہ تمہیں اور تمہارے جیسے سب آدمیوں کو بے تکلف پیدا کر سکتا ہے۔ البتہ سب کے لئے قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے کا ایک وقت مقرر ہے جو آکر رہے گا۔ ایسے واضح مضامین اور دلائل سن کر بھی یہ ظالم اپنے کفر و گمراہی پر قائم ہیں۔

اے محمد ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہاری فطرت میں تو بخل ہے۔ اگر تمہارے ہاتھ میں رحمت کے خزانے آجاتے تو تم کسی مستحق کو دینے سے اس لئے گھبراتے کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں یا جس پر میں آج خرچ کرتا ہوں کہیں کل وہ میری ہمسری نہ کرنے لگے سو تم کہاں گوارا کر سکتے تھے کہ مکہ وطائف کے بڑے متکبر اور دولت مند سرداروں کو چھوڑ کر وحی و نبوت کی یہ بیش بہا دولت بنی ہاشم کے ایک درِ یتیم کو مل جائے یہ اللہ تعالیٰ کا فیض ہے کہ وہ جس میں جیسی استعداد اور قابلیت دیکھتا ہے اس کو ویسے ہی کمالات و انعامات سے نواز دیتا ہے۔ تمہارے تعصب اور عناد سے اللہ کا فضل نہیں رک سکتا۔ محمد ﷺ کی اتباع کرنے والوں کو ان کے طفیل جو انعامات ملنے والے ہیں وہ مل کر رہیں گے۔
(عثمانی ۸۲۱، ۸۲۲/۱، حقانی ۱۸۰/۳)

حضرت موسیٰ کے نو معجزے

۱۰۱، ۱۰۴۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى

مَسۡحُوۡرًا ○ قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَاۤءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ○ فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَ مَنۡ مَّعَهٗ جَمِیۡعًا ○ وَّ قُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اسۡكُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا بِكُمۡ لَفِیۡفًا ○

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانیاں دی تھیں۔ سو تم بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ میرے خیال میں تو تم پر جادو کیا گیا ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ البتہ تو جانتا ہے کہ ان (نشانیوں) کو جو بصیرت کے لئے ہیں، آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نازل نہیں کیا اور اے فرعون میرے خیال میں تو تیری ہلاکت کا وقت آگیا ہے، پھر فرعون نے چاہا کہ اس سرزمین سے بنی اسرائیل کے قدم اکھاڑ دے تو ہم نے اس کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس سرزمین پر رہو سہو۔ پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے۔

مَثۡبُوۡرًا : ملعون۔ ہلاک کیا ہوا۔ ثَبۡرٌ و ثُبُوۡرٌ سے اسم مفعول۔

یَسۡتَفِزَّهُمۡ : ان کے قدم اکھاڑ دینا۔ ان کو بہکا دینا۔ اِسۡتِفۡزَازٌ سے مضارع بمعنی مصدر۔

لَفِیۡفًا : لپیٹ کر۔ جمع کر کے۔ لَفٌّ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

تشریح: ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون اور اس کی قوم کی تہدید کے لئے عطا فرمائے تھے۔ اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے بالآخر وہ ہلاک اور غرق ہوئے۔ یہی حال مشرکین مکہ کا ہے۔ اگر ان کی خواہش کے مطابق معجزات ظاہر بھی کر دیئے جائیں تب بھی یہ آنحضرت ﷺ کی تکذیب کریں گے۔

جس طرح متکبر و سرکش فرعون اور اس کی قوم حضرت موسیٰ کا مقابلہ نہ کر سکی اسی طرح مشرکین مکہ بھی رسول اللہ کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ جس طرح فرعون اور اس کی قوم کے غرق ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سرزمین مصر کا وارث بنایا اسی طرح عنقریب مکہ فتح ہو گا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب پہلے سرزمین عرب کے وارث ہوں گے۔ پھر سرزمین شام کے وارث بنیں گے جو بنی اسرائیل کا آبائی مسکن ہے۔

آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو آیات بینات عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ آیت کا لفظ معجزے کے معنی میں بھی آتا ہے اور احکام الٰہیہ کے معنی میں بھی۔ یہاں دونوں معنوں کا احتمال ہے۔

عبدالرزاق، سعید بن منصور، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس کے طرق سے یہ نو معجزے اس طرح شمار کئے ہیں۔

۱۔ حضرت موسیٰ کا عصا جو اژدہا بن جاتا تھا۔
۲۔ ید بیضاء جب حضرت موسیٰ اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر نکالتے تو وہ چمکنے لگتا تھا۔
۳۔ طوفان کا عذاب
۴۔ ٹڈی دل کا عذاب
۵۔ بدن کے کپڑوں میں بے حد جوئیں پیدا کر دی گئیں جن سے بچنے کی کوئی صورت نہ رہی۔
۶۔ مینڈکوں کا عذاب، ہر کھانے پینے کی چیز میں مینڈک آجاتے تھے۔
۷۔ خون کا عذاب، ہر برتن اور کھانے پینے کی چیزوں میں خون مل جاتا تھا۔
۸۔ قحط۔
۹۔ پھلوں کا نقصان۔ (روح المعانی ۱۸۲/۱۵)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ایک دوسری روایت میں حضرت موسیٰ کے نو معجزے اس طرح بیان کئے۔

۱۔ ید بیضاء، ۲۔ زبان کی لکنت کا دور ہونا، ۳۔ عصا، ۴۔ بحر، ۵۔ طوفان کا عذاب،

۶۔ ٹڈی کا عذاب، ۷۔ جوؤں کا عذاب، ۸۔ مینڈک کا عذاب اور ۹۔ خون کا عذاب۔
(روح المعانی ۱۸۲/ ۱۵)

احمد، بیہقی، طبرانی، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی کی ایک صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آیات سے مراد احکام الٰہیہ ہیں چنانچہ حضرت صفوان بن عسال فرماتے ہیں ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ مجھے اس نبی کے پاس لے چلو۔ اس نے کہا کہ نبی نہ کہو اگر ان کو خبر ہو گئی کہ ہم بھی ان کو نبی کہتے ہیں تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی یعنی ان کو فخر و مسرت کا موقع مل جائے گا۔ پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو نو آیات بینات دی گئی تھیں وہ کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا:

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، ۲۔ زنا نہ کرو، ۳۔ جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، ۴۔ چوری نہ کرو، ۵۔ جادو نہ کرو، ۶۔ سود نہ کھاؤ، ۷۔ کسی بے گناہ پر جھوٹا الزام لگا کر قتل و سزا کے لئے اس کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ، ۸۔ پاک دامن عورت پر بدکاری کی تہمت نہ لگاؤ ۹۔ میدان جنگ سے جان بچا کر نہ بھاگو۔ اے یہود! خاص تمہارے لئے یہ حکم بھی ہے کہ یوم سبت (سنیچر) کے احکام جو خاص طور پر تمہیں دیئے گئے ہیں ان میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ یہ باتیں سن کر دونوں یہودیوں نے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ (روح المعانی ۱۸۳/ ۱۵)

قرآن کا حق ہونا

۱۰۵، ۱۰۶۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝

اور ہم نے اس (قرآن) کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا اور ہم نے آپ کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر

بھیجا ہے اور ہم نے قرآن کو جزو جزو کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ
لوگوں کے سامنے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور اسی لئے ہم نے اس کو
تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔

فَرَقْنٰهُ: ہم نے اس (قرآن) کو جدا جدا کیا۔ ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا۔ فَرْقٌ سے ماضی۔

مُكْثٍ: ٹھہر ٹھہر کر۔ آہستہ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اور یہ سراسر حق ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اس کی حقانیت پر وہ خود بھی شاہد ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں۔ جس طرح حق والے نے اس کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اسی طرح حق کے ساتھ یہ آپ تک پہنچا ہے۔ نہ راستے میں کوئی باطل اس میں شامل ہوا اور نہ باطل کی یہ شان کہ وہ اس کے ساتھ مخلوط ہو سکے۔ یہ کمی و بیشی سے بالکل محفوظ ہے اور پوری طاقت والے امانت دار فرشتے کی معرفت نازل ہوا ہے۔ جو آسمان میں عزت والا اور سردار ہے۔

اے محمد ﷺ آپ کا کام تو مومنوں کو خوشخبری سنانا اور کافروں کو ڈرانا ہے۔ اس قرآن کو پہلے ہم نے لوح محفوظ سے بیت العزت پر نازل کیا جو پہلے آسمان میں ہے۔ پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے ضرورت کے مطابق تئیس سال میں آنحضرت ﷺ کے قلبِ مبارک پر نازل ہوا تاکہ آپ سہولت کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں کو سنادیں۔ ہم نے بھی اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے ہی نازل کیا ہے۔ (ابن کثیر ۶۸/۳)

قرآن کی تاثیر

۱۰۷، ۱۰۹ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ

رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا O وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا O

آپ کہہ دیجئے کہ تم اس (قرآن) پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا تو جب ان کے سامنے اس قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے۔ بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے۔

يَخِرُّوْنَ: وہ گرتے ہیں۔ خَرٌّ و خُرُوْرٌ سے مضارع۔

اَذْقَانِ: ٹھوڑیاں۔ واحد۔ ذَقَنٌ۔

يَبْكُوْنَ: وہ روتے ہیں۔ وہ آہ وزاری کرتے ہیں۔ بَكَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: قرآن کی صداقت و حقانیت کا انحصار تمہارے ایمان لانے پر موقوف نہیں۔ تم مانو یا نہ مانو قرآن اپنی ذات میں اللہ کا کلام ہے اور بلاشبہ برحق ہے۔ اس کا ذکر سابقہ آسمانی کتابوں میں چلا آرہا ہے جو اہل کتاب نیک و صالح ہیں اور اللہ کی کتاب پر عمل کرتے ہیں اور انہوں نے اگلی کتابوں میں کوئی تحریف نہیں کی وہ تو اس قرآن کو سنتے ہی بے چین ہو کر ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب وعدہ خلافی سے پاک ہے اس نے سابقہ کتب میں محمد ﷺ کو بھیجنے اور قرآن نازل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ سچا ہے۔ آج اس کو پورا ہوتا دیکھ کر خوشی سے اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کے وعدے کی سچائی کا اقرار کرتے ہیں۔ خشوع و خضوع اور عاجزی کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے اللہ کے سامنے ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

حضرت حکیم بن حزام کا بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ تین (طرح کی) آنکھوں پر آگ حرام کر دی گئی۔ (ایک) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی، (دوسری) وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی۔ (تیسری) وہ آنکھ جو ممنوعات

خداوندی سے بند رکھی گئی۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس مومن بندے کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلتے ہیں خواہ مکھی کے سر کے برابر ہوں، اللہ نے آگ کو اس پر حرام کر دیا ہے۔ (ابن کثیر ۳/۶۸، مظہری ۴۹۹، ۵/۵۰۰)

اللہ کے اسماءِ حسنیٰ

۱۱۰، ۱۱۱۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ○ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ○

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو۔ جس نام سے بھی تم پکارو، سو تمام اچھے نام اسی کے ہیں اور اپنی نماز میں نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھیئے اور نہ بالکل چپکے سے بلکہ درمیانی راہ اختیار کیجئے اور کہہ دیجئے کہ تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ وہ کمزور و عاجز ہے کہ کوئی اس کا مددگار ہو اور اس کی خوب بڑائی بیان کر۔

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا کہ مکہ میں ایک رات کو (نماز کے دوران) سجدے میں آپ نے فرمایا یا اللہ، یا رحمٰن۔ (یہ سن کر) ابو جہل کہنے لگا کہ محمد (ﷺ) ہمیں تو ہمارے معبودوں (کو پکارنے) سے منع کرتے ہیں اور خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۵/۵۰۱)

تشریح: مشرکین مکہ اللہ کی رحمت کی صفت کا انکار کرتے تھے اور رحمٰن کو اللہ کا نام نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان مشرکوں کو بتا دیجئے کہ تم اللہ کو، اللہ کہہ کر پکار دیا رحمٰن کہہ کر، دونوں طرح صحیح ہے کیونکہ اس کے اچھے اچھے نام بہت سارے ہیں۔ جن سے اس کی صفات جلال و جمال کا ظہور اور ہر عیب و نقص سے پاکی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اپنی نماز کو نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھو اور نہ بالکل خاموشی سے بلکہ درمیانی آواز سے پڑھو۔ یہاں الصلوۃ سے مراد رات کی نماز ہے خواہ وہ فرض ہو جیسے مغرب، عشاء یا نفل جیسے تہجد وغیرہ کیونکہ دن کی نماز میں (ظہر، عصر) تو باجماع امت سرّی ہیں۔ ان میں جہر کے ساتھ قرأت نہیں کی جاتی۔

اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے خاص ہیں جو واحد احد اور صمد ہے۔ نہ اس کے ماں باپ، نہ اولاد۔ نہ وہ ایسا حقیر کہ کسی کی حمایت کا محتاج ہو یا اسے وزیر و مشیر کی حاجت ہو بلکہ تمام چیزوں کا خالق و مالک صرف وہی ہے۔ اس لئے آپ ہر وقت اس کی عظمت و جلالت، کبریائی اور بزرگی بیان کرتے رہیئے۔

(ابن کثیر ۶۸/۳، مظہری ۵۰۱، ۵/۵۰۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ کہف

وجہ تسمیہ: اس سورۃ کو سورۂ کہف اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کے حیرت انگیز حالات کا بیان ہے جو کہف یعنی غار میں تین سو نو برس تک سو کر جاگے تھے۔
(حقانی ۱۸۶/۳)

تعارف: اس میں بارہ رکوع، ایک سو دس آیتیں، ۱۲۰۱ کلمات اور ۶۶۲۰ حروف ہیں۔ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کا آغاز تحمید سے ہوا اور اختتام توحید و رسالت پر۔ شروع میں اصحابِ کہف کا واقعہ ہے اس کے بعد فنا و زوال اور قیامت و آخرت کا بیان ہے۔ پھر حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بندے کو جو علم دیا گیا ہے وہ قلیل ہے۔ کسی کو اللہ نے کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی دوسرا علم دیا۔ پیغمبر خواہ کتنا ہی الوالعزم کیوں نہ ہو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تمام علوم سے واقف ہو۔ آخر میں ذوالقرنین کا حال بیان ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قیامت اور عالم آخرت کا دوبارہ ذکر ہے۔
(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۳/۴)

فضائل: دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتے اس کے ہمراہ آئے۔
(روح المعانی ۱۹۹/۱۵)

ایک اور روایت میں، جس کو احمد، مسلم، نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا، ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔
(روح المعانی ۲۰۰/۱۵)

مسند احمد، مسلم، مستدرک، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن حبان میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں حفظ کر لیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ (روح المعانی ۱۵/۲۰۰، مسند احمد ۶/۲۵۳، مستدرک ۲/۳۹۹)

مسند احمد میں معاذ بن انس الجھنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سورۂ کہف کا اول اور آخر پڑھ لے اس کے لئے اس کے پاؤں سے سر تک نور ہوگا اور جو اس ساری سورت کو پڑھے اسے زمین سے آسمان تک کا نور ملے گا۔ (ابن کثیر ۳/۷۰)

مستدرک حاکم میں مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھی اس کے لئے دو جمعوں کے درمیان تک نور کی روشنی رہتی ہے۔ (مستدرک ۲/۳۹۹)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کی فضیلت اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی۔ پھر اصحابِ کہف کے واقعہ کا اجمالی بیان ہے۔

رکوع ۲: اصحابِ کہف کا مفصل واقعہ اور غار کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۳: اصحابِ کہف کی ظاہری حالت اور جاگنے کے بعد ان کا آپس میں گفتگو کرنا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں اہل شہر کو اصحابِ کہف کے حال پر آگاہ کرنا اور اصحابِ کہف کی تعداد مذکور ہے۔

رکوع ۴: انشاء اللہ کہنے کی اہمیت۔ واقعہ کہف کا تتمہ اور آپ ﷺ کو تلاوت قرآن کا حکم مذکور ہے۔ پھر سرداران کفر کی مذمت اور ظالموں کا انجام اور مومنین صالحین کا انعام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۵: ایک مالدار شخص کا حال، مومن مفلس کا جواب اور باغ کی تباہی کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۶: حیات دنیا کی بے ثباتی اور قیامت کے روز پہاڑوں اور زمین کا چلنا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۷: غرور کا انجام۔ کافروں کی سرکشی اور ان کے دلوں پر پردوں کا پڑنا مذکور ہے۔

رکوع ۸: حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعے کا بیان ہے۔ پھر حضرت موسیٰ کی درخواست مذکور ہے۔

رکوع ۹: کشتی کا واقعہ۔ ایک لڑکے کا قتل اور ایک بستی کا واقعہ مذکور ہے۔ پھر تینوں واقعات کی حقیقت بتائی گئی ہے۔

رکوع ۱۰: ذوالقرنین کا واقعہ اور یاجوج ماجوج کا دیوار توڑنے سے عاجز ہونا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت بتایا گیا ہے۔

رکوع ۱۱: سب سے زیادہ خسارے والے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پھر نیک لوگوں کے انعامات اور اللہ تعالیٰ کے بیشمار کلمات کا بیان ہے۔

قرآن کی فضیلت

۱،۵۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ○ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ○ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ○ وَّ يُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ○ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ○

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر کتاب نازل کی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔ بالکل ٹھیک اتاری تاکہ وہ (کفار و مشرکین کو) اس سخت عذاب سے ڈرائے جو منجانب اللہ (ان پر) ہو گا اور مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ خوش خبری دے کہ ان کے لئے اچھا اجر ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ تاکہ ان لوگوں کو بھی خوف دلائے جو (یہ) کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ نہ

ان کو اس بات کا علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ بڑی بھاری بات ہے
جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ وہ بالکل ہی جھوٹ کہتے ہیں۔

عِوَجًا : کجی، ٹیڑھا پن۔ مصدر ہے۔

قَیِّمًا : قائم رکھنے والا۔ درست۔ سیدھا۔ قِیَامٌ سے صفت مشبہ۔

بَاْسًا : قتال۔ لڑائی۔ جنگ۔ آفت۔

مَّا کِثِیْنَ : ٹھہرنے والی۔ رہنے والی۔ مَکْثٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: ہر قسم کی تعریف اور سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے اپنے خاص بندے محمد ﷺ پر ایسی کتاب (قرآن) نازل کی جو سب سے اعلیٰ واکمل ہے اور جس میں ذرا بھی کجی اور ٹیڑھا پن نہیں۔ اس کی ہر بات اور ہر حکم عقل سلیم کے مطابق ہے۔ اس کی عبارت نہایت سلیس اور فصیح ہے۔ اس کا اسلوب بیان نہایت مؤثر ہے اور اس کی تعلیم نہایت متوسط ومعتدل ہے جو ہر زمانے اور ہر طبیعت کے مناسب ہے۔ اس میں کسی قسم کی افراط و تفریط کا شائبہ تک نہیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب اور اس کے نبی کو جھٹلاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سخت آفت آنے والی ہے یہ کتاب اس سے آگاہ کرتی ہے اور جو لوگ اس کتاب پر ایمان ویقین رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں انہیں یہ کتاب اجر عظیم کی خوشخبری سناتی ہے جو جنت کی شکل میں ہوگا۔ جس کی نعمتیں غیر فانی ہیں۔

مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی اولاد سمجھ کر ان کی پرستش کیا کرتے تھے اور نذر ونیاز کرتے تھے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے بلکہ اب تک کہتے ہیں اور بعض یہود حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس باطل اعتقاد پر ان کے پاس تو کیا ان کے باپ، دادا کے پاس بھی کوئی سند اور دلیل نہیں تھی۔ یہ لوگ بہت بڑی اور سخت بات منہ سے نکال رہے ہیں بلکہ بالکل ہی جھوٹ بکتے ہیں۔ ان آیتوں میں ان سب کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب ان سب لوگوں کو عذاب سے خبردار کرتی ہے جو اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں۔

(حقانی ۱۸۶،۱۸۷/ ۳، عثمانی ۸۲۶،۸۲۷/ ۱)

آنحضرت ﷺ کو تسلی

۶،۸۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ○ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ○

سو شاید اس افسوس میں کہ وہ اس بات پر ایمان نہیں لاتے، آپ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے۔ بیشک جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کی زینت بنا دیا تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھے کام کرتا ہے اور بیشک جو کچھ اس (زمین) پر ہے ہم اس کو چٹیل میدان (فنا) کر دیں گے۔

بَاخِعٌ : غم کے سبب جان دینے والا۔ ہلاک کرنے والا۔ بَخُوْعٌ وبَخَعٌ سے اسم فاعل۔

صَعِيْدًا : مٹی۔ خاک۔ زمین۔ صاف میدان۔ صُعُوْدٌ سے صفت مشبہ۔

جُرُزًا: بالکل ہموار جس میں کوئی درخت وغیرہ نہ ہو۔ بنجر۔ چٹیل میدان۔ جَرْزٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: مشرکین آپ سے اعراض کرتے تھے اور ایمان نہ لاتے تھے۔ اس پر آپ کو رنج و افسوس ہوتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اگر یہ کافر اس قرآن پر ایمان نہ لائیں تو آپ اپنے آپ کو ان کے غم میں نہ گھلایئے بلکہ آپ تو دعوت و تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہیے۔ کوئی نہ مانے تو اس پر آپ کو غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ دعوت و تبلیغ اور شفقت و ہمدردی کے جو کام آپ کرتے ہیں وہ آپ کے رفع مراتب اور ترقیٔ مدارج کا ذریعہ ہیں۔ اگر یہ بد بخت آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو اس میں ان ہی کا نقصان ہے۔

پھر فرمایا کہ جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اس کو دنیا کی زینت کے لئے بنایا ہے۔ دنیا فانی ہے، بہت جلد اجڑنے اور غارت ہونے والی ہے۔ اس کی زینت زائل ہونے والی ہے جبکہ

آخرت اور اس کی نعمت دوامی ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس فانی دنیا اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوتا ہے اور کون ہمیشہ رہنے والی آخرت کو اختیار کرتا ہے۔

قتادہؒ نے ابو سعیدؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دنیا میٹھی اور سرسبز ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ سو تم دنیا اور عورتوں سے بچو۔ بنو اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کا تھا۔ (ابن کثیر ۳/۷۲)

اصحابِ کہف کے واقعہ کا اجمالی بیان

۹،۱۲۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝

کیا آپ غار اور کھوہ کے رہنے والوں کو ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے تعجب کی چیز سمجھتے ہیں۔ جبکہ چند نوجوان اس غار میں آ بیٹھے تھے پھر وہ دعا مانگنے لگے اے ہمارے رب ہمیں اپنی خاص رحمت سے نواز اور ہمارے کام کی درستی کا سامان مہیا کر دے۔ پھر ہم نے اسی غار میں گنتی کے چند سال تک ان کے کان تھپک دیئے۔ (سلا دیا) پھر ہم نے ان کو جگا دیا تاکہ ہم معلوم کر لیں کہ دونوں جماعتوں میں سے کس (جماعت) کو ان کے رہنے کی مدت خوب یاد ہے۔

الْكَهْفِ : اس وسیع غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ کے اندر ہو۔

الرَّقِيْمِ : لکھی ہوئی چیز۔ لوگوں نے اصحابِ کہف کے نام اور ان کا واقعہ ایک پتھر یا رانگ کی

تختی پر کندہ کر کے غار کے منہ پر نصب کر دیا تھا۔ اسی لئے ان کو اصحاب کہف ورقیم
کہتے ہیں یہ ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں۔

هَيِّئْ : تو تیار کر۔ تو درست کر۔ تَهْيِئَةٌ سے امر۔

اَحْصٰى : خوب واقف۔ خوف گننے والا۔ اِحْصَاءٌ سے تفضیل۔

اَمَدًا : مدت۔ زمانۂ دراز۔

تشریح: قریش نے یہود کے کہنے پر آپ کی آزمائش کی غرض سے آپ سے تین سوال کئے تھے۔ ایک سوال روح کے بارے میں تھا جو گزشتہ سورت میں گزر چکا۔ دوسرے سوال کے جواب میں یہاں اصحابِ کہف کے واقعہ کا بیان ہے۔ تیسرا سوال ذوالقرنین کے بارے میں تھا۔ اس کا بیان بھی اسی سورت کے آخر میں ہے۔

اصحابِ کہف کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کی دلیل ہے کہ سیکڑوں سال پہلے کے واقعات کا صحیح صحیح علم اللہ تعالیٰ کی وحی کے بغیر ممکن نہیں۔ ظاہر ہے آپ نے یہ واقعات نہ کسی سے سنے اور نہ کسی کتاب میں دیکھے اور پڑھے کیونکہ آپؐ امی تھے۔ اس کے باوجود ان واقعات کو ٹھیک ٹھیک بیان کر دینا، آپ کی نبوت ورسالت کی کافی وشافی دلیل ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے گمان کرنے والے کیا تیرا یہ گمان ہے کہ اصحابِ کہف اور رقیم ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی عجیب چیز تھے۔ بے شک یہ قصہ عجیب ہے مگر ہماری قدرت کی نشانیوں کے سامنے کوئی چیز عجیب نہیں۔ آسمان وزمین اور چاند وسورج کی پیدائش کے عجائبات اصحابِ کہف کے حال سے کہیں زیادہ عجیب ہیں۔ غارِ ثور میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے یار غار حضرت ابو بکر کی حفاظت کرنا اور دشمنوں کو اندھا بنا دینا کہ وہ غار کے منہ پر کھڑے ہو کر بھی آپ کو نہ دیکھ سکیں۔ یہ اصحابِ کہف کے واقعہ سے کم عجیب نہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب ان لوگوں نے دنیا سے منہ موڑ لیا اور کفر وشرک کے فتنے سے بچنے کے لئے شہر سے بھاگ کر ایک غار میں جا کر پناہ لی اور وہاں اللہ سے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے خاص رحمت عطا فرما اور ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب فرما۔ یہاں رحمت سے مراد حق اور ہدایت پر استقامت اور دشمنوں سے امن

وحفاظت ہے۔

سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو غار میں ایسی گہری نیند سلا دیا کہ گویا ان کے کانوں پر (نیند کے) پردے پڑے ہوئے ہیں اور وہ برسوں تک بے فکر سوتے رہے۔ پھر ہم نے ان کو نیند سے بیدار کر دیا تاکہ ہم دیکھ لیں اور لوگوں کو بھی دکھادیں کہ دونوں فریقوں میں سے کس نے ان کے غار میں رہنے کی مدت کو خوب یاد رکھا ہے۔ جب وہ جاگے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کس قدر سوئے؟ کسی نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم، کسی نے کہا کہ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت سوئے۔ اس آیت میں دو گروہوں کا جو ذکر آیا ہے اس کے بارے میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ خود اصحابِ کہف میں دو گروہ بن گئے جنہوں نے غار میں سونے اور ٹھہرنے کی مدت کے بارے میں اختلاف کیا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ دو گروہ سے اس زمانے کے مومن اور کافر مراد ہوں جنہوں نے ان کی مدت قیام میں اختلاف کیا تھا۔

(مواہب الرحمٰن ۲۳۲/۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۸، ۳۸۹/۴، روح المعانی ۲۰۸، ۲۱۳/۱۵)

اصحابِ کہف کا مفصل واقعہ

۱۳-۱۶۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ط اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ط لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ط فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝

ہم آپ کو ان کا حقیقی حال سناتے ہیں۔ وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے۔ جب وہ (ظالم بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی اور کو ہرگز معبود نہ پکاریں گے اور اگر ایسا کریں تو یہ بہت ہی بے جا بات ہو گی۔ یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے اس (اللہ) کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں یہ لوگ ان کے معبود ہونے پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور (باہر آکر آپس میں کہنے لگے کہ) جب تم نے ان لوگوں سے اور ان معبودوں سے جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کنارہ کشی اختیار کر لی تو اب اس غار میں چل کر پناہ لو۔ تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت وسیع کرے گا اور تمہارے کام کو آسان کر دے گا۔

رَبَطْنَا : ہم نے مضبوط کر دیا۔ ہم نے باندھ دیا۔ رَبْطٌ سے ماضی۔

شَطَطًا : زیادتی۔ ناحق۔ جھوٹ۔ حد سے تجاوز کرنا۔ مصدر ہے۔

اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ : تم ان لوگوں سے الگ ہو گئے۔ تم نے ان سے کنارہ کر لیا۔ اِعْتِزَالٌ سے ماضی۔

يَنْشُرْ : وہ پھیلاتا ہے۔ نَشْرٌ سے مضارع۔

مِرْفَقًا : سہولت۔ آرام۔ کامیابی کا ذریعہ۔ رِفْقٌ سے مصدر میمی۔

تشریح: یہاں سے اصحابِ کہف کا مفصل واقعہ شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم آپ سے اصحابِ کہف کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں کہ بیشک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے حالانکہ ان کی قوم شرک و بت پرستی میں مبتلا تھی۔ ایمان لانے کے بعد ہم نے ان کی ہدایت میں اور اضافہ کر دیا اور ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور وہ ایسے صابر و ثابت ہو گئے کہ ان کو اللہ کی راہ میں پیش آنے والی مصیبتوں کی کوئی پرواہ نہ رہی یہاں تک کہ جب وہ

دقیانوس جیسے ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے لائے گئے اور اس نے ان کو بت پرستی پر مجبور کیا تو وہ جواب میں بادشاہ کو کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اس کے سوا ہرگز کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً یہ بے جا اور حد سے بڑھی ہوئی بات ہوگی۔ ہماری قوم کے ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا رکھا ہے جو سراسر باطل ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ ان لوگوں نے محض اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کو معبود اور خدا کا شریک ٹھہرالیا ہے۔ یہ لوگ ڈرا دھمکا کر دوسروں کو بت پرستی پر مجبور کرتے ہیں۔ جو شخص اللہ پر افترا کرے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔

جب ان نوجوانوں نے دقیانوس کو دوٹوک جواب دے دیا اور اس نے ان کو سوچنے اور غور کرنے کی مہلت دے کر رخصت کر دیا تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ جب تم اللہ کے سوا، ان کے معبودوں سے جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں علیحدہ اور کنارہ کش ہو گئے تو اب چل کر غار میں اپنا ٹھکانا بنانا چاہیئے جہاں کسی کافر کی رسائی نہ ہو سکے تاکہ کافروں کے ساتھ رہنے سے بھی بچ جائیں اور دین وایمان بھی سلامت رہے۔ جہاں تک غار میں پیش آنے والی زحمت ومشقت کا تعلق ہے تو اس سے ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا رب اپنی رحمت سے تمہارے لئے تمام امور میں راحت و آسانی کا سامان پیدا فرمادے گا اور تمہارے رزق میں فراخی کردے گا۔

چنانچہ جب یہ لوگ عزم وہمت کے ساتھ غار میں داخل ہو گئے اور اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے غار کے اندر بیٹھ گئے اور اللہ کے ذکر اور تسبیح و تحمید میں مشغول ہو گئے۔ تو وہاں ان کو ایسی نیند آئی کہ تین سو سال تک سوتے رہے۔ بادشاہ نے ان کو بہت تلاش کرایا، جب وہ تلاش میں ناکام ہو گیا تو اس نے غار کے منہ پر ایک مضبوط دیوار بنوادی تاکہ وہ لوگ باہر نہ نکل سکیں اور غار کے اندر ہی مر جائیں۔ ادھر جس امید ویقین کے ساتھ وہ غار میں داخل ہوئے تھے، اللہ نے ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمایا اور ان پر اللہ کی مہربانیوں اور رحمتوں کا نزول ہونے لگا۔

(روح المعانی ۲۱۶، ۲۲۱/ ۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۹۸، ۴۰۰/ ۴)

غار کی کیفیت

۱۷۔ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّـقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِىْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝

اور (اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ جب سورج نکلتا ہے تو وہ ان کے غار سے داہنی طرف کو ہٹا ہوا رہتا ہے اور جب وہ غروب ہوتا ہے تو ان کے بائیں طرف سے کتراتا ہوا گزر جاتا ہے اور وہ اس (غار) کے ایک کشادہ حصے میں (پڑے ہوئے) ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو اس کے لئے کوئی مددگار اور راہ پر لانے والا نہیں ملے گا۔

تَزٰوَرُ : وہ جھک جاتی ہے۔ وہ مڑ جاتی ہے۔ وہ پھر جاتی ہے۔ تَزَاوُرٌ سے مضارع۔
تَـقْرِضُهُمْ : وہ کتراجاتی ہے۔ وہ ان کو چھوڑ دیتی ہے۔ قَرْضٌ سے مضارع۔
فَجْوَةٍ : کشادہ جگہ۔ وسیع میدان۔ غار کے اندر کشادہ زمین۔

تشریح: غار کے اندر اللہ تعالیٰ کی جو رحمتیں، اصحابِ کہف پر نازل ہو رہی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب سورج طلوع ہوتا تو دھوپ ان کے غار کے دائیں طرف جھکی رہتی تھی اور جب غروب ہوتا تو دھوپ ان کے بائیں جانب کترا جاتی (بائیں جانب ہٹی رہتی) تھی اور وہ اس کے اندر ایک فراخ اور وسیع مقام پر تھے۔ جہاں ہر وقت اللہ کی رحمت سے ان پر سایہ رہتا تھا۔ وہ دھوپ سے محفوظ تھے اور ان کو خوشگوار ہوا پہنچتی رہتی تھی۔

یہ بھی اللہ کی قدرت کی ایک نشانی ہے کہ اس نے ان کو غار میں زندہ رکھا، دھوپ اور ہر قسم کے نقصان سے بچائے رکھا۔ ان نوجوان موحدوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے ہدایت و توفیق

دی تھی۔ کوئی ان کو راہ راست سے گمراہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے برعکس جس کو وہ راہ نہ دکھائے اور ہدایت کی توفیق نہ دے تو اس کا کوئی ہادی ہے اور نہ مددگار۔

اصحابِ کہف کی ظاہری حالت

۱۸۔ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ○

اور تم خیال کرتے ہو کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم ہی ان کو دائیں اور بائیں کروٹیں بدلواتے رہتے ہیں اور ان کا کتا (غار کے) دروازے پر اپنے بازو پھیلائے ہوئے پڑا ہے۔ اگر تو ان کو دیکھ لیتا تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوتا اور تجھ پر ان کی دہشت بیٹھ جاتی۔

اَيْقَاظًا : جاگنے والے۔ بیدار۔ واحد يَقِظٌ،

رُقُوْدٌ : سونے والے۔ واحد رُقُوْدٌ۔

ذِرَاعَيْهِ : اس کے دونوں ہاتھ۔ اس کے دونوں بازو۔

الْوَصِيْدِ : چوکھٹ۔ دہلیز۔ جمع وُصُدٌ۔

لَمُلِئْتَ : تو بھر جائے گا۔ تیرے اندر بیٹھ جائے گا۔ مَلَاءٌ سے ماضی مجہول۔

رُعْبًا: رعب۔ دہشت۔ ہیبت۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جانوروں، کیڑے مکوڑوں اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کا ایک ظاہری سبب یہ بھی بنا دیا کہ گہری نیند کے باوجود ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ نیند کی حالت میں ہی دائیں بائیں کروٹیں بدلتے رہتے تھے جس سے دیکھنے والا یہ سمجھتا گویا کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ ان کا کتا بھی غار کے دہانے کے اندر اپنے دونوں بازو پھیلائے پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی نیند طاری کر دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ بھلے لوگوں کی صحبت میں رہنے والے کے

اندر بھی بھلائی آجاتی ہے۔ دیکھئے اصحابِ کہف کے ساتھ رہنے سے اس کتے کی کتنی شان ہو گئی کہ کلام اللہ میں اس کا ذکر آگیا۔

پھر غار سے باہر کے دشمنوں سے ان کی حفاظت اس طرح فرمائی کہ غار کے اندر ہیبت اور رعب کی کیفیت پیدا کر دی اگر کوئی غار کے اندر جھانک کر دیکھ لے تو وہ خوفزدہ ہو کر فوراً الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو۔

بیداری کے بعد اصحاب کہف کا باہم گفتگو کرنا

۱۹، ۲۰۔ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ○ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِىْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ○

اور اسی طرح (ایک عرصے کے بعد) ہم نے ان کو جگا دیا تا کہ وہ آپس میں پوچھیں (کہ ہم کتنی مدت سوتے رہے) ان میں سے ایک نے کہا کہ تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہے ہوں گے (پھر) وہ کہنے لگے کہ تمہارا رب ہی جانتا ہے کہ تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے۔ اب تم اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو۔ پھر وہ دیکھے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے سو اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور چاہئے کہ وہ چپکے سے آئے جائے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ کیونکہ اگر وہ تمہاری خبر پا لیں تو یا تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا تمہیں (جبراً) اپنے

دین میں لوٹا لیں گے۔ اور تب تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے۔

بِوَرِقِکُمْ : تمہارے سکے۔ تمہارے روپے۔

لْیَتَلَطَّفْ : وہ نرمی برتے۔ وہ حسن تدبیر سے کام لے۔ وہ آہستگی سے جائے۔ وہ چپکے سے جائے۔ تَلَطُّفٌ سے امر غائب۔

یَرْجُمُوْکُمْ :وہ تم کو سنگسار کرتا ہے۔ وہ تم کو پتھر مار کر ہلاک کرتا ہے۔ رَجْمٌ سے مضارع۔

تشریح: جس طرح ہم نے ان کو نشان قدرت بنا کر ایک طویل مدت تک غار کے اندر سلایا اور ان کے جسموں کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھا، اسی طرح ہم نے ان کو نیند سے بیدار کر دیا تاکہ ان کو اپنی حالت کا علم ہو جائے اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں اور اپنے ساتھ اللہ کے سلوک کو پہچان کر اس کی قدرت کا یقین کریں اور اس نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

بیدار ہونے کے بعد ان کو یہ محسوس ہوا جیسے وہ معمول سے زیادہ سوئے۔ اس لئے ان میں سے ایک نے سوال کیا کہ تم کتنی مدت سوتے رہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایک دن یا اس سے کچھ کم سوتے رہے۔ ایک دن یا اس سے کچھ کم سونے کا خیال اس لئے آیا کہ جب وہ غار میں داخل ہوئے تھے تو صبح کا وقت تھا اور جب بیدار ہوئے تو شام کا وقت تھا۔ اس لئے وہ یہی سمجھے جیسے ایک دن یا اس سے کچھ کم سوئے ہوں۔ پھر جب قرائن اور آثار سے ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ طویل عرصے تک سوتے رہے تو کہنے لگے کہ تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت سوئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ اب اس جھگڑے کو چھوڑو اور اپنے میں سے کسی کو پیسے دے کر شہر کی طرف بھیجو جو وہاں جا کر دیکھے کہ کس دوکاندار کے پاس حلال اور پاکیزہ کھانا ہے۔ پھر وہ حلال اور پاکیزہ کھانا خرید کر تمہارے پاس لائے اور وہ خوش تدبیری سے کام لے۔ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے اور کسی کو پتہ نہ ہونے پائے۔ اگر لوگوں کو تمہارا پتہ چل گیا اور انہوں نے تم پر قابو پا لیا تو وہ تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے یا وہ تمہیں اپنے مذہب میں لوٹا لیں گے۔ اگر تم نے ان کے مذہب میں داخل ہونا قبول کر لیا تو تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔ یعنی عذاب سے نجات نہیں پاؤ گے۔

زمانۂ جاہلیت میں اس شہر کا نام افسوس تھا۔ عہد اسلامی میں اس کا نام افسوس کے بجائے طرطوس ہو گیا۔ (مظہری ۲۱، ۲۲/۶)

اہلِ شہر کو اصحابِ کہف کے حال پر مطلع کرنا

۲۱۔ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَارَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝

اور اسی طرح ہم نے ان لوگوں پر ظاہر کر دیا تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں۔ وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جب اس زمانے کے لوگ ان کے معاملے میں باہم جھگڑنے لگے۔ سو بعض نے کہا کہ ان کے غار پر ایک عمارت بنا دو۔ ان کا رب ہی ان کے حال سے خوب واقف ہے۔ جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے۔

اَعْثَرْنَا: ہم نے مطلع کیا۔ ہم نے بتا دیا۔ اِعْثَارٌ سے ماضی۔

بُنْيَانًا: ایک عمارت۔ ایک دیوار۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسے ہم نے اصحابِ کہف کو انوکھی طرز پر سلایا اور بالکل انوکھے طور پر ان کو جگایا، اسی طرح بالکل انوکھے طرز پر اپنی قدرتِ کاملہ سے اہلِ شہر کو اصحابِ کہف کے حالات سے مطلع فرمایا تاکہ ان کو اللہ کے وعدوں کی حقانیت کا علم ہو جائے اور قیامت کے قائم ہونے اور اس کے برحق ہونے میں انہیں کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے۔ جس خدا نے اصحابِ کہف کی روحوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور اتنی طویل مدت تک ان کے جسموں کو سڑنے نہیں دیا۔ پھر ان کی روحیں ان کے جسموں میں واپس کر دیں اور ان کو نیند سے بیدار کر

دیا۔ وہی خدا اس پر بھی قادر ہے کہ سب انسانوں کی روحوں کو اپنے پاس روک لے اور پھر قیامت کے دن سب کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھا دے۔ اس وقت وہ اصحابِ کہف کے بارے میں آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ بعض قیامت کے قائل تھے اور بعض اس کے منکر تھے۔ پس اصحابِ کہف کا ظہور منکروں پر حجت اور ماننے والوں کے لئے دلیل بن گیا۔

سو ان لوگوں نے کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنوا دو۔ پھر جب کوئی تحقیقی بات معلوم نہ ہوئی تو کہنے لگے کہ ان کا پروردگار ہی ان کا حال خوب جانتا ہے۔ ان میں سے جو لوگ اپنی بات میں غالب رہے انہوں نے کہا کہ ان (اصحابِ کہف) کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ہم ان کے پاس ایک مسجد یعنی عبادت خانہ بنائیں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ مشرک نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے تھے۔ (مظہری ۶/۲۳)

اصحابِ کہف کی تعداد

۲۲۔ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ج وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ج وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ط قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ قف فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ص وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ۝

اب وہ کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور بعض کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ سب بن دیکھے نشانے پر پتھر چلانا ہے اور بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے، آٹھواں ان کا کتا تھا۔ (اے نبی ﷺ) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان کی تعداد کو میرا رب ہی خوب جانتا ہے۔ ان کا اصل حال تو بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں۔ سو آپ ان کے بارے میں بجز سرسری بات کے زیادہ بحث نہ کیجئے اور ان کے بارے میں ان

لوگوں میں سے کسی سے بھی نہ پوچھئے۔

تُمَارِ : تو گفتگو کرتا ہے۔ تو بحث (جھگڑا) کرتا۔ ہے مُمَارَۃٌ سے مضارع۔

مِرَآءً : بحث کرنا۔ جھگڑا کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: لوگ اصحابِ کہف کا قصہ سن کر حسب عادت اٹکل کے تیر چلائیں گے۔ کوئی کہے گا وہ تین تھے، چوتھا کتا تھا۔ کوئی کہے گا وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ لیکن سب اقوال ایسے ہیں جیسے کوئی نشانے کے بغیر تیر چلاتا رہے اور بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اصحابِ کہف کی تعداد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے صرف تین اقوال بیان فرمائے ہیں۔ کوئی چوتھا قول نقل نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چوتھا قول تھا ہی نہیں۔ پہلے دونوں قولوں کی رجماً بالغیب کا لفظ کہہ کر تردید کر دی اور تیسرے قول کی تردید نہیں کی تو معلوم ہوا کہ تیسرا قول ہی برحق ہے۔ (بیضاوی ۲۴۶)

پھر فرمایا کہ اصحابِ کہف کے بارے میں اگر لوگ اختلاف سے باز نہ آئیں تو آپ ان کے بارے میں سطحی گفتگو کے سوا اہل کتاب سے بحث و مباحثہ نہ کیجئے۔ اس لئے کہ اوّل تو ان کی تعداد کے تعین پر کوئی دلیل نہیں اور اگر بالفرض ہو بھی تو اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ اہلِ کتاب سے بھی اس بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس سلسلے میں جس قدر ضروری تھا وہ ہم نے آپ کو بتادیا۔ اس لئے بے کار باتوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔

انشاء اللہ کہنے کی اہمیت

۲۳، ۲۴۔ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ○ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ز وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ○

اور آپ کسی کام کے بارے میں یہ نہ کہا کریں کہ میں اس کو کل کروں گا

مگر یہ کہ اگر اللہ چاہے گا (تو کروں گا) اور جب آپ (یہ کہنا) بھول جائیں تو (یاد آنے پر) فوراً اپنے رب کو یاد کیجئے اور کہئیے امید ہے کہ میرا رب مجھے بھلائی کی اس سے بھی قریب راہ دکھادے۔

غَدًا: آنے والا کل۔ روز قیامت۔

نَسِيْتَ : تو بھول گیا۔ تو غافل ہو گیا۔ نِسْيَانٌ سے ماضی۔

رَشَدًا: بھلائی۔ ہدایت۔ سیدھی راہ۔

شانِ نزول: مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب قریش نے آنحضرت ﷺ سے اصحابِ کہف وذوالقرنین اور روح کا حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ کل بیان کروں گا اور اس کے ساتھ انشاء اللہ نہ کہا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس بنا پر پندرہ دن تک وحی نازل نہ ہوئی۔ (حقانی ۱۹۸/ ۳، ابن کثیر ۷۹/ ۳)

تشریح: (اے نبی ﷺ) جس کام کو کل کرنا ہو اس کے بارے میں یہ نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا بلکہ اس کے ساتھ انشاء اللہ کہہ لیا کیجئے کیونکہ کل کیا ہوگا اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ وہی عالم الغیب اور تمام چیزوں پر قادر و متصرف ہے۔ لہٰذا اپنے تمام امور میں اسی سے مدد طلب کرنی چاہئے اگر موقع پر انشاء اللہ کہنا یاد نہ رہے تو بعد میں جب بھی یاد آجائے اسی وقت کہہ لینا چاہئے۔ خواہ اس میں کتنی ہی مدت گزر چکی ہو۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی بات بھول جاؤ تو اللہ کا ذکر کیا کرو کیونکہ بھول شیطانی حرکت ہے اور اللہ کا ذکر یاد کا ذریعہ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے قریش! تم اصحابِ کہف کے قصے سے تعجب نہ کرو مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے اس سے بھی زیادہ عجیب خبریں بتائے گا جو میری نبوت ورسالت کی واضح اور بین دلیل ہوں گی۔

(ابن کثیر ۷۹/ ۳ حقانی ۱۹۸/ ۳)

واقعۂ کہف کا تتمہ

۲۶،۲۵۔ وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ○ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ ؕ مَالَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ؗ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ○

اور وہ اپنے غار میں تین سو نو برس رہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کتنے دن ٹھہرے۔ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اسی کو معلوم ہیں اور وہ کیا ہی خوب دیکھنے والا اور کیا ہی خوب سننے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی ان کا کارساز نہیں اور نہ وہ (اللہ) کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے۔

تشریح: یہ لوگ آپ سے اصحابِ کہف کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے تو آپ ان کو بتا دیجئے کہ شمسی اعتبار سے وہ اپنے غار میں تین سو برس تک سوتے رہے اور چاند کے حساب سے یہ مدت تین سو نو سال تھی۔ کیونکہ شمسی اور قمری سال میں ہر سو سال پر تین سال کا فرق پڑتا ہے۔ اسی لئے آیت میں تین سو بیان کر کے نو الگ بیان کئے۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ جتنی مدت غار میں رہے اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کا غیب وہی جانتا ہے۔ اس پر اصحابِ کہف کا حال کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ وہ ہر موجود چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر آواز کو سن رہا ہے۔ ظاہر و باطن قریب و بعید، اس کے سامنے سب یکساں ہے۔ اس کے سوا ارض و سماں والوں کا کوئی کارساز اور مددگار نہیں اور نہ وہ ان میں سے کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے یعنی وہ اپنے علم غیب میں سے کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (ابن کثیر ۸۹،۸۰/۳، مواہب الرحمٰن ۷۱/۲، ۳، ۷۳/۲/۱۵)

اصحابِ کہف کے غار کی دریافت

محقق تیسیر ظبیان کے مطابق ۱۹۵۳ء میں یہ غار عمان کے قریب ایک پہاڑ پر دریافت ہوا ہے۔

تفسیر ابن جریر میں حضرت ابن عباس کی روایت سے مروی ہے کہ اصحابِ کہف کا غار ایلہ (خلیج عقبہ) کے قریب (اردن میں) واقع ہے۔ بہت سے محققین نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ غار اردن میں واقع ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے قصص القرآن میں تاریخی وجغرافیائی شواہد کی بنیاد پر اسی کو درست قرار دیا ہے کہ یہ غار اردن میں ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی ارض القرآن میں اردن کے قدیم شہر پیڑا کو رقیم قرار دیا ہے۔

مذکورہ تمام حضرات کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اردن کے تاریخی شہر پیڑا کا اصل نام رقیم تھا۔ جسے رومی حکومت نے بدل کر پیڑا کر دیا۔ یہ غار اسی کے قریب کسی جگہ واقع تھا۔ ۱۹۶۱ء میں جب غار کی کھدائی کا کام شروع ہوا تو مذکورہ رائے کی تائید میں قرائن وشواہد ملتے گئے۔ ان میں چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ غار کا دہانہ جنوب کی طرف ہے۔ اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ
وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ

(سورۂ کہف آیت ۱۷)

اور تو دیکھے گا کہ جب سورج نکلتا ہے تو وہ ان کے غار سے دائیں طرف ہٹا ہوا رہتا ہے اور جب وہ غروب ہوتا ہے تو ان کے بائیں طرف سے کتراتا ہو گزر جاتا ہے اور وہ اس (غار) کے ایک کشادہ حصے میں پڑے ہوئے ہیں۔

پس غار کی صورت حال یہ ہے کہ دھوپ کسی وقت غار کے اندر نہیں آتی بلکہ طلوع

وغروب کے وقت دائیں بائیں سے گزر جاتی ہے۔

۲۔ غار کے دائیں جانب اوپر کی طرف ایک بڑا سا سوراخ ہے جس سے روشنی چھن چھن کر غار کے اندر آتی ہے۔ اس سوراخ سے غار کے اندر ہوا بھی آتی ہے جو اصحابِ کہف کے لئے ضروری تھی۔

۳۔ قرآن کریم میں یہ بھی ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ○

(سورۂ کہف آیت ۲۱)

جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے۔

چنانچہ کھدائی کرنے اور ملبہ ہٹانے کے بعد غار کے اوپر ایک مسجد بر آمد ہوئی ہے جو قدیم رومی طرز کے پتھروں سے بنی ہوئی ہے۔

۴۔ بیشتر محققین کا خیال ہے کہ وہ مشرک بادشاہ جس کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اصحابِ کہف نے غار میں پناہ لی تھی وہ ٹراجان تھا جو ۹۸ء سے ۱۱۷ء تک حکمران رہا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بت پرستی سے انکار کرنے والوں پر سخت ظلم کرتا تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ٹراجان نے ۱۰۶ء میں شرق اردن کا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ جس بادشاہ کے عہد میں اصحابِ کہف بیدار ہوئے اس کا نام جدید محققین کے مطابق تھیوڈ سیس تھا جو پانچویں صدی کے آغاز میں گزرا ہے۔

۵۔ قرآن کریم میں ہے:

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ (سورۂ کہف آیت ۱۹)

سو تم اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ دیکھے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے سو اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ کہف کا غار ایسی جگہ واقع تھا جہاں سے وہ شہر زیادہ دور نہیں تھا جہاں وہ اپنے ایک ساتھی کو کھانا لانے کے لئے بھیج رہے تھے۔ عمان کے قریب جو غار دریافت ہوا ہے وہ شہر سے دس میل کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے پہاڑ کی ترائی میں واقع ہے۔

۶۔ غار کے اندر سے جو سکے ملے ہیں ان میں سے کچھ ٹراجان کے زمانے کے ہیں۔

۷۔ قرآن کریم نے اصحابِ کہف کو اصحاب الکہف والرقیم (غار اور رقیم والے) کہا ہے۔ بیشتر محققین کہتے ہیں کہ رقیم اس بستی کا نام ہے جہاں یہ لوگ شروع میں آباد تھے۔ اس وقت غار سے صرف سو میٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے جس کو رجیب کہتے ہیں۔ ماہر اثریات رفیق دجانی صاحب کا خیال ہے کہ یہ رقیم کی بگڑی ہوئی شکل ہے کیونکہ یہاں کے بدو اکثر قاف کو جیم اور میم کو باسے بدل کر بولتے ہیں۔ چنانچہ اب حکومت اردون نے اس بستی کا نام سرکاری طور پر رقیم ہی کر دیا ہے۔ (موقع اصحاب کہف صفحہ ۱۸۸)

۸۔ بعض قدیم جغرافیہ دانوں نے بھی رقیم کی بستی کو عمان کے قریب بتایا ہے۔ چنانچہ معروف جغرافیہ دان ابو عبداللہ البشاری المقدسی نے لکھا ہے۔

رقیم شرق اردن میں عمان کے قریب ایک شہر ہے جہاں ایک غار پایا گیا ہے جس میں کچھ انسانی ڈھانچے بھی ہیں جو زیادہ بوسیدہ نہیں ہوئے۔ (موقع اصحاب کہف صفحہ ۴۹)

۹۔ علامہ یاقوت حموی نے رقیم کی تشریح کرتے ہوئے یہ قول نقل کیا ہے کہ:

دمشق کے مضافات میں جو عربی سرزمین بلقا کہلاتی ہے اس میں شہر عمان کے قریب ایک جگہ ہے جس کے بارے میں ان لوگوں کا خیال ہے کہ وہی الکہف اور رقیم ہے۔

(معجم البلدان للحموی ۶۰/۳)

۱۰۔ غار کے اندر پتھر سے بنی ہوئی سات قبریں ہیں۔ تین غار کے دائیں جانب ہیں اور چار قبریں غار کے بائیں جانب ہیں۔ درمیان میں خالی جگہ ہے جو خاصی کشادہ ہے۔ زائرین اسی درمیانی جگہ میں کھڑے ہو کر قبروں کا معائنہ کرتے ہیں۔

بہر حال اتنے قدیم واقعے کے محل وقوع کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا تو مشکل ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اب تک جن جن مقامات کے بارے میں اصحاب کہف کے غار

ہونے کا خیال ظاہر کیا گیا ہے۔ ان سب میں جتنے زیادہ قرائن و شواہد اس غار کے حق میں ہیں، کسی اور غار کے حق میں موجود نہیں۔

یہ غار عمان شہر سے ۷ کلو میٹر جنوب میں واقع ہے اور اردن کی مرکزی شاہراہ سے جو عقبہ سے عمان تک گئی ہے اس کا فاصلہ ۳ کلو میٹر ہے۔

(ماخوذ از جہان دیدہ از مولانا محمد تقی عثمانی صفحات ۲۱۸، ۲۲۲، ماہنامہ الفاروق کراچی۔ شوال ۱۴۱۸ / فروری ۱۹۹۸ء صفحات ۴۳، ۴۵)

آپ کو تلاوت قرآن کا حکم

۲۷۔ وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ط لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وقف وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝

اور (اے نبی ﷺ) آپ کے رب کی کتاب میں سے جو کچھ آپ پر وحی کیا گیا ہے، آپ اس کو تلاوت کرتے رہئے اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور اس کے سوا آپ کو کہیں پناہ کی جگہ نہ ملے گی۔

مُبَدِّلَ : تبدیل کرنے والا۔ تَبْدِیْلٌ سے اسم فاعل۔

تَجِدَ : تو پائے گا۔ وُجُوْدٌ سے مضارع۔

مُلْتَحَدًا : پناہ کی جگہ۔ اِلْتِحَادٌ سے مصدر میمی و اسم ظرف۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ کو بیکار باتوں میں الجھنے اور اور بحث و مباحثے کی ضرورت نہیں۔ آپ تو اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں لگے رہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے جو کتاب آپ پر نازل کی ہے اس کو خود بھی پڑھتے رہئے اور دوسروں کو بھی پڑھ کر سنائیے اور اس کو لوگوں تک پہنچائیے۔ یہی آپ کی نبوت و رسالت کی کافی و شافی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکام اور واقعات اس کتاب میں بیان کئے ہیں انہیں نہ کوئی بدل سکتا ہے اور نہ غلط ثابت کر سکتا ہے۔ اگر کوئی اس کے احکام کو بدلنے کے درپے ہو گا یا اس کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے

گا تو وہ خوب سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کے مجرم کے لئے کہیں پناہ نہیں البتہ اطاعت گزاروں کے لئے اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ جیسے اصحاب کہف جو اللہ کی باتوں پر ثابت قدم رہے۔ اللہ نے ان کو اپنے فضل و رحمت سے کیسی عمدہ جگہ اور ٹھکانا عطا فرمایا۔

(عثمانی ۸۳۴/۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۴۱۲)

سردارانِ کفر کی مذمت

۲۸۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○

اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کی معیت میں رکھئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے ان سے آنکھیں نہ پھیر لیجئے اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے تابع ہو گیا ہے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے۔

تَعْدُ : وہ پھرے۔ انہوں نے زیادتی کی۔ وہ ہٹے۔ عَدْوٌ سے مضارع۔

فُرُطًا : حد سے تجاوز کرنا۔ ظلم کرنا۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت عیینہ بن حصین فزاری رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اسلام لانے سے پہلے عیینہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت کچھ نادار مسلمان آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جن میں سلمان فارسیؓ بھی تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ان کو پسینہ بھی آرہا تھا۔ عیینہ کہنے لگا اے محمد ﷺ! کیا آپ کو ان لوگوں کی بدبو سے تکلیف نہیں پہنچتی۔ ہم قبائل مصر کے سردار اور بڑے

لوگ ہیں۔ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو ہمارے سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن آپ کے پاس ایسے لوگوں کی موجودگی ہمیں آپ کی اتباع سے روکتی ہے۔ آپ ان کو ہٹا دیں تو ہم آپ کی اتباع کرنے لگیں گے یا آپ ہمارے بیٹھنے کے لئے کوئی علیحدہ جگہ مقرر کر دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۲۶۲/۱۵، مظہری ۶/۲۹)

ابن مردویہ نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت امیہ بن خلف جمحی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ امیہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان فقیروں کو اپنے پاس سے نکال دیجئے اور مکہ کے سرداروں کو اپنے پاس بٹھائیے۔ اللہ کو یہ درخواست پسند نہ تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۹، ۶/۳۰)

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ ان اہل دنیا کی ذرا پرواہ نہ کیجئے بلکہ آپ اپنی نشست و برخاست ہر وقت ان لوگوں کے ساتھ رکھیئے جو صبح و شام اپنے رب کی یاد میں لگے رہتے ہیں اور اس ذکر و عبادت سے ان کا مقصد صرف اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اور کوئی دنیاوی غرض نہیں۔

پھر فرمایا کہ آپ کی نظر التفات کسی وقت بھی ان غریب مسلمانوں کی طرف سے ہٹ کر اہل دنیا کی طرف نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ منکرین ایمان لانے والے نہیں اس لئے مخلصین مومنین کے اخلاص اور ان کی دلجوئی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ غریب و درویش مسلمانوں کی پہلے سے زیادہ خاطر داری کرنے لگے اور ان کے پاس آکر بیٹھتے اور فرماتے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے پاکیزہ لوگ بنائے جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم دیا۔ میری زندگی اور موت انہی کے ساتھ ہے۔

جن لوگوں کے دل ہماری یاد سے غافل ہیں اور وہ اس دنیا پر فریفتہ ہیں اور ہمہ تن اپنی خواہشات نفس کے تابع ہیں تو آپ ایسے لوگوں کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیے خواہ وہ بظاہر کیسے ہی دولت مند ہوں۔ یہ لوگ حد اعتدال سے بڑھے ہوئے ہیں۔

(عثمانی ۸۳۴، ۱/۸۳۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۱۲، ۴/۴۱۳)

ظالموں کا انجام

۲۹۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۗ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۗ بِئْسَ الشَّرَابُ ۗ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ○

اور آپ کہہ دیجئے کہ حق تو تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کافر رہے۔ بیشک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گی اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پیپ کی مانند ہو گا (اور) منہ کو جھلس ڈالے گا۔ کیا ہی بُرا پانی ہو گا اور کیا ہی بُری آرام کی جگہ ملے گی۔

سُرَادِقُهَا: اس کے پردے۔ اس کی قناتیں۔ اس کے خیمے۔ جمع سُرَادِقَاتٌ۔

يَسْتَغِيْثُوْا: وہ فریاد کرتے ہیں۔ وہ مانگتے ہیں۔ اِسْتِغَاثَةٌ سے مضارع۔

مُهْلِ: تیل کی تلچھٹ۔ پیپ۔ پگھلا ہوا تانبا۔ اسم ہے۔

يَشْوِي: وہ جھلس دے گا۔ وہ بھون دے گا۔ شَيٌّ سے مضارع۔

مُرْتَفَقًا: آرام کرنے کی جگہ۔ منزل۔ ٹھکانا۔ اِرْتِفَاقٌ سے ظرف مکان۔

تشریح: اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ میں اپنے رب کے پاس سے لایا ہوں وہی حق اور سچ ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اب جس کا دل چاہے اسے مانے اور جس کا دل نہ چاہے نہ مانے اور نہ ماننے والے اپنا انجام سوچ لیں۔ بلا شبہ ان ظالموں کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے۔ وہ ان کی منتظر ہے۔ اس کی قناتیں اور پردے ہر طرف سے ان کو گھیر لیں

گے۔ جب وہ پیاس کی شدت سے چلائیں گے اور پانی کے لئے فریاد کریں گے تو ان کو ایسا پانی دیا جائے گا جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہو گا یا تیل کی تلچھٹ یا پیپ کی طرح کا پانی ہو گا جو بے حد گرم ہو گا اور منہ کے قریب آتے ہی کھال جھلس دے گا۔ وہ بہت ہی برا پانی ہے۔ ان کا ٹھکانا اور ان کی آرام گاہ بھی نہایت بری ہے۔ (ابن کثیر ۸۱،۸۲/ ۳، عثمانی ۸۳۶/ ۱)

مومنین صالحین کا انعام

۳۰، ۳۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو ہم بھی ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے جنہوں نے نیک عمل کئے۔ انہیں لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ سبز رنگ کے باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے پہنیں گے، وہ وہاں تختوں پر تکیئے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور کیا ہی خوب آرام گاہ ہے۔

یُحَلَّوْنَ: ان کو آراستہ کیا جائے گا۔ ان کو زیور پہنایا جائے گا۔ تَحْلِیَةٌ سے مضارع۔

اَسَاوِرَ: کنگن۔ واحد سِوَارٌ۔

خُضْرًا: سبز۔ ہرے۔ واحد اَخْضَرُ و خَضْرَاءُ۔

سُنْدُسٍ: باریک کپڑا۔ باریک ریشمی کپڑا۔

اَسْتَبْرَقٍ : دبیز ریشمی کپڑا۔ دیبا۔

اَرَآئِكِ : بہت سے تخت۔ مسہریاں۔ واحد اَرِيْكَةٌ ۔

تشریح: جو لوگ اس حق (قرآن) پر ایمان لائے جو آپ لے کر آئے اور انہوں نے اس کے احکام اور ہدایات کے مطابق نیک اعمال کئے تو بلاشبہ ہم ان نیک لوگوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کریں گے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے ہمیشہ باقی رہنے والے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان باغوں میں اہل جنت کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کو خاص ریشم کا لباس پہنایا جائے گا جو نرم، باریک اور موٹے ریشم سے بنا ہوا ہوگا اور سبز رنگ کا ہوگا۔ یہ لوگ شاہانہ شان سے مسہریوں پر تکیئے لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ یہ ایمان و عمل صالح کا کیسا اچھا صلہ ہے اور جنت کیسی عمدہ اور آرام دہ جگہ ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۴۱،۱۴۰/۴)

ایک مالدار شخص کا حال

۳۶،۳۲۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا لا وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ج فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً لا وَّ لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝

آپ ان لوگوں کے لئے دو شخصوں کی مثال بیان کر دیجئے۔ ہم نے ان میں سے ایک کے لئے انگور کے دو باغ تیار کئے اور ان کے گرداگرد

کھجور کے درخت لگائے اور ان کے درمیان کھیتی لگائی۔ دونوں باغ اپنے پورے پھل دیتے تھے اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہیں رہتی تھی اور ہم نے ان دونوں (باغوں) کے درمیان ایک نہر بھی جاری کی اور اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان تھا سو وہ اپنے ساتھی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور آدمیوں کے اعتبار سے بھی زیادہ عزت دار ہوں اور وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہوا (یعنی متکبرانہ انداز میں) اپنے باغ میں داخل ہوا (اور) کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا اور نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر مجھے کبھی اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو وہاں یقیناً اس سے بھی بہتر جگہ پاؤں گا۔

حَفَفْنٰهُمَا : ہم نے ان دونوں کو گھیر لیا۔ حَفٌّ سے ماضی۔

فَجَّرْنَا : ہم نے پھاڑا۔ ہم نے جاری کیا۔ تَفْجِيْرٌ سے ماضی۔

خِلٰلَهُمَا : ان دونوں کے درمیان۔ واحد خَلَلٌ

يُحَاوِرُهٗ : وہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا ہے۔ مُحَاوَرَةٌ سے۔

تَبِيْدَ : وہ برباد ہوگی۔ وہ خراب ہوگی۔ بَيَادٌ سے مضارع۔

مُنْقَلَبًا : لوٹنے کی جگہ۔ ٹھکانا۔ اِنْقِلَابٌ سے اسم ظرف۔

تشریح: اے نبی ﷺ! دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری ظاہر کرنے کے لئے آپ ان منکرین سے دو آدمیوں کا حال بیان کر دیجئے جن میں سے ایک مالدار تھا، اس کے پاس انگور کے دو باغ تھے جن کے گرداگرد کھجور کے درخت لگے ہوئے تھے۔ انگور کے دونوں باغوں کے درمیان کھیتی پیدا ہوتی تھی۔ کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ تمام زمین مختلف قسم کی پیداوار دیتی تھی۔ دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے۔ کسی کی پیداوار میں ذرا بھی کمی نہیں ہوتی تھی۔ جیسے عموماً باغوں میں ہوتی ہے کہ کسی سال تو پھل خوب آیا اور پھر دوسرے سال بہت کم۔ ان دونوں باغوں کے درمیان نہر بھی جاری تھی جس کا پانی کبھی منقطع نہیں ہوتا تھا اور وہ نہر دونوں

باغوں کو ہمیشہ سیراب کرتی رہتی تھی۔اس پیداوار کے علاوہ اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان اور طرح طرح کا کثیر مال تھا۔

ایک دن دوران گفتگو اس باغوں والے کافر نے اپنے نادار مومن ساتھی سے کہا کہ میرے پاس مال بھی تجھ سے زیادہ ہے اور نوکروں چاکروں کے اعتبار سے بھی میں تجھ سے زیادہ باعزت ہوں۔ پھر یہ مال دار کافر اپنے غریب مسلمان ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر اپنا مال و دولت دکھاتا ہوا اور اس پر فخر کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا اور کفر و فخر کے سبب اپنے اوپر ظلم کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ہری بھری لہلہاتی کھیتیاں، یہ پھل دار درخت، یہ نہریں اور یہ سرسبز بیلیں کبھی فنا ہو جائیں گی۔ میرا خیال ہے کہ قیامت کبھی قائم نہیں ہوگی اور اگر بفرض محال مجھے لوٹ کر اپنے رب کے پاس جانا ہی پڑا جیسا کہ تم کہتے ہو تو چونکہ میں اللہ کا پیارا ہوں اس لئے اللہ مجھے وہاں اس سے بھی بہتر عطا فرمائے گا۔

(مظہری ۳۳، ۳۴/۶، ابن کثیر ۸۳/۳)

مومن مفلس کا جواب

۳۷، ۴۱۔ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاۗءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ مَاۗؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝

اس وقت اس کے ساتھی نے گفتگو کے دوران اس سے کہا کہ کیا تو اس (ذات) کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے، پھر

تجھے صحیح وسالم آدمی بنادیا۔ لیکن میرا رب تو وہی اللہ ہے اور میں اس
کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا اور جب تو اپنے باغ میں داخل
ہوا تھا تو تو نے کیوں نہیں کہا کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اللہ کی
مدد کے بغیر (کسی میں) کوئی قوت نہیں۔ اگرچہ مال واولاد میں تو مجھے،
اپنے سے کم دیکھتا ہے۔ سوامید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے
بھی بہتر باغ دے دے اور (تیرے) اس باغ پر آسمان سے کوئی آفت
بھیج دے جس سے وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا پانی خشک ہو
جائے پھر تو اسے ہرگز نہ پا سکے گا۔

سَوّٰىكَ : اس نے تجھ کو تندرست کیا۔ اس نے تجھ کو صحیح سالم بنایا۔

تَرَنِ : تو مجھے دیکھتا ہے۔ رَاْیٌ و رُؤْیَۃٌ سے مضارع۔

حُسْبَانًا : آفت۔ عذاب۔

صَعِیْدًا : مٹی۔ خاک۔ صاف میدان۔ صُعُوْدٌ سے صفت مشبہ۔

زَلَقًا : چٹیل میدان۔ ایسا صاف کہ جس پر پاؤں پھسلنے لگے۔ مصدر ہے۔

غَوْرًا : خشک ہونا۔ جذب ہونا۔ نیچے چلا جانا۔ مصدر بمعنی فاعل۔

تشریح: اس مالدار کافر کو اس کے مومن ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے
جواب دیا کہ کیا تو اپنے خدا کو نہیں مانتا جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پیدا کیا پھر خدا
نے اپنی قدرت سے تجھے پورا مرد بنادیا۔ پھر تجھے اس کی قدرت میں شک ہو گیا کہ مرنے کے
بعد جب تو مٹی ہو جائے گا تو وہ تجھے کیسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ جس خدا نے پہلی بار تجھے مٹی
سے پیدا کیا وہ تجھے دوبارہ مٹی سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

اب تو مان یا نہ مان، میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ میرا پروردگار تو وہی اللہ ہے۔ میں اس
کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا جب تو باغ میں داخل ہوا تھا تو باغ کو دیکھ کر تجھے اپنی
عاجزی کا اقرار کرنا چاہئے تھا کہ یہ سب اللہ کے فضل اور اس کی مشیت سے ہے وہ چاہے تو اس کو
آباد رکھے اور چاہے اس کو اجاڑ دے۔ وہ ہر طرح سے قادر ہے۔

اگر آج تو مجھے مال واولاد کے اعتبار سے کمتر دیکھتا ہے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد مجھے تیرے باغ سے بہتر چیز عنایت فرمادے اور تیرے کفر وغرور کے سبب تیرے باغ پر کوئی آسمانی آفت یا عذاب بھیج دے۔ جس کے نتیجے میں یہ باغ چٹیل اور چکنا میدان بن جائے یا اس کا پانی زمین کے اندر اتنی گہرائی میں چلا جائے کہ اس کا ملنا تو در کنار، تو اس کو تلاش بھی نہ کر سکے۔ (مظہری ۳۴،۳۶/۶)

باغ کی تباہی

۴۲۔۴۴۔ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ○ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا○ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ط هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ○

اور اس شخص کے پھلوں کو آفت نے آگھیرا سو اس نے جو کچھ باغ پر خرچ کیا تھا وہ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا اور وہ کہنے لگا کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا اور اس کے پاس کوئی ایسی جماعت بھی نہ تھی جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود (ہم سے) بدلہ لے سکا۔ یہاں سب اختیار اللہ برحق کا ہے۔ اسی کا انعام بہتر ہے اور وہی عمدہ بدلہ دیتا ہے۔

يُقَلِّبُ : وہ ملتا ہے۔ تَقْلِيْبٌ سے مضارع۔

كَفَّيْهِ : اس کی دونوں ہتھیلیاں۔ اس کے ہاتھ ملنا۔ واحد كَفٌّ۔

خَاوِيَةٌ : گری ہوئی۔ خالی۔ کھوکھلی۔ بے روح۔ خَوَاءٌ سے اسم فاعل۔

عُرُوْشِهَا : اس کی چھتیں۔ واحد عَرْشٌ۔

وَلَايَةٌ : مدد۔ ذمہ داری۔ حکومت۔ اختیار مصدر ہے۔

عُقْبًا : عاقبت۔ بدلہ۔ انجام۔

تشریح: وہ کافر اپنے باغ کے پھلوں اور دیگر اموال پر فخر و غرور کرتا اور اتراتا تھا اور اپنے مومن ساتھی کو ذلیل و حقیر سمجھتا تھا۔ پھر اس کے باغ کے پھلوں اور دیگر اموال کو ایک آفت نے آگھیرا اور خلاف امید ان کو تباہ کر دیا اور وہ کافر اس پر کف افسوس ملتا رہ گیا جو کچھ اس نے اپنے باغ پر خرچ کیا تھا کیونکہ اس کے باغ کے انگوروں کی تمام بیلیں ٹٹیوں کے ٹوٹنے سے زمین پر گر پڑی تھیں۔ وہ اس حال کو دیکھتا جاتا تھا اور کف افسوس ملتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔ گویا باغ کی تباہی کے بعد اسے احساس ہوا کہ یہ اس کے کفر و شرک کی سزا تھی۔ پھر اللہ کے سوا نہ تو لوگ اس کے کچھ کام آئے، نہ اولاد اور نہ وہ فرضی معبود جنہیں وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا تھا اور نہ خود اس میں اتنی طاقت و قدرت تھی کہ وہ اللہ کے عذاب کو روک دیتا۔

پھر فرمایا کہ انجام اور عاقبت کے اعتبار سے اہل ایمان اور اہل اطاعت سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ وہ اپنے اطاعت گزاروں کو سب سے اچھا بدلہ دیتا ہے۔ کیونکہ دوسرے لوگ جو اطاعت کا بدلہ دنیا میں دیتے ہیں وہ حقیر اور فنا پذیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ دنیا میں تو اپنی حکمت کے مطابق اچھا بدلہ دیتا ہی ہے۔ آخرت میں بھی وہ عظیم الشان اور لازوال ثواب عطا فرمائے گا، (مظہری ۳۶،۷ ۶/۳، مواہب الرحمن ۲۹۶، ۱۵/۲۹۷)

حیاتِ دنیا کی بے ثباتی

۴۵۔۴۶، وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ○ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ

خَيْرٌ اَمَلًا ○

اور آپ ان سے دنیوی زندگی کی یہ مثال بیان کر دیجئے کہ وہ اس پانی کی مانند ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا پھر اس کے ذریعے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہو گیا پھر وہ چورا چورا ہو کر رہ گیا جس کو ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ مال و اولاد تو دنیوی زندگی کی رونق ہے اور باقی رہ جانے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی اور (آخرت کی) امید کے اعتبار سے بھی بہت ہی بہتر ہیں۔

اخْتَلَطَ : وہ لپٹ گیا۔ وہ مل گیا۔ وہ گھنا ہو گیا۔ اِخْتِلَاطٌ سے ماضی۔

هَشِيْمًا : بھس۔ روندا ہوا۔ ریزہ ریزہ۔ هَشْمٌ سے صفت مشبہ۔

تَذْرُوْهُ : وہ اس کو اڑاتی ہے۔ وہ اس کو بکھیرتی ہے۔

اَمَلًا : امید رکھنا۔ آرزو رکھنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اے محمد ﷺ! آپ ان لوگوں سے حیات دنیا کی حالت بیان کر دیجئے کہ زوال و فنا کے اعتبار سے دنیا آسمانی بارش کی مانند ہے۔ جس سے زمین میں ہزار ہا پودے لہلہانے لگتے ہیں۔ ہر چیز پر تروتازگی اور زندگی کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ پھر کچھ عرصے کے بعد وہ پودے سوکھ ساکھ کر چورا چورا ہو جاتے ہیں اور ہوائیں ان کو ادھر ادھر اڑا دیتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جس مال و اولاد پر لوگ فخر کرتے ہیں وہ تو دنیاوی زندگی کی رونق ہیں۔ بہت جلد یہ سب فنا ہو جائیں گے۔ لیکن وہ اعمال صالحہ جن کا اچھا نتیجہ غیر فانی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا وہ اللہ کے نزدیک اس مال و اولاد سے ہزار ہا درجہ بہتر ہیں اور تمنا کرنے کے قابل ہیں۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا مال و اولاد دنیا کی کھیتی ہے اور اعمالِ صالحہ آخرت کی کھیتی ہیں۔ بعض لوگوں کے لے اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔ سعید بن منصور و احمد و ابو یعلی و ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا باقیات الصالحات کو زیادہ (پڑھا) کرو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! باقیات الصالحات کیا ہیں۔ فرمایا،

سُبْحَانَ اللّٰهِ ، لاَ اِلٰـهَ اِلاَّ للّٰه، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرْ وَلاَحَوْلَ وَلاَقُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰه پڑھنا۔ (مظھری ۲۳۸/۶،۳۷،روح المعانی ۲۸۷/۱۵)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ باقیات الصالحات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰه ، وَالْحَمْدُلِلّٰه وَلاَ اِلٰـهَ اِلّا للّٰه وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلاَحَوْلَ وَلاَقُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰه۔ (ابن کثیر ۸۶،۸۵/۱۵)

پہاڑوں اور زمین کا چلنا

۴۷۔۴۹، وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰـهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ○ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰـكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ۫ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَـكُمْ مَّوْعِدًا ○ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ○

اور جس روز ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور (اے مخاطب) تو زمین کو صاف میدان دیکھے گا اور ہم ان سب کو جمع کر لیں گے، پھر ہم ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے اور سب تیرے رب کے سامنے صف در صف پیش کئے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) اب تو تم اس حال میں ہمارے پاس آپہنچے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور

تم تو یہی سمجھ رہے تھے کہ ہم تمہارے لئے (قیام کا) کوئی وقت مقرر ہی نہیں کریں گے اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا پھر تو گنہگاروں کو دیکھے گا کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہو گا وہ اس سے ڈر رہے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے ہائے ہماری خرابی۔ یہ کیسا اعمال نامہ ہے جو نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑتا ہے اور نہ بڑی کو جو اس میں نہ آگئی ہو اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔

بَارِزَةً : ظاہر۔ کھلی ہوئی۔ نمودار ہونا۔ صاف میدان۔ بُرُوْزٌ سے اسم فاعل۔

نُغَادِرْ : ہم چھوڑ دیں گے۔ مُغَادَرَۃٌ سے مضارع۔

مُشْفِقِيْنَ : ڈرنے والے، اِشْفَاقٌ سے اسم فاعل۔

يٰوَيْلَتَنَا : ہائے ہماری شامت۔ ہائے ہماری ہلاکت۔

اَحْصٰهَا : اس نے اس کو محفوظ کر لیا۔ اس نے اس کو گن لیا۔ اِحْصَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہے کہ قیامت کے روز آسمان پھٹ جائے گا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بادلوں کی طرح تیزی سے چل رہے ہوں گے۔ آخر روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے اور زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے گی اور اس میں کوئی نشیب و فراز نہیں رہے گا۔ پھر ساری مخلوق کو اللہ کے سامنے جمع کر دیا جائے گا۔ اس دن کہیں کوئی جائے پناہ یا سر چھپانے کی جگہ نہ ہو گی۔ تمام لوگ اللہ کے سامنے صف بستہ ہوں گے۔ روح اور فرشتے صفیں باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے کسی کو بات کرنے کی تاب نہ ہو گی۔ سوائے ان لوگوں کو جن کو اللہ تعالیٰ اجازت دے دے اور وہ بات بھی معقول کہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوسری بار پیدا کر کے تمہیں اپنے سامنے لا کھڑا کیا حالانکہ تم اس کو مانتے ہی نہ تھے۔ پھر ہر ایک کا نامۂ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا جس میں ہر چھوٹا، بڑا اور ظاہر و پوشیدہ عمل لکھا ہوا ہو گا۔ گنہگار اپنی بد اعمالیوں کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جائیں گے اور افسوس و رنج سے کہیں گے کہ

ہم تمام عمر بدکرداریوں میں لگے رہے اور اب دیکھو تو اس کتاب (اعمال نامہ) نے ایک معاملہ بھی ایسا نہ چھوڑا جسے لکھا نہ ہو۔ جو کچھ بھی انہوں نے دنیا میں کیا ہو گا وہ سب کچھ اپنے اعمال ناموں میں لکھا ہوا پائیں گے اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ وہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے اور نہ کسی کی نیکی کو ضائع کرتا ہے۔ (ابن کثیر ۸۷،۸۸/۳)

غرور کا انجام

۵۰۔۵۳، وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ وہ جنوں میں سے تھا۔ سو اس نے اپنے رب کی حکم عدولی کی کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت ہی برا بدلہ ہے۔ میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کا بنانا دکھایا اور نہ خود ان کو بنانا اور میں گمراہوں کو اپنا مددگار نہیں بناتا اور جس دن اللہ مشرکوں سے فرمائے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھا کرتے تھے ان کو پکارو سو وہ

ان کو پکاریں گے پھر وہ ان کو جواب بھی نہ دیں گے اور ہم ان کے
درمیان ایک مہلک جگہ بنا دیں گے اور (اس وقت) گنہگار لوگ آگ
(دوزخ) کو دیکھیں گے پھر وہ سمجھ لیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے
ہیں اور وہ اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

عَضُدًا : بازو۔ قوت۔ جمع اَعْضَادٌ۔

مَّوْبِقًا : ہلاکت کی جگہ۔ جہنم کا ایک خاص درجہ۔ وُبُوْقٌ سے اسم ظرف۔

مُّوَاقِعُوْهَا : اس میں گرنے والے۔ مُوَاقِعَةٌ سے اسم فاعل۔

مَصْرِفًا : لوٹنے کی جگہ۔ بچنے کا راستہ۔ صَرْفٌ سے اسم ظرف۔

تشریح: وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تعظیم و تکریم کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو اس وقت ابلیس کے سوا سب نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ابلیس نے اس لئے سجدہ نہیں کیا کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ وہ اپنے عنصر ناری کے غلبے کے تحت غرور و تکبر کی طرف مائل ہو گیا۔ سو وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل اور اطاعت سے باہر ہو گیا۔ کیا تم لوگ اس کے بعد بھی مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت کو میرے سوا اپنا دوست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ یہ تو ظالموں کے لئے بہت ہی برا بدل ہے کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر ابلیس اور اس کی ذریت کو اپنا دوست بنا لیا۔

پھر فرمایا کہ میں نے آسمانوں اور زمین اور تمام مخلوق کو اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ ان کی پیدائش میں، میں نے کسی سے مدد نہیں لی اور نہ کسی سے صلاح اور مشورہ لیا اور نہ میں ایسا عاجز و بے بس تھا کہ گمراہ کرنے والوں (شیطانوں) کو اپنا مددگار بناتا۔ قیامت کے روز اس کی حقیقت کھل جائے گی جب کافروں کو سب کے سامنے شرمندہ کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ تم اپنے زعم میں جن کو میرا شریک قرار دیتے تھے اب ان کو اپنی مدد کے لئے بلاؤ تاکہ وہ تمہیں آج کے دن کی مصیبت سے بچا لیں سو وہ ان کو اپنی مدد کے لئے بلند آواز سے بلائیں گے۔ مگر وہ شرکا ان کو کوئی جواب نہ دیں گے اور نہ ان کی فریاد کو پہنچیں گے۔ ہم ان کے اور ان کے باطل معبودوں کے درمیان ایک آڑ اور ہلاکت کا گڑھا بنا دیں گے تاکہ یہ ان سے اور وہ ان سے نہ مل

سکیں۔

اس وقت مجرم لوگ آگ کو دور ہی سے دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ وہ اس آگ میں ضرور گرنے والے ہیں اور وہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ پائیں گے کیونکہ آگ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہو گی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۲۵، ۴۲۶/ ۴، مواہب الرحمٰن ۳۱۱، ۳۱۸/ ۱۵)

کافروں کی سرکشی

۵۴۔۵۶، وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْیَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ وَ یُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَمَاۤ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝

اور البتہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں مگر انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو پھر ان کو ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے سے اس کے سوا اور کس چیز نے روکا کہ یا تو ان کو بھی اگلوں جیسا معاملہ پیش آئے یا یہ کہ عذاب ان کے سامنے آموجود ہو اور ہم رسولوں کو تو صرف بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں اور کافر ناحق باتوں پر جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس سے حق کو ڈگمگا دیں اور انہوں نے تو میری آیتوں کو اور جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا دل لگی بنا رکھا ہے۔

جَدَلًا : سخت جھگڑا کرنا۔ مصدر ہے۔

قُبُلًا : مقابل۔ سامنے۔

یُدْحِضُوْا : وہ زائل کرتے ہیں۔ وہ ڈگمگاتے ہیں۔ اِدْحَاضٌ سے مضارع۔

هُزُوًا : ٹھٹھا۔ مسخرہ پن۔ مذاق کرنا۔ مصدر بمعنی اسم مفعول۔

تشریح: ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت و نصیحت کے لئے ہر بات کو مثالیں دے کر تفصیل کے ساتھ بار بار بیان کیا ہے تاکہ لوگ راہ حق سے نہ ہٹیں لیکن اس تفصیلی اور واضح بیان کے باوجود لوگ حق کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں کیونکہ انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

جب لوگوں کے پاس قرآنی ہدایت آ پہنچی تو ان کو اس ہدایت پر ایمان لانے اور اس کے قبول کرنے سے اور اپنی سابقہ گمراہی سے توبہ واستغفار کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس بات کے منتظر ہوں کہ ان کو بھی سابقہ لوگوں کی طرح ہلاک کر دیا جائے یا اللہ کا عذاب ان کے سامنے آ کھڑا ہو تب یہ مانیں گے حالانکہ اس وقت کا ماننا قابل قبول نہیں۔ ہم رسولوں کو اس لئے بھیجتے ہیں تاکہ وہ مومنوں کو جنت کی بشارت سنا دیں اور کافروں کو دوزخ کے عذاب سے خبردار کر دیں۔ ان پر یہ لازم نہیں کہ وہ لوگوں سے زبردستی حق منوائیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ بے ہودہ اور مہمل باتوں کے ذریعے ناحق حجتیں کرتے ہیں تاکہ حق کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا دیں۔ ان لوگوں نے میری آیتوں کو اور جس عذاب سے ان کو ڈرایا گیا تھا اس کو مذاق اور ٹھٹھا بنا لیا ہے۔ (مظہری ۴۴، ۶/۴۵، مواہب الرحمٰن ۳۱۹، ۱۵/۳۲۰)

کافروں کے دلوں پر پردے

۵۷، ۵۹۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا

اَبَدًا ۝ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْيُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے پھر وہ اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے اس کو بھول جائے۔ بیشک ہم نے بھی ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں بھی تب بھی وہ ہرگز کبھی راہ پر نہ آئیں گے اور آپ کا رب بڑا بخشنے والا (اور) رحمت والا ہے۔ اگر وہ ان کے کئے پر ان کو پکڑنا چاہتا تو فوراً ان پر عذاب بھیج دیتا بلکہ ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے جس کے بعد ان کے لئے پناہ کی کوئی جگہ نہیں۔ یہ ہیں وہ بستیاں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا، جبکہ انہوں نے ظلم کیا تھا اور ہم نے ان کی ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔

اَكِنَّةً : حجاب۔ پردے۔ واحد كِنَانٌ۔

وَقْرًا : بوجھ۔ بہراپن۔ ڈاٹ۔ اسم مصدر۔

مَوْئِلًا : پناہ کی جگہ۔ فرار کی جگہ۔ وَأْلٌ وؤُوْلٌ سے اسم ظرف۔

تشریح: اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جس کو اس کے رب کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی ہو اور اس نے نصیحت قبول کرنے کی بجائے اللہ کی آیتوں سے منہ پھیر لیا ہو اور جو گناہ وہ پہلے کر چکا ان کے انجام کو بھول گیا۔ ان کی اس بدبختی کا سبب یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال رکھے ہیں تاکہ یہ قرآنی ہدایت کو نہ سمجھ سکیں اور ان

کے کانوں میں ڈاٹ لگا رکھی ہے تاکہ یہ حق کو نہ سن سکیں۔ انسان جب حق کو نہیں مانتا اور دوسروں کے احوال سن کر ان سے عبرت و نصیحت نہیں پکڑتا تو ہم ان کے دلوں پر پردے اور کانوں میں ڈاٹ لگا دیتے ہیں۔ اے پیغمبر ﷺ ایسی حالت میں آپ ان کو ہدایت کی طرف کتنا ہی کیوں نہ بلائیں یہ کبھی بھی راہ راست پر نہیں آئیں گے۔

آپ کا رب بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اگر وہ لوگوں کے گناہوں پر ان کی گرفت کرنے پر آئے تو فوراً ان پر عذاب واقع کر دے مگر وہ بڑا حلیم و کریم ہے۔ اس لئے عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اس نے ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے سو ان کی سزا کے لئے بھی اس نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ جب وہ مقررہ وقت آپہنچے گا تو اس وقت ان کو کہیں جائے پناہ نہ ملے گی۔

یہ اجڑی ہوئی بستیاں جن میں عاد و ثمود وغیرہ قومیں رہتی تھیں، تمہارے سامنے ہیں۔ جب ان بستیوں کے رہنے والوں نے کفر و شرک کر کے اپنے اوپر ظلم و زیادتی کی تو ہم نے ان کو بھی فوراً ہلاک و برباد نہیں کیا بلکہ ان کی ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر کر دیا تھا۔ پھر اس مقررہ وقت پر ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ اسی طرح آپ کے زمانے کے سرکشوں اور معاندوں کے لئے بھی ہم نے ایک خاص وقت مقرر کر دیا ہے جو اٹل ہے۔ یہ بھی اپنے مقررہ وقت پر ہلاک ہوں گے۔ (حقانی ۲۰۷، ۳)

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کا واقعہ

۶۰۔۶۵، وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا ○ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا ○ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ز لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ○ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ز وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا

الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْکُرَہٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِیْلَہٗ فِی الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِکَ مَا کُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝

اور جب موسیٰ نے اپنے جوان (خادم) سے کہا کہ میں اپنے ارادے سے نہ ٹلوں گا یہاں تک کہ میں دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچ جاؤں یا برسوں تک چلتا رہوں، پھر جب وہ دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی (وہیں) بھول گئے اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی سرنگ بنا کر۔ پھر جب وہ دونوں آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ ہم نے اس سفر میں بڑی تکلیف اٹھائی ہے۔ اس نے کہا کہ آپ نے دیکھا کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو مچھلی کو میں وہیں بھول آیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کرتا اور اس نے عجیب طریقے سے دریا میں اپنا راستہ بنایا تھا۔ (موسیٰ نے) کہا یہی تو وہ جگہ تھی جس کی ہمیں تلاش تھی۔ سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے لوٹے۔ پھر انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے ایک خاص علم سکھایا تھا۔

لِفَتٰهُ : اس کے خادم کے لئے۔

اَبْرَحُ : میں ٹلوں گا۔ میں چھوڑوں گا۔ بَرْحٌ سے مضارع۔

حُقُبًا : برسوں تک۔ طویل مدت تک۔ جمع اَحْقَابٌ۔

حُوْتَهُمَا : ان دونوں کی مچھلی۔

سَرَبًا : خشک۔ سراخ۔ سرنگ۔ جمع اَسْرَابٌ۔

نَصَبًا : رنج۔ تکلیف۔ جمع اَنْصَابٌ۔

صَخْرَةِ: بڑا پتھر۔ سخت پتھر۔ جمع صُخُوْرٌ۔

قَصَصًا: پیچھے چلنا۔ نقوش قدم پر چلنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ کا اجمالی بیان صحیح بخاری و مسلم کی اس روایت کے مطابق جو ابی بن کعب سے مروی ہے۔ اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو وعظ کر رہے تھے کہ کسی نے پوچھا سب سے زیادہ عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا "میں" اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی کیونکہ سب میں زیادہ عالم ہونا اللہ کے لئے کہنا چاہئے تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ مجمع البحرین پر تمہیں ایک بندہ ملے گا جو تم سے بھی زیادہ عالم ہے۔ حضرت موسیٰ نے عرض کی کہ ان تک پہنچنے کی کیا صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے تھیلے میں ایک تلی ہوئی مچھلی رکھ لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں وہ ملیں گے۔ (بخاری ۱۰۹/۳، روح المعانی ۳۱۳/۱۵)

اے نبی ﷺ! وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان خادم یوشع بن نون سے کہا تھا کہ میں اس سفر میں برابر چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں یا جب تک اللہ کے اس نیک بندے سے ملاقات نہ ہوگی میں سفر سے منہ نہ موڑوں گا۔ جب وہ دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام تو سو گئے اور یوشع بن نون جاگتے رہے۔ جو بھنی ہوئی مچھلی ان کے ساتھ تھی وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی۔ یہ دیکھ کر یوشع کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے قصد کیا کہ جب حضرت موسیٰ نیند سے بیدار ہوں گے تو ان سے اس کا ذکر کروں گا۔ جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے تو وہ ان سے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھول گئے اور دونوں وہاں سے آگے چل دیئے اور اپنی مچھلی کو بھول گئے۔ یعنی حضرت موسیٰ مچھلی مانگنا اور اس کا حال دریافت کرنا بھول گئے اور یوشع حضرت موسیٰ سے مچھلی کے زندہ ہو کر سمندر میں جا گرنے کا تذکرہ کرنا بھول گئے۔

پھر جب وہ دونوں مجمع البحرین سے آگے بڑھے اور چلتے چلتے دور نکل گئے تو حضرت موسیٰ نے یوشع سے کہا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ۔ بلاشبہ اب ہم اس سفر میں بہت تھک گئے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بھوک کا احساس دلایا تاکہ مچھلی یاد آجائے اور وہ اپنے مقصد کی طرف لوٹ آئیں۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جب تک حضرت موسیٰ مقررہ مقام سے آگے نہیں بڑھے تھے اس وقت تک آپ کو تھکان نہیں ہوئی تھی۔

حضرت موسیٰ کے مچھلی طلب کرنے پر یوشع کو مچھلی کا حال یاد آگیا اور وہ کہنے لگے کہ بھلا آپ کو معلوم ہے کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے اور آپ وہاں سو گئے تھے تو یکایک مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی تھی اور اس نے دریا کے اندر عجیب طرح سے اپنا راستہ بنایا۔ میرا ارادہ تھا کہ جب آپ بیدار ہوں گے تو میں آپ سے اس کا ذکر کروں گا مگر جب آپ بیدار ہوئے تو میں آپ سے اس مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا اور یہ شیطانی حرکت ہے اور اس نے مجھے بھلا دیا۔

یوشع کی بات سن کر حضرت موسیٰ نے کہا کہ یہی تو وہ مقام ہے جس کی ہمیں تلاش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیک بندے کا یہی پتہ بتایا تھا کہ جہاں مچھلی غائب ہو جائے وہیں اس سے ملاقات ہوگی پھر وہ دونوں اس مقام کی طرف لوٹ گئے جہاں مچھلی بھولے تھے۔ وہاں پہنچ کر ان دونوں نے ہمارے خاص بندے کو پا لیا جس کو ہم نے اپنے پاس سے ایسا علم سکھایا تھا جو ہماری توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ (روح المعانی ۱۵/۳۱۰)

حضرت موسیٰ کی درخواست

۶۶، ۷۰۔ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ○ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ○ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْــَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ○

موسیٰ نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ آپ

مجھے بھی وہ مفید علم سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہ کر سکو گے اور تم کیسے صبر کر سکتے ہو اس بات پر جو تمہاری سمجھ سے باہر ہے۔ (موسیٰ نے) کہا کہ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا ہی پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ اچھا اگر تو میرے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہے تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی تجھ سے اس کا ذکر کروں۔

تُحِطْ : تو احاطہ کرے گا۔ تو گھیرے گا۔ اِحَاطَۃٌ سے مضارع۔

خُبْرًا : خبر رکھنا۔ سمجھ رکھنا۔ واقفیت رکھنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کے پاس پہنچ کر ان کو سلام کیا اور کہا میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس امید پر آپ کے ساتھ رہوں کہ جو خیر اور بھلائی کی باتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم کی ہیں۔ ان میں سے کچھ آپ مجھے بھی تعلیم کر دیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! یقینی طور پر تم میرے ساتھ رہ کر میری باتوں پر ہرگز صبر نہ کر سکو گے کیونکہ آپ شریعت کے پابند ہیں اور احکام شریعت کا دار و مدار ظاہر پر ہے۔ مجھ سے جو امور صادر ہوں گے وہ بظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور ان کی حقیقت کی آپ کو خبر نہ ہوگی۔ آپ ان کو دیکھ کر حیران ہوں گے اور صبر نہ کر سکیں گے اور جس بات کا آپ کو پورا علم نہ ہو اس پر آپ کیسے صبر کر سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ اگرچہ میں شریعت کا مکلّف ہوں مگر آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ میں آپ کی باتوں پر صبر کروں گا اور آپ کے کسی حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ حضرت خضر نے جواب دیا کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اس بات کا خیال رکھنا کہ جب تک میں خود کسی چیز کے بارے میں آپ کو نہ بتاؤں اس وقت تک اس کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔

کشتی کا واقعہ

۷۱،۷۳۔ فَانْطَلَقَا وقف حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ○ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ○ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ○

پھر وہ دونوں چل دئے یہاں تک کہ جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خضر) نے اس (کشتی) میں سوراخ کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا تو نے کشتی کے لوگوں کو ڈبونے کے لئے اس میں چھید کیا ہے۔ البتہ تو نے بڑی بھاری (خطرے کی) بات کی۔ اس نے کہا کہ کیا میں نے تجھ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ (رہ کر) ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ موسیٰ نے کہا کہ آپ بھول چوک پر میرا مواخذہ نہ کیجئے اور میرے معاملے میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالیئے۔

اِنْطَلَقَا : وہ دونوں چلے۔ اِنْطِلَاقٌ سے ماضی۔

خَرَقَهَا : اس نے اس کو پھاڑ ڈالا۔ اس نے اس میں چھید کر دیا۔ خَرْقٌ سے ماضی۔

تُرْهِقْنِیْ : تو مجھ پر مسلط کر۔ تو مجھ پر ڈال۔ اِرْهَاقٌ سے مضارع۔

تشریح: شرائط طے ہونے کے بعد دونوں ساحل سمندر کی طرف چل دیئے جہاں انہیں ایک کشتی مل گئی اور دونوں اس میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ کشتی والوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور ان سے کرایہ نہیں لیا۔ کچھ دور تک کشتی میں سفر کرنے کے بعد حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ کر اس میں سوراخ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گھبرا گئے کہ اب کشتی میں پانی بھر جائے گا اور کشتی ڈوب جائے گی۔ اس لئے حضرت خضر سے کہنے لگے کہ کیا کشتی والوں کو ڈبونے کے لئے آپ نے کشتی کو پھاڑا ہے۔ انہوں نے تو ہمیں بلا کرایہ سوار کیا ہے

اور آپ نے ان کی کشتی کو ہی توڑ دیا۔ آپ نے یہ بڑی بری حرکت کی ہے۔

حضرت خضر نے جواب دیا کہ میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ میں معاہدہ بھول گیا تھا۔ اس لئے بھول چوک پر میری گرفت نہ کیجئے اور اس معاملے میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالئے۔

(روح المعانی ۳۳۵،۳۳۸/۱۵)

ایک لڑکے کا قتل

۷۶،۷۴۔ فَانْطَلَقَا ﻭﻗﻒ حَتّٰىٓ اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ﻻ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ط لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ج قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝

پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملے تو اس (خضر) نے اس (لڑکے) کو قتل کر دیا۔ موسیٰ نے کہا آپ نے ایک بے گناہ کو ناحق کیوں مار ڈالا۔ البتہ آپ نے بڑی بے جا حرکت کی۔ انہوں نے کہا کہ کیا میں تم سے نہیں کہہ چکا ہوں کہ تم میرے ساتھ (رہ کر) ہرگز صبر نہ کر سکو گے۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا۔ بیشک آپ میری طرف سے عذر (کی انتہا) کو پہنچ چکے ہیں۔

تشریح: اس کے بعد دونوں کشتی سے اتر کر روانہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہ چند لڑکوں کے پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر نے ان میں سے ایک لڑکے کو پکڑ کر قتل کر دیا جو اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھا۔ حضرت موسیٰ سے نہ رہا گیا اور کہنے لگے کہ آپ نے ایک معصوم جان کو بغیر کسی جان کے عوض یونہی قتل کر دیا۔ بیشک آپ نے یہ بہت ہی

برا اور ناپسندیدہ کام کیا۔ حضرت خضر نے جواب دیا کہ میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ بیشک آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ چکے ہیں۔ تین مرتبہ موقع دینے سے حجت پوری ہو جائے گی۔ (روح المعانی ۱۵/۳۳۹،۳۳۸)

ایک بستی کا واقعہ

۷۷، ۷۸۔ فَانْطَلَقَا ^وقف^ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ^ط^ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ^ج^ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

پھر وہ دونوں آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان سے کھانا مانگا۔ سو انہوں نے ان کو ضیافت دینے سے انکار کر دیا۔ پھر ان کو وہاں ایک ایسی دیوار ملی جو گرنے ہی والی تھی سو اس (خضر) نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر تو چاہتا تو اس کام پر کچھ اجرت لے لیتا۔ اس (خضر) نے کہا کہ اب میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے۔ اب میں تمہیں ان باتوں کا راز بتاتا ہوں۔ جن پر تم صبر نہ کر سکے۔

جِدَارًا: دیوار۔ اسم ہے۔ جمع جُدُرٌ۔

یَنْقَضَّ: وہ ٹوٹ جائے گا۔ وہ گر پڑے گا۔ اِنْقِضَاضٌ سے مضارع۔

تشریح: پھر وہ دونوں وہاں سے چل دیئے یہاں تک کہ وہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچ گئے اور ان سے مہمان ہونے کی حیثیت سے کھانا طلب کیا سو بستی والوں نے ان کی میزبانی سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے بستی میں ایک دیوار پائی جو ایک طرف کو بہت زیادہ جھکی ہوئی تھی

اور بالکل گرنے کے قریب تھی۔ پس حضرت خضر نے ہاتھ کے اشارے سے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ نے کہا کہ آپ نے ایسے سنگدل اور بخیل لوگوں کے ساتھ احسان کیا اور بلا معاوضہ ان کی دیوار سیدھی کر دی۔ اگر آپ چاہتے تو ان سے اجرت لے لیتے اور ہم اس سے کھانا کھا لیتے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ آپ کا تیسرا اعتراض ہے جو میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا سبب ہے۔ لیکن جدا ہونے سے پہلے میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

تینوں واقعات کی حقیقت

۸۲،۷۹۔ اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا ۝ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّكُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ج فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ق رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ج وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ط ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۝

وہ جو کشتی تھی وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے سو میں نے چاہا کہ میں اس میں عیب ڈال دوں کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا اور وہ جو لڑکا تھا تو اس کے ماں باپ ایمان دار تھے سو ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر سے ان دونوں (ماں باپ) کو بھی کفر و ظلم میں مبتلا نہ کر دے۔ پھر ہم

نے چاہا کہ ان کا خدا اس کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی
میں بھی اس سے بہتر ہو اور محبت میں بھی اس سے اقرب (بہتر) ہو،
اور وہ جو دیوار تھی وہ (اس شہر کے) دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے
نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ پس آپ کے رب نے
چاہا کہ وہ دونوں جوان ہو کر آپ کے رب کی مہربانی سے اپنا دفینہ نکال
لیں اور یہ میں نے از خود نہیں کیا تھا۔ یہ ہے ان باتوں کی حقیقت جن
پر آپ صبر نہ کر سکے۔

غَصْبًا : غصب کرنا۔ چھیننا۔ زبردستی لینا۔ مصدر ہے۔

یُرْهِقَهُمَا : وہ ان دونوں پر اثر ڈالے گی۔ وہ ان دونوں کو مبتلا کرے گی۔ اِرْهَاقٌ سے مضارع۔

مَدِیْنَةِ : شہر۔ جمع مُدُنٌ۔

تَحْتَهٗ : اس کے نیچے۔ اسم ظرف مکان۔

كَنْزٌ : جمع کرنا۔ ذخیرہ کرنا۔ خزانہ۔ دفینہ۔

تشریح: ۱۔ وہ کشتی چند غریب لوگوں کی ملکیت تھی جو اس کو دریا میں کرائے پر چلاتے تھے۔ ان لوگوں کی گزر بسر اسی کشتی سے حاصل ہونے والی آمدنی پر تھی۔ ان کے آگے راستے میں ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح و سالم اور عمدہ کشتی کو چھین لیتا تھا۔ اس لئے میں نے اس کشتی کو عیب دار کر دیا تاکہ وہ اس کے عیب کو دیکھ کر اس کو غصب کرنے سے باز رہے اور بعد میں یہ غریب لوگ تختہ لگا کر اپنی کشتی کو درست کر لیں۔

۲۔ رہا وہ لڑکا جس کو میں نے قتل کر دیا تھا تو اس کے ماں باپ ایماندار تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی اور یہ لڑکا بڑا ہوتا تو کافر ہوتا سو ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو بھی کفر پر مجبور نہ کر دے اور وہ اس کے حسن و جمال اور محبت کی وجہ سے اس سے جدا ہونا گوارا نہ کریں اور کفر اختیار کر کے دائمی ہلاکت میں نہ گرفتار ہو جائیں۔ اس طرح اس لڑکے کا مارا جانا ظاہر میں تو ان کے حق میں مصیبت بنا اور باطن میں باعث رحمت بنا۔ سو ہم نے ارادہ کیا کہ اس لڑکے کا قصہ تمام کر دیا جائے

اور اللہ تعالیٰ ان کو ایسی اولاد دے جو کفر و شرک اور معصیت سے پاک ہو اور ایمان و توحید اور عمدہ اخلاق سے آراستہ ہو اور از راہ شفقت و محبت والدین سے زیادہ قریب ہو۔

۳۔ جہاں تک اس دیوار کا تعلق ہے جو گرنے کے قریب تھی اور جس کو میں نے بلا معاوضہ سیدھا کر دیا تھا، تو وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی۔ اس دیوار کے نیچے ان دونوں کے لئے ایک خزانہ چھپا ہوا تھا۔ اگر دیوار گر جاتی تو خزانہ ظاہر ہو جاتا اور لوگ اس کو لوٹ کر لے جاتے۔ ان لڑکوں کو ان کی کم سنی اور کمزوری کے سبب کچھ بھی نہ ملتا۔

ان کا باپ ایک نیک صالح آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی نیکی کے صلے میں اس کی اولاد کی حفاظت منظور تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ دونوں لڑکے جب بڑے ہو کر اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ جائیں تو اپنا دفینہ نکال لیں۔ ان پر مہربانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دیوار کی اصلاح کا حکم دیا۔ اس لئے میں نے اللہ کے حکم سے دیوار کو بلا معاوضہ سیدھا کیا تھا۔ ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام بھی میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا۔

یہ تھی ان چیزوں کی باطنی حقیقت جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ صبر نہ کر سکے۔ آپ شریعت کے ظاہر احکام کی وجہ سے مجبور و معذور تھے اور میں باطنی احکام کی وجہ سے مجبور و معذور تھا۔ (معارف القرآن از مولانا ادریس کاندھلوی ۴۳۸، ۴۴۰/ ۴)

ذوالقرنین کا واقعہ

۸۳، ۸۸۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا

مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَنِ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝

اور وہ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اب میں تمہیں اس کا کچھ حال سناتا ہوں۔ بیشک ہم نے اس کو زمین میں اقتدار بخشا تھا اور ہم نے اس کو ہر طرح کا سامان دیا تھا۔ سو اس نے ایک منزل کی راہ لی۔ یہاں تک جب وہ سورج غروب ہونے کی جگہ پہنچا۔ (یعنی مغرب میں) تو اس کو وہ (سورج) ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا اور وہاں اس نے ایک قوم کو پایا۔ ہم نے کہا کہ اے ذوالقرنین (تجھے اختیار ہے کہ) خواہ تو ان کو سزا دے یا ان سے حسن سلوک کر۔ اس نے کہا کہ جو ان میں ظالم ہے اس کو تو میں سزا ہی دوں گا۔ پھر اس (ظالم آدمی) کو اس کے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ (اللہ) اسے اور بھی سخت سزا دے گا۔ اور (ان میں سے) جو کوئی ایمان لائے گا اور نیک اعمال کرے گا تو اس کو (اللہ کے پاس بھی) نیک بدلہ ملے گا اور ہم بھی اپنے معاملے میں اس کو آسان ہی حکم دیں گے۔

سَبَبًا: سبب۔ ذریعہ۔ سامان۔ جمع اَسْبَابٌ۔

حَمِئَةٍ: کیچڑ والا۔ سیاہ رنگ کا پانی۔ دلدل والا۔ حَمْأٌ سے صفت مشبہ۔

نُكْرًا: برا۔ ہولناک۔ انجان۔ نُكْرٌ و نَكَارَةٌ۔ صفت۔

تشریح: یہ تیسرا واقعہ ذوالقرنین کا ہے جو مشرکین مکہ نے اہل کتاب کے کہنے پر، امتحان کے طور پر آپ سے پوچھا تھا۔ ذوالقرنین کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی تھا، بعض کا خیال ہے کہ وہ بادشاہ تھا۔ ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ذوالقرنین نبی تھا؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ذوالقرنین اللہ کا مخلص اور فرماں بردار بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے خلوص کی قدر دانی کی۔　　(روح المعانی ۱۶/۳۰)

مغرب کا سفر

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں اس واقعہ کا حال تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ آپ ان کو بتا دیجئے کہ ہم نے اس کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا وہ جس طرح چاہتا تھا حکم چلاتا تھا۔ اس کو ہر طرح کی سواری میسر تھی، رات دن یا موسم کا اختلاف اس کی رفتار پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔ ہم نے اس کو ہر قسم کا سامان عطا کیا تھا۔ پھر وہ ایک راہ پر چل دیا یہاں تک کہ وہ سورج غروب ہونے کے مقام پر پہنچ گیا۔ اس نے وہاں سورج کو سیاہ دلدلی چشمے میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا اور اس چشمے کے پاس اس نے ایک قوم کو پایا۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ وہ لوگ کافر تھے اور کھال کا لباس پہنتے تھے اور سمندر جن مردہ مچھلیوں یا دوسرے جانوروں کو کنارے پر پھینک دیتا تھا وہی ان کی غذا تھی۔

پھر ہم نے ذوالقرنین کو کہا کہ پہلے تم اس قوم کو توحید کی دعوت دو اگر یہ لوگ نہ مانیں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو ان کو سزا دو اور اگر ایمان لے آئیں تو ان کی عزت کرو اور ہدایت کرو۔ ذوالقرنین نے کہا کہ ان میں سے جو لوگ ظالم اور سرکش ہیں میں ان کو سزا دوں گا پھر جب ان کو اس کے رب کے پاس لوٹایا جائے گا تو وہ ان کو اور بھی سخت سزا دے گا۔ ان میں سے جو لوگ ایماندار اور نیک ہو جائیں گے تو ان کو اچھا بدلہ اور انعام واکرام دوں گا اور اپنی حکومت کے معاملات میں بھی ان سے نرمی برتوں گا۔

(مظہری ۶۲، ۶۴/۶، بیضاوی ۴۳۰، حقانی ۲۱۷/۳)

مشرق کا سفر

۸۹، ۹۱۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ○ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ○ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ

اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝

پھر وہ ایک اور مہم کے لئے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ جا پہنچا (یعنی مشرق میں) تو اس نے سورج کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا جن کے لئے ہم نے سورج سے بچنے کے لئے کوئی آڑ نہیں بنائی تھی۔ (یہ قصہ) اسی طرح ہے اور اس (ذوالقرنین) کے حال کی پوری خبر ہمارے ہی پاس ہے۔

تشریح: مغربی ممالک کو فتح کر لینے کے بعد ذوالقرنین مشرق کی جانب چل دیئے تاکہ مشرقی ممالک کو بھی فتح کر لیں اور ان کو دینِ حق کی دعوت دیں جو اس کو قبول نہ کرے اس کو ذلیل و خوار کر دیں۔ چنانچہ راستہ میں جو قومیں ملتی رہیں وہ ان کو اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کی دعوت دیتے رہے۔ اگر وہ قبول کر لیتے تو ٹھیک ورنہ ان سے قتال کرتے اور اللہ کے فضل سے ان پر غلبہ پاتے۔

پھر وہ چلتے چلتے انتہائی مشرق میں پہنچ گئے جہاں انہوں نے ایک ایسی بستی دیکھی جس کے لوگ نیم وحشی تھے، نہ مکانات بناتے تھے اور نہ سائے کے لئے وہاں کوئی درخت تھا۔ وہ زیر زمین سرنگیں بنا کر رہتے تھے۔ جب سورج طلوع ہوتا تو ان سرنگوں میں داخل ہو جاتے اور زوال کے بعد طلب معاش میں باہر نکلتے۔ الغرض ذوالقرنین کا قصہ اسی طرح ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ اہل تاریخ لکھتے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں اور ذوالقرنین کے پاس کس قدر مال و اسباب اور فوجی لشکر وغیرہ تھا یہ بھی کسی کو معلوم نہیں۔ اس سے صرف ہم ہی واقف ہیں کیونکہ ہمارا علم زمین و آسمان پر حاوی ہے۔ ہم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

(ابن کثیر ۱۰۲/ ۳، مظہری ۶/۶۵)

تیسرا سفر

۹۲، ۹۶۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا

قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝

پھر وہ ایک اور مہم کے لئے روانہ ہو گیا یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں (دو دیواروں) کے درمیان پہنچا تو ان پہاڑوں کے پار اس نے ایک ایسی قوم پائی جو کوئی بات نہیں سمجھ سکتی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین بیشک یاجوج و ماجوج نے تو ملک میں فساد ڈال رکھا ہے تو کیا ہم آپ کے لئے ایک محصول (ٹیکس) قائم کریں (یعنی مال جمع کر دیں) اس کام کے لئے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مستحکم دیوار بنا دیں۔ ذوالقرنین نے کہا کہ جو کچھ میرے رب نے مجھے دے رکھا ہے۔ وہی کافی ہے۔ سو تم ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک خوب مضبوط دیوار بنا دوں گا۔ تم مجھے لوہے کے تختے لا دو۔ یہاں تک کہ جب دونوں پہاڑوں کے درمیانی خلا کو (دیوار چن کر) برابر کر دیا تو کہا کہ اس کو دھونکو (چنانچہ لوگ دھونکنے لگے) یہاں تک کہ جب اس کو سرخ انگارا کر دیا تو اس نے کہا کہ اب تم میرے پاس تانبا لاؤ کہ میں اس کو پگھلا کر اس (دیوار) پر ڈال دوں۔

السَّدَّيْنِ : دو پہاڑ۔ دو رکاوٹیں۔ دو دیواریں۔

رَدْمًا : موٹی دیوار۔ مضبوط دیوار۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

زُبَرَ : لوہے کے تختے۔ لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے۔ واحد زُبْرَةٌ۔

سَاوٰى : اس نے برابر کر دیا۔ وہ برابر ہو گیا۔ مُسَاوَاةٌ سے ماضی۔

صَدَفَیْنِ : پہاڑ کی دو پھانکیں۔ دونوں پہاڑوں کے درمیان کا خلا۔ واحد صَدَفٌ ۔
اُفْرِغْ : میں ڈال دُوں گا۔ اِفْرَاغٌ سے مضارع۔
قِطْرًا : پگھلا ہوا تانبہ۔

تشریح: پھر ذوالقرنین ایک تیسرے راستے پر چل دیئے جو مشرق و مغرب کے درمیان جنوب سے شمال کی طرف تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک گھاٹی میں پہنچے جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھی جہاں ان کو ایک ایسی قوم ملی جو بات نہیں سمجھ سکتی تھی۔ انہوں نے ایک ترجمان کے ذریعہ ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی سرکشی اور فساد کا حال بیان کیا کہ وہ ہمارے علاقے میں آکر قتل وغارت کرتے ہیں۔ بال بچوں کو ہلاک کر دیتے ہیں اور ہماری کھیتیوں کو اجاڑ دیتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ یاجوج وماجوج بھی انسان ہیں۔

پھر ان لوگوں نے ذوالقرنین کی طاقت و قوت اور عقل و ہنر کو دیکھ کر ان سے درخواست کی کہ اگر آپ رضامند ہوں تو ہم اس شرط پر آپ کے لئے بہت مال جمع کر دیں کہ آپ ہمارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان کوئی روک یا دیوار بنا دیں تاکہ وہ ہماری طرف نہ آسکیں اور ہم ان کی سرکشی اور فساد سے بچ جائیں۔

ذوالقرنین نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے اور وہ تمہارے مال سے بہت بہتر ہے۔ اس لئے مجھے مال کی ضرورت نہیں البتہ تم اپنی قوت و طاقت اور جسمانی محنت سے میری مدد کرو تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں۔ تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا کر دو۔ پھر جب انہوں نے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا کر جمع کر دیئے تو ذوالقرنین نے درے کو پہاڑوں کی چوٹیوں تک لوہے اور پتھروں سے چن دیا۔ پھر تانبہ یا سیسہ پگھلا کر اس دیوار پر ڈال دیا جس سے وہ بہت مضبوط اور پختہ ہو گئی اور دیکھنے میں ایسی معلوم ہونے لگی جیسے کوئی دھاری دار چادر ہو۔

(حقانی ۲۱۹/ ۳، مظہری ۶۹،۶۵/ ۶)

یاجوج ماجوج کا دیوار توڑنے سے عاجز ہونا

۹۷، ۹۸۔ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝

پس (ایسی مستحکم اور بلند دیوار تیار ہو گئی کہ) یاجوج وماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے (دیوار کو دیکھ کر) ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی عنایت ہے۔ پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اس کو ڈھا کر برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔

يَظْهَرُوْهُ : وہ اس پر چڑھیں گے۔ وہ اس پر غالب آئیں گے۔ ظُهُوْرٌ سے مضارع۔

دَكَّآءَ : ریزہ ریزہ کرنا۔ برابر کرنا۔ جمع دَكَّاوَاتٌ۔

نَقْبًا : نقب دینا۔ شگاف دینا۔ سوراخ کرنا۔

تشریح: جب دیوار تیار ہو گئی تو اس کی بلندی اور مضبوطی کی وجہ سے یاجوج وماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس کو توڑ سکتے تھے کہ وہاں سے نکل آئیں۔

دیوار کی تعمیر سے فارغ ہو کر ذوالقرنین نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے مخلوق کو ان شریروں کی شرارت سے محفوظ کر دیا۔ البتہ اللہ نے اس کے گرنے کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو یہ دیوار گر جائے گی اور یاجوج وماجوج باہر نکل پڑیں گے۔

یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت

۹۹،۱۰۱ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝

اور اس روز ہم ان کی یہ حالت کر دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا۔ پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کر لیں گے اور اس روز ہم جہنم کو کافروں کے سامنے لائیں گے۔ جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ کچھ بھی نہ سنتے تھے۔

يَمُوْجُ : وہ موج مارے گا۔ وہ لہر مارے گا۔ وہ گڈمڈ ہو گا۔

غِطَآءٍ : (غفلت کا) پردہ۔ جمع اَغْطِيَةٌ۔

تشریح: اپنے مقررہ وقت پر جب دیوار ٹوٹ جائے گی یاجوج وماجوج دھکم پیل کرتے، ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ٹڈی دل کی طرح امڈے چلے آئیں گے اور زمین پر پھیل کر فساد کریں گے۔ قتل وغارت کریں گے اور کھیتوں کو اجاڑ دیں گے۔

پھر فرمایا کہ قیامت برپا ہونے کے وقت مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے کے لئے صور پھونکا جائے گا اور حساب وکتاب اور جزا اور سزا کے لئے تمام مخلوق کو جمع کر دیا جائے گا۔ پھر اس روز ہم جہنم کو کافروں کے بالکل سامنے لا کھڑا کریں گے۔ اس وقت وہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کریں گے۔ یہ کافر لوگ وہ ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنی آنکھوں پر غفلت اور جہالت کا پردہ ڈال رکھا تھا۔ ان کو اللہ کی ذات وصفات اور توحید وعظمت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ اس کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اس کو یاد نہیں کرتے تھے اور نہ وہ کسی وعظ

ونصیحت پر دھیان دیتے تھے کیونکہ ان کے کانوں میں ڈاٹیں لگی ہوئی تھیں۔
(مظہری ۱۷/ ۶، حقانی ۲۱۹، ۲۲۰/ ۳)

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز جہنم کو گھسیٹ کر لایا جائے گا جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ (ابن کثیر ۱۰۵، ۱۰۶/ ۳)

سب سے زیادہ خسارے والے

۱۰۲، ۱۰۶۔ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝

تو کیا کافر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں ہی کو اپنا کارساز بنالیں گے۔ ہم نے بھی کافروں کے اترنے کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے کون لوگ خسارے میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیوی زندگی میں کی کرائی محنت سب گئی گزری ہو گئی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ بڑے اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا اور اس سے ملنے کا انکار کیا سو ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ پس قیامت کے روز ہم ان (کے اعمال) کا کچھ بھی وزن قائم نہ کریں گے۔ یہی جہنم ان کی سزا ہو گی اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری

آیتوں اور رسولوں کا مذاق اڑایا تھا۔

اَعْتَدْنَا : ہم نے تیار کیا۔ اِعْتَادٌ سے ماضی۔

صُنْعًا : کاری گری۔ بنانا۔ کام کرنا۔

لِقَآئِہٖ : اس کی ملاقات۔

حَبِطَتْ : وہ ناپید ہو گئے۔ وہ ضائع ہو گئے۔ حَبْطٌ سے ماضی۔

تشریح: کیا ان کافروں کا خیال یہ ہے کہ انہوں نے مجھے چھوڑ کر مخلوق میں سے جن کو اپنا کارساز اور حاجت روا بنا رکھا ہے وہ ان کو نفع پہنچائیں گے یا ان کی حمایت وشفاعت کریں گے۔ ہر گز ایسا نہیں ہو گا۔ ایسا سوچنا ہی بڑی نادانی ہے کیونکہ مالک کے مقابلے میں اس کی مخلوق جو خود اس کی محتاج ہے وہ کسی کے کیا کام آسکتی ہے۔ بلاشبہ ہم نے کافروں کی مہمانی اور ضیافت کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

اے پیغمبر ﷺ! آپ ان کو کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ان لوگوں کے بارے میں خبر دوں جو قیامت کے روز اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ نقصان میں ہوں گے اور ان کی دنیوی زندگی میں کی ہوئی تمام کوششیں اکارت گئیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کو ان کے اعمال کا ثواب ملے گا۔ لیکن ان کا یہ گمان غلط ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو جھٹلایا سو ان کے کفر کی وجہ سے ان کے تمام اعمال اکارت گئے اور وہ خالی ہاتھ رہ گئے۔ یہی نہیں کہ قیامت کے روز ان کے اعمال کی ذرا بھی قدر و قیمت نہ ہو گی بلکہ ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا کیونکہ انہوں نے دنیا میں کفر کیا تھا۔ ہماری آیتوں اور ہمارے پیغمبروں کا مذاق اڑایا تھا۔

نیک لوگوں کے انعامات

۱۰۸،۱۰۷ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ○ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ○

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کی مہمانی
کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں
سے کہیں اور جانا نہ چاہیں گے۔

اَلْفِرْدَوْسِ : جنت کا نام۔ جنت کا افضل مقام۔

حِوَلاً : جگہ بدلنا۔ پلٹنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ہمارے رسولوں کو سچا مانا اور ان کی اتباع کرتے ہوئے نیک اعمال کئے تو ایسے لوگوں کے لئے جنت الفردوس ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان کو کبھی وہاں سے اکتا کر نکلنے کا خیال آئے گا۔ اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں۔

ترمذی اور حاکم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے سو درجات ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان اور زمین کے درمیان۔ فردوس جنت کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ اسی سے جنت کی چار نہریں نکلتی ہیں اس سے اوپر عرش ہے۔ جب تم اللہ سے (جنت کی) دعا مانگو تو فردوس کی دعا کیا کرو۔ (مظہری ۷۴/۶)

اللہ کے بے شمار کلمات

۱۰۹، ۱۱۰۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ○ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ○

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں پوری ہونے سے پہلے سمندر خرچ ہو جائے اگرچہ اس سمندر کی مثل ہم ایک دوسرا سمندر مدد کے لئے لے آئیں۔

آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے تو اس کو چاہئے کہ وہ نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

مَدَدًا : روشنائی۔ سیاہی۔ اسم ہے۔

نَفِدَ : وہ (لکھتے لکھتے) ختم ہو جائے۔ نَفْدٌ و نَفَادٌ سے ماضی۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ کے علوم کا لا محدود و لا متناہی ہونا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر لکھنے کے لئے سمندر کو روشنائی بنا دیا جائے اور پھر اس روشنائی سے اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں تو روشنائی کا یہ سمندر ختم ہو جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی ایک اور سمندر لے آئیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے کلمات غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر متناہی کو نہیں لکھ سکتا۔

پھر فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں فرشتہ نہیں بلکہ تمہارے ہی جیسا انسان ہوں۔ میں غیب سے واقف نہیں البتہ میں انسان ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کا نبی ہوں۔ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ تمہارے سوال کرنے پر میں نے جو اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعے بیان کئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی نے وحی کے ذریعے مجھے بتائے۔ ان واقعات کا صحیح صحیح بیان کرنا بھی میری نبوت و رسالت کی دلیل ہے۔ لہٰذا تم مجھ پر ایمان لاؤ اور شرک و بت پرستی سے توبہ کرو۔ میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ جس طرح تم اس کے بندے ہو میں بھی اسی کا بندہ ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا ہے۔ اس لئے تم مجھے اس کا رسول مانو۔ میں تمہیں اللہ کا حکم سناتا ہوں کہ جس شخص کو اللہ سے ملنے کی توقع اور امید ہو اور اس کی رضا مطلوب ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرے اور شریعت کے مطابق نیک کام کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۶۲، ۴۶۷/۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ مریم

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حضرت مریمؑ کا قصہ تفصیل سے مذکور ہے۔ اس لئے یہ سورت انہی کے نام سے یعنی سورۂ مریم مشہور ہو گئی۔

تعارف: اس میں ۶ رکوع، ۹۸ آیتیں، ۹۶۸ کلمات اور ۳۹۸۶ حروف ہیں۔

یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ سورۂ کہف کی طرح اس میں بھی عجیب عجیب واقعات کا ذکر ہے۔ سب سے پہلے حضرت ذکریا کی دعا اور حضرت یحییٰ کی ولادت کا بیان ہے۔ اس کے بعد توحید و رسالت اور مبدا و معاد کے اثبات کے لئے حضرت مریم اور بعض انبیا علیہم السلام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

امام احمدؒ اور ابن اسحاقؒ نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا کہ جب صحابہؓ ہجرت کر کے حبشہ گئے اور شاہ نجاشی سے ملے تو اس نے حضرت جعفر بن طالب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو کچھ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس میں سے تمہیں کچھ یاد ہے۔ حضرت جعفر نے کہا کہ ہاں۔ نجاشی نے کہا کہ میرے سامنے تلاوت کرو۔ پھر حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں، جن کو سن کر نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہو گئی اور اس کے اساقفہ بھی اس قدر روئے کہ ان کے سامنے جو کتابیں تھیں وہ تر ہو گئیں۔ نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ پیغام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے ایک ہی مشکوٰۃ کے نور ہیں۔

(مسند احمد ۲۰۲/۱، ابن ہشام ۸۸/۲)

ان سب تذکروں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کے نیک بندوں پر دنیا و آخرت

دونوں میں اس کی عنایتیں اور مہربانیاں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے مخلص اور وفادار بندوں کی ہر موقع پر دستگیری کرتا ہے، اس لئے ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے اور اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: حضرت ذکریاؑ کی دعا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت اور پھر بشارت پوری ہونے کی علامت اور حضرت یحییٰؑ کے اوصاف حمیدہ کا بیان ہے۔

رکوع ۲: حضرت مریمؑ کا واقعہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے خطاب اور حضرت عیسیٰؑ کی حقیقت کا بیان ہے۔ آخر میں کافروں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا غصہ اور حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کا بیان ہے۔

رکوع ۴: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ۔ حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت ادریسؑ کے واقعات اور انعام یافتہ لوگوں کا بیان ہے۔ پھر اہل سعادت و اہل شقاوت کا انجام مذکور ہے۔

رکوع ۵: مرنے کے بعد زندہ ہونے، منکرین کے شبہات، کفار کا استہزا اور ایک کافر کا بے بنیاد دعویٰ کہ اس کو آخرت میں مال و اولاد ملیں گے، مذکور ہیں۔

رکوع ۶: کافروں کے لئے بتوں کا باعثِ ذلت ہونا۔ قیامت کے روز کافروں کی حالت اور اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔
آخر میں مومنین صالحین کا حال مذکور ہے۔

حروف مقطعات

۱۔ کٓھٰیٰعٓصٓ

یہ حروف مقطعات ہیں جو قرآن کریم کی بہت سی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ یہ خاص رموز ہیں جن کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہ لوگوں کو نہیں بتائے گئے۔ اس لئے عوام الناس کو ان

کے معنی اور تاویل میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بس ان حروف کو اللہ کا کلام سمجھنا چاہئے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا

۲-۶، ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ○ اِذْ نَادٰى رَبَّهُ نِدَآءً خَفِيًّا ○ قَالَ رَبِّ اِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ○ وَاِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنْكَ وَلِيًّا ○ يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوبَ ق وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ○

(یہ) ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی تھی۔ جبکہ اس نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا۔ (اس نے) کہا اے میرے رب بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر میں بڑھاپا چمکنے لگا ہے اور اے میرے رب! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، سو تو اپنی طرف سے مجھے ایک وارث عطا فرما۔ جو میرا وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی اور اے میرے رب اس کو پسندیدہ بنا۔

وَهَنَ : وہ کمزور ہو گئی۔ وَهْن" سے ماضی۔

اشْتَعَلَ: اس نے شعلہ مارا۔ اس کے بالوں کی سفیدی پھیل گئی۔ وہ چمک اٹھا۔ اِشْتِعَال" سے ماضی۔

شَيْبًا : بڑھاپا، بالوں کی سفیدی، مصدر ہے۔

عَاقِرًا : بہت بوڑی، بانجھ، عُقْرٌ" و عَقَارَةٌ" سے اسم فاعل،

تشریح: حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک زبردست پیغمبر تھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ آپ بڑھئی کا کام کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ حضرت زکریا بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی جو حضرت مریم کی خالہ تھیں، بانجھ تھیں۔ ان کے اولاد نہیں تھی اور ان کو اپنے رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ ان کے بعد دین میں تغیر و تبدل اور تحریف نہ کر ڈالیں، اس لئے ایک روز انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و زاری کے ساتھ دعا کی اے میرے رب! میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں۔ میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں، میرے سر کے بالوں کی سیاہی سفیدی کے ساتھ بدل گئی ہے۔ مجھے اندرونی اور بیرونی ضعف نے گھیر لیا ہے۔ میں تیرے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں گیا۔ جب بھی تجھ سے کچھ مانگا تو نے اپنے کرم سے عطا فرما دیا۔

میں اپنی موت کے بعد اپنے رشتہ داروں اور وارثوں سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ میرے بعد دین کی حفاظت میں سستی نہ کریں یا دنیوی اغراض کے لئے اس میں تحریف کر دیں، جیسا کہ بنی اسرائیل کرتے رہے ہیں۔ اے میرے پروردگار! میں تیرے دین کی حفاظت اور خدمت کی غرض سے یہ دعا کر رہا ہوں۔ میری بیوی تو شروع ہی سے بانجھ ہے۔ ظاہری اسباب میں اولاد کا کوئی امکان نہیں۔ اس لئے اے میرے رب! تو مجھے خاص اپنی طرف سے بلا اسباب عادیہ ایک ایسا فرزند عطا کر جو میرے بعد میری نبوت کا وارث اور دین کا نگہبان ہو اور اولاد یعقوب کا بھی وارث ہو اور اے اللہ! تو اسے اپنا مقبول اور پسندیدہ بنا لے۔

(ابن کثیر ۱۱۰، ۳/۱۱۱، حقانی ۲۴۰، ۳/۲۴۱)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت

۷۔۹، یٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ○ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ○ قَالَ ۚ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ

هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ○

(ہم نے کہا) اے زکریا، ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی بھی پیدا نہیں کیا، (زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اسی طرح ہوگا۔ تیرے رب کا قول ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور اس سے پہلے میں نے تجھے بھی پیدا کیا ہے حالانکہ تو کچھ بھی نہ تھا۔

عِتِيًّا : انتہائی بڑھاپا، حد سے تجاوز کرنا۔ مصدر ہے۔

هَيِّنٌ : آسان۔ هَوْنٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح : فرشتے نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت زکریا علیہ السلام کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی اور آپ کو ایک نیک فرزند عطا ہوگا جس کا نام یحییٰ (یوحنا) ہوگا۔ اس سے پہلے اس نام کا کوئی اور انسان نہیں ہوا بعض مفسرین نے یہاں سَمِيٌّ کے معنی تشبیہ کے لئے ہیں یعنی ان سے پہلے اس شان اور صفت کا کوئی شخص نہیں ہوا۔ بعض نے یہ معنی بیان کئے کہ اس سے پہلے کسی بانجھ عورت کے ایسی اولاد نہیں ہوئی۔

یہ خوشخبری سن کر حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنی پیرانہ سالی اور بیوی کے بانجھ ہونے کا خیال کر کے تعجب ہوا۔ فرشتے نے کہا کہ تعجب کی کیا بات ہے اسی حالت میں تمہارے لڑکا پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری قدرتِ عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے، اس سے زیادہ تعجب اور قدرت والا کام تو خود تمہاری پیدائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس وقت پیدا کیا جب وہ کچھ نہ تھا، پس جو خدا تمہاری پیدائش پر قادر ہے وہ تمہیں بلا اسباب اولاد دینے پر بھی قادر ہے کیونکہ اسباب بھی وہی پیدا کرتا ہے۔

(حقانی ۲۴۱۔ ۲۴۲ / ۳، ابن کثیر ۱۱۲ / ۳)

بشارت پوری ہونے کی علامت

۱۰-۱۱- قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ○ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ○

(زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین رات تک بات نہ کر سکے گا حالانکہ تو تندرست ہو گا۔ پھر حضرت زکریا محراب سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو اشارے سے کہا کہ صبح و شام (اللہ کی) تسبیح کیا کرو۔

تشریح: جب حضرت زکریا علیہ السلام کو اطمینان ہو گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں اس وعدے سے مطمئن تو ہو گیا ہوں لیکن میرے لئے اس کی کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے جس سے معلوم ہو جائے کہ تیرے وعدے کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے تاکہ میں تیرے شکر میں مشغول ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو تیری زبان کسی مرض یا عذر کے بغیر خود بخود تین دن اور تین رات کے لئے بند ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت زکریا کچھ بات نہ کر سکتے تھے صرف اشاروں سے اپنا مطلب سمجھاتے تھے البتہ تسبیح و استغفار اور حمد و ثنا پر زبان چلتی تھی۔

پھر حضرت زکریا اپنی محراب یعنی خاص عبادت گاہ سے نکل کر باہر آئے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم صبح و شام اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرو۔ اس علامت کے کچھ عرصے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(حقانی ۲۴۲ / ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۷۵ / ۴)

حضرت یحییٰ کے اوصاف حمیدہ

۱۲-۱۵، یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا ۝ وَحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ زَکٰوۃً ؕ وَکَانَ تَقِیًّا ۝ وَبَرًّۢا بِوَالِدَیۡہِ وَلَمۡ یَکُنۡ جَبَّارًا عَصِیًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلَیۡہِ یَوۡمَ وُلِدَ وَیَوۡمَ یَمُوۡتُ وَیَوۡمَ یُبۡعَثُ حَیًّا ۝

اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور ہم نے ان کو لڑکپن میں ہی سمجھ عطا کر دی۔ اور اس کو اپنی طرف سے رحم دلی اور پاکیزگی عنایت کی اور وہ بڑے پرہیز گار تھے۔ اور اپنے والدین کے ساتھ بہت نیکی کرنے والے تھے۔ اور وہ سرکش اور نافرمان نہ تھے۔ اور اس پر سلام ہو، جس دن وہ پیدا ہوئے، جس دن ان کو موت آئے گی اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

صَبِیًّا : بچہ، لڑکا، جمع صِبۡیَانٌ،

حَنَانًا : مہربانی، رقت قلب، رحمت، شفقت، مصدر ہے۔

بَرًّا : نیکی کرنے والا، بھلائی کرنے والا، بِرٌّ سے صفت مشبہ۔

تشریح: ان آیتوں میں حضرت یحییٰؑ کے اوصاف حمیدہ بیان کئے گئے ہیں۔ جو ان کو لڑکپن ہی میں دیئے گئے تھے۔

۱۔ بچپن ہی میں ان کو حکمت اور کتاب کی سمجھ عطا کر دی تھی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تین سال کی عمر میں توریت پڑھ لی تھی اور سمجھ لی تھی۔ جب بچے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کھیلنے کے لئے بلاتے تھے تو وہ ان کو جواب دیتے تھے کہ ہمیں اس کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔

۲۔ وہ نہایت مہربان اور رقیق القلب تھے۔

۳۔ ظاہر و باطن میں پاکدامن تھے۔

۴۔ نہایت پرہیزگار، خدا ترس اور اطاعت گزار تھے۔ نہ کبھی گناہ کیا اور نہ گناہ کا ارادہ کیا۔

۵۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے اور مہربان تھے۔

۶۔ سرکش و خودسر اور اللہ کے نافرمان نہ تھے۔

انہی خوبیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ سلامتی اور رحمت ہو ان پر، پیدا ہونے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کے دن۔

(مظہری ۸۶، ۸۷/ ۶، حقانی ۲۴۳/ ۳)

حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ

۱۶-۲۱۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝

اور اس کتاب میں آپ مریم کا ذکر بھی کیجئے جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے کنارہ کر کے ایک ایسے مکان میں جا بیٹھی جو مشرق کی جانب تھا۔ پھر ان لوگوں کے سامنے انہوں نے پردہ ڈال لیا۔ پھر ہم نے ان کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا سو وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ (مریم نے) کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو پرہیزگار ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تمہیں پاکیزہ لڑکا دوں۔

(مریم نے کہا) میرے کہاں سے لڑکا ہوگا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتے نے کہا اسی طرح ہوگا۔ تیرے رب کا قول ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور (ہم یہ اس لئے کریں گے) تاکہ ہم اس لڑکے کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) ایک نشانی بنادیں اور باعث رحمت بنادیں اور یہ ایک طے شدہ بات ہے (جو ضرور ہوگی)۔

انتَبَذَتْ : وہ علیحدہ ہوئی، اِنْتِبَاذٌ سے ماضی۔

سَوِيًّا : سیدھا، درست، بالکل ٹھیک ٹھاک، سَوَاءٌ سے صفت مشبہ،

اَهَبَ : میں بخشوں، میں دیدوں، وَهْبٌ سے مضارع،

بَغِيًّا : زناکار، بدکار، بَغْيٌ سے صفت مشبہ،

مَّقْضِيًّا : فیصلہ شدہ، طے شدہ، قَضَاءٌ سے اسم مفعول،

تشریح : ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کنواری تھیں انہیں کسی مرد کا ہاتھ تک نہیں لگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے انہیں حضرت عیسیٰ جیسا فرزند عطا فرمایا جو اللہ کے برگزیدہ پیغمبر اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس قرآن کے اس خاص حصے کو پڑھ کر سنایئے جس میں حضرت مریمؑ کا قصہ مذکور ہے کہ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہوکر غسل کے لئے ایک ایسے مکان میں گئیں جو مشرق کی جانب تھا، تو انہوں نے اپنے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈال لیا تاکہ اس کی آڑ میں غسل کرلیں۔ جب وہ غسل کر کے کپڑے پہن چکیں تو اس وقت ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ یعنی جبرائیل امینؑ کو بھیجا۔ سو وہ پورا آدمی بن کر حضرت مریمؑ کے سامنے نمودار ہوا، وہ آدمی کی شکل میں اس لئے نظر آئے تاکہ حضرت مریمؑ ان کو دیکھ کر خوف زدہ نہ ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے حضرت مریم کی پاکبازی کا امتحان مقصود ہو۔

حضرت مریمؑ نے حضرت جبرائیلؑ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر دور ہی سے پکار کر کہنے

لگیں کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تو متقی و پرہیز گار ہے تو یہاں سے ہٹ جا اور مجھ سے تعرض نہ کر۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ میں کوئی بشر اور آدمی نہیں ہوں اس لئے مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں تاکہ میں اللہ کے حکم سے تجھے ایک ایسا لڑکا عطا کروں جو گناہوں سے پاک اور معصوم ہوگا۔

حضرت مریمؑ نے حیرت و تعجب سے جواب دیا کہ میرے لڑکا کیسے ہوگا۔ مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور نہ میں نے کبھی بدکاری کی۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ اسی طرح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بغیر باپ کے ہی لڑکا عطا فرمائے گا کیونکہ تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ بغیر باپ کے بیٹا عطا کرنا مجھ پر آسان ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کی نشانی اور رحمت کا نشان بنادیں تاکہ جو اس پر ایمان لائے وہ ہدایت پائے۔ اور اس بچے کا باپ کے بغیر پیدا ہونا طے شدہ امر ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۸۰ ۴، ۸۱ ۴ / ۴، مظہری ۸۷-۸۹ / ۶)

حضرت مریم کا حمل اور درد کی تکلیف

۲۲-۲۶۔ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝

سو مریم کو (خود بخود) حمل رہ گیا پھر وہ اس (حمل) کو لے کر دور کسی گوشہ میں رہنے لگی۔ پھر دردِ زہ کے مارے کھجور کے پیڑ کی طرف آئی،

کہنے لگی کہ کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔ پھر (فرشتے نے) اس کو نیچے سے آواز دی کہ تو غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے۔ اور کھجور کے پیڑ کو اپنی طرف جھکاؤ۔ تیرے اوپر پکی ہوئی تازہ کھجوریں گر پڑیں گی۔ سو تو کھا اور پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر۔ پھر اگر تو کسی آدمی کو (اعتراض کرتا ہوا) دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے تو اللہ کے واسطے روزے کی منت مان رکھی ہے۔ سو آج میں ہرگز کسی سے بات نہیں کروں گی۔

قَصِيًّا : دور، الگ، قُصُوٌّ سے صفت مشبہ،

الْمَخَاضُ : دردزہ ہونا۔ درد ولادت، مصدر بھی ہے اسم بھی۔

جِذْعِ : درخت، تنا، دھڑ، جمع جُذُوْعٌ،

سَرِيًّا : پانی کا چشمہ، چھوٹی نہر، جمع سَرْيَانٌ

هُزِّيْ : تو حرکت دے۔ تو جھاڑ۔ تو ہلا۔ هَزٌّ سے امر،

رُطَبًا : کھجوریں۔ واحد رُطَبَةٌ۔

جَنِيًّا : تروتازہ، جَنْيٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

اِنْسِيًّا: انسان، آدمی، جمع اُنَاسِی ۔

تشریح : مذکورہ بالا گفتگو کے بعد حضرت جبرائیل نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماری جس سے وہ اسی وقت حاملہ ہو گئیں۔ جب ولادت کا وقت قریب آیا تو وہ مضطرب اور مجبور ہو کر کسی دور دراز مقام پر کھجور کے ایک درخت کے تنے کے پاس چلی گئیں جو بالکل خشک ہو گیا تھا تاکہ اس کی آڑ لے کر پردہ بھی ہو جائے اور سہارا بھی مل جائے۔ پھر گھبرا کر کہنے لگیں کہ کاش میں اس حالت سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو جاتی کہ کوئی میرا نام و نشان تک نہ جانتا۔

حضرت مریمؑ نے فضیحت و رسوائی کے خوف سے موت کی تمنا کی حالانکہ مصیبت و تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا جائز نہیں۔ مفسرین نے اس کا ایک جواب تو اس طرح دیا

ہے کہ شریعت بنی اسرائیل میں اس وقت تک موت کی تمنا کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حالت اضطرار میں ان کی زبان سے بلاارادہ یہ الفاظ نکل گئے، یاان کو اپنے دین کی تباہی کا خیال پیدا ہو گیا اور انہوں نے یہ الفاظ دینی تحفظ کے پیش نظر کہدیئے۔

وہ مقام جہاں حضرت مریمؑ کھجور کے درخت کے نیچے تشریف رکھتی تھیں قدرے بلند تھا۔ فرشتے نے مریمؑ کو وادی کے نیچے کی جانب سے آواز دی کہ غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ تیرے پروردگار نے غیب سے تیرے نیچے وادی میں ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور اس سوکھے درخت کو ہرا بھرا اور پھل دار کر دیا ہے۔ اس طرح اس نے تیرے کھانے پینے کا انتظام کر دیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو حکم دیا کہ وہ کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف کو ہلائے اس سے اس کے اوپر پختہ اور تر و تازہ کھجوریں جھڑیں گی۔ سواے مریم تو اس پھل کو کھا اور نہر کے پانی کو پی اور اس فرزند دلپسند سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ اے مریمؑ یہ تو تیری راحت کا سامان ہوا اور جس بدنامی کا تجھے خوف ہے اس کا انتظام یہ ہے کہ اگر اس کے بعد تو کسی آدمی کو دیکھے اور وہ تجھ سے تیرے بیٹے کا حال پوچھے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے آج اللہ کے لئے خاموش رہنے کی نذر مانی ہے۔ اس لئے آج میں کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۸۱، ۴۸۲ / ۴، مظہری ۸۹۔ ۹۲ / ۶)

حضرت عیسیٰؑ کا قوم سے خطاب

۲۷-۳۳۔ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ○ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ○ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ○ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ قف اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ○ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ

وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝

پھر وہ اس (بچے) کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ اے مریمؑ تو تو ایک عجیب چیز لائی ہے، اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی، پھر مریمؑ نے اس (لڑکے) کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم گود کے بچے سے کیسے بات کر سکتے ہیں۔ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اللہ نے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔ اور مجھے بابرکت بنایا، جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں۔ اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

فَرِيًّا : جھوٹ، بہتان،

اُخْتَ : بہن، جمع اَخَوَاتٌ

سَوْءٍ : برائی، گناہ، آفت

الْمَهْدِ : گود، گہوارہ، جھولا

مَادُمْتُ: جب تک تو رہے۔ دَوْمٌ و دَوَامٌ سے ماضی، فعل ناقص ہے۔

تشریح: پھر حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰؑ کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم والوں کے پاس آئیں۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت مریم حضرت عیسیٰ کی ولادت کے چالیس روز بعد اپنے گھر والوں کے پاس آئیں جب نفاس سے فراغت و طہارت ہو چکی تھی۔ وہ لوگ بڑے دیندار اور نیکوکار تھے۔ حضرت مریم کے ساتھ بچے کو دیکھ

کر کہنے لگے کہ اے مریم تو نے یہ بہت ہی برا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی پھر تو نے یہ کیا کیا۔

حدیث میں ہے کہ مریم کے بھائی کا نام ہارون تھا جن کا زہد و عبادت بنی اسرائیل میں ضرب المثل تھی۔ زہد و عبادت کے اعتبار سے حضرت مریم بھی اپنے بھائی کی مانند تھیں اس لئے ان کو ہارون کی بہن کہا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھیں اس لئے ہارون کی بہن کہا گیا۔

قوم کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر حضرت مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اسی سے پوچھ لو۔ اس پر لوگوں کو مزید غصہ آیا اور کہنے لگے کہ ایک تو تو نے جرم کیا اور پھر ہم سے مذاق بھی کر رہی ہو۔ بھلا ہم گود کے بچے سے کیا پوچھیں وہ ہمیں کیا بتائے گا۔ اتنے میں حضرت عیسیٰ قوم کی طرف رخ کر کے بول اٹھے کہ بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں یعنی خود اللہ یا اس کا بیٹا نہیں جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے اپنا نبی بنایا ہے۔ یعنی میں جھوٹا اور افترا کرنے والا نہیں۔ اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے۔ میں جہاں بھی رہوں اور جس جگہ بھی جاؤں خیر و برکت میرے ساتھ رہے گی۔ جب تک میں دنیا میں زندہ ہوں اللہ نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید فرمائی ہے اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے اور اس نے مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا کہ اس کا حکم نہ مانوں مجھ پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن میں قبر سے زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

(روح المعانی ۸۷۔۹۰/۱۶، مظہری ۹۲۔۹۴/۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت

۳۴۔۳۷، ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ج قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِىْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ O مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ لا سُبْحٰنَهٗ ط اِذَا قَضٰىٓ اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ O وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ

یہ ہے مریم کا بیٹا عیسیٰ (یہ ہے) سچی بات جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں۔
اللہ ایسا نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ذات ہے۔ جب وہ کوئی کام
کرنا چاہتا ہے تو بس اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے اور بیشک
اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، سو تم اسی کی عبادت کرو۔ یہی
سیدھا راستہ ہے۔ پھر مختلف گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔

يَمْتَرُوْنَ :وہ شک کرتے ہیں۔ اِمْتِرَاءٌ سے مضارع۔

اَحْزَابُ :گروہ، جماعتیں، واحد حِزْبٌ

تشریح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود و نصاریٰ کے بیہودہ خیالات و اعتقادات میں افراط و تفریط کا یہ عالم تھا کہ نصاریٰ نے تو ان کی تعظیم میں اتنا غلو کیا کہ ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور یہود نے ان کو اتنا گرایا کہ یوسف نجار کی ناجائز اولاد کہدیا۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ دونوں کو غلط بتا کر حضرت عیسیٰ کی حقیقت واضح فرما دی کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ یہی حق اور سچ ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ وہ اپنے لئے اولاد اختیار کرے۔ اس کی ذات ان ظالموں کے اعتقادات اور خیالات سے پاک ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس کام کے لئے کسی قسم کے سامان و اسباب کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ اس کے صرف اتنا کہدینے سے کہ ہو جا وہ کام ہو جاتا ہے۔ پس جو خدا ایسا قادر مطلق ہے اس کو اولاد کی حاجت نہیں۔

حضرت عیسیٰ نے اپنی ماں کی گود میں سے لوگوں کے ساتھ جو باتیں کی تھیں ان میں سے یہ بھی تھی کہ انہوں نے لوگوں سے کہا تھا کہ بیشک میرا اور تمہارا رب اللہ ہے سو تم سب اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا اور توحید کا راستہ ہے جو میں اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہوں۔ جو اس راستے پر چلے گا وہی ہدایت پائے گا اور جو اس کے خلاف کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔

پس حضرت عیسیٰ کے بارے میں حقیقت واضح ہونے کے باوجود لوگ مختلف

گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ کسی نے کہا یہ خدا ہے۔ کسی نے کہا کہ خدا کا بیٹا ہے۔ کسی نے کہا کہ ان کا کلام وغیرہ سب جادو کا کرشمہ ہے، البتہ ایک گروہ نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہی بات صحیح ہے۔ حضرت عیسیٰ کے بارے میں اہل اسلام کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہی تعلیمات خداوندی ہیں۔ (ابن کثیر ۱۲۰، ۱۲۱/ ۳، روح المعانی ۹۱، ۹۲/ ۱۶)

کفار کا انجام

۳۷۔۴۰۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ○

سو کافروں کے لئے ایک بڑے دن میں جب انہیں (اللہ کے سامنے) حاضر ہونا پڑے گا، بڑی خرابی ہے۔ جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے اس دن تو وہ کیا ہی خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے، لیکن آج یہ ظالم صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور آپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرائیے جب کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں۔ بیشک تمام زمین اور زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث ہوں گے اور سب ہمارے ہی پاس لوٹائے جائیں گے۔

وَيْلٌ: ہلاکت ہے، بڑی خرابی ہے، کلمۂ زجر و عذاب ہے۔

مَّشْهَدِ: شہادت دینا، حاضر ہونا، گواہی دینے کی جگہ، شُهُوْدٌ و شَهَادَةٌ سے اسم ظرف،

تشریح : سو جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں ان کے لئے قیامت کے دن بڑی ہلاکت و بربادی اور شدید عذاب ہے۔ یہ کافر جو آج دنیا میں بہرے اور اندھے بنے ہوئے ہیں، نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، قیامت کے روز جب یہ ہمارے سامنے آئیں گے تو اس وقت یہ خوب سننے اور دیکھنے والے ہوں گے، لیکن اس وقت کا سننا اور دیکھنا ان کو کچھ نفع نہ دے گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے ڈرائیے جب تمام اعمال کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے اور موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر اہل جنت، جنت کے اندر اور اہل دوزخ، دوزخ کے اندر کبھی نہیں مریں گے۔ اس حسرت و ندامت سے آج یہ غافل ہیں بلکہ اس پر یقین بھی نہیں رکھتے کہ واقعی ایسا دن آنے والا ہے۔

بخاری، مسلم اور ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کو ایک بڑے مینڈھے کی شکل میں (قیامت کے دن سب کے سامنے) لایا جائے گا، پھر ایک منادی پکارے گا: اے اہل جنت، جنت والے سر اٹھا کر جھانک کر دیکھیں گے، منادی کہے گا کیا اس کو پہچانتے ہو۔ اہل جنت کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے۔ پھر وہ منادی پکارے گا اے اہل دوزخ تو وہ سر اٹھا کر اور جھانک کر دیکھیں گے۔ پھر وہ منادی کہے گا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو۔ اہل دوزخ کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے۔ پھر سب کی نظروں کے سامنے جنت اور دوزخ کے درمیان موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر وہ منادی کہے گا کہ اے اہل جنت یہاں ہمیشہ رہنا ہے اب موت نہیں آئے گی اور اے اہل دوزخ (تمہیں بھی) یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اب موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

پھر فرمایا کہ بیشک جب سب زمین والے فنا ہو جائیں گے اور کسی کا مُلک و مِلک باقی نہ ہوگی تو ہم ہی باقی رہیں گے اور ہم ہی ان کے مال و متاع کے وارث ہوں گے اور آخرت میں سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اس وقت ہم ان کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیں گے۔ (روح المعانی ۹۳۔ ۹۴ / ۱۶، عثمانی ۶۵ / ۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

۴۱-۴۵، وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْقَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَالَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ قَدْجَاۗءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَالَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ لَاتَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝

اور اس کتاب میں آپ ابراہیمؑ کا ذکر بھی کیجئے۔ بیشک وہ نہایت سچے نبی تھے۔ جب اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ آپ اس چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتی ہے اور نہ دیکھ سکتی ہے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکتی ہے۔ اے میرے باپ! بیشک میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا سو تم میرے کہنے پر چلو تاکہ میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں۔ اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کرو۔ بیشک شیطان تو اللہ کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر اللہ کا عذاب نہ آپڑے۔ پھر تم (بھی) شیطان کے ساتھی ہو جاؤ۔

تشریح : اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکین کے سامنے جو اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا متبع خیال کرتے ہیں، حضرت خلیل اللہ کا واقعہ بیان کر دیجئے کہ اس سچے نبی نے اپنے باپ کی بھی پرواہ نہ کی اور اس کے سامنے حق کا اعلان کیا اور اس کو بت پرستی سے روکا کہ تو ان بتوں کی پوجا کیوں کرتا ہے۔ عبادت کے وقت جب تو ان بتوں کی ثنا کرتا

ہے۔ اس وقت یہ بت نہ تیری ثنا کو سنتے ہیں اور نہ تیرے خشوع و خضوع کو دیکھتے ہیں اور نہ ان کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ تجھے کسی قسم کا نفع یا ضرر پہنچا سکیں۔

اے میرے باپ! اللہ کی طرف سے جو علم مجھے عطا ہوا ہے وہ تیرے پاس نہیں ہے اس لئے تو میری اتباع کر میں تجھے راہ راست دکھاؤں گا، برائیوں سے نکال کر بھلائیوں کے راستے پر لگادوں گا۔ تو شیطان کی عبادت چھوڑ دے، کیونکہ وہ اللہ کا بڑا نافرمان ہے۔ اس نے اللہ کی فرماں برداری سے تکبر کیا، اسی لئے راندۂ درگاہ ہو گیا۔ اگر تو نے اس کی عبادت کی تو وہ تجھے بھی اپنی حالت پر پہنچا دے گا۔ اے میرے باپ! تیرے شرک و عصیان سے تو مجھے خوف ہے کہ کہیں تجھ پر اللہ کا کوئی عذاب نہ آجائے اور تو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں شیطان کا دوست اور اس کا ساتھی نہ بن جائے۔

(روح المعانی ۹۶،۹۷/ ۱۶، ابن کثیر ۱۲۳/ ۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا غصہ

۴۶-۴۸۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِيًّا ۞ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِيًّا ۞ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِيًّا ۞

اس نے کہا، اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے۔ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے ضرور سنگسار کردوں گا اور ایک مدت کے لئے میرے پاس سے دور ہو جا۔ ابراہیم نے کہا تو میرا تمہیں سلام ہے۔ میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا کیونکہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ اور میں نے تمہیں بھی چھوڑا اور تمہارے ان معبودوں کو بھی جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو اور میں تو اپنے ہی رب کی

عبادت کروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا۔

رَاغِبٌ: رغبت کرنے والا، منہ پھیرنے والا، رَغْبَۃٌ سے اسم فاعل،

اَرْجُمَنَّکَ: میں تجھے ضرور سنگسار کروں گا، رَجْمٌ سے مضارع،

مَلِیًّا: مدت، عرصہ،

حَفِیًّا: بڑا مہربان، بحث کرنے والا، حَفَاوَۃٌ سے صفت مشبہ،

اَعْتَزِلُکُمْ: میں تم سے کنارہ کرتا ہوں، اِعْتِزَالٌ سے مضارع،

تشریح: حضرت ابراہیمؑ کے باپ نے اپنے کفر و جہالت کی وجہ سے نہایت درشتی، بد خلقی اور سخت کلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے نفرت کرتا ہے اس لئے ان کی مذمت کر رہا ہے۔ اگر تو میرے معبودوں کو برا کہنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے ضرور سنگسار کر دوں گا۔ تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جا۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اچھا اللہ تعالیٰ تجھے ظاہری و باطنی آفتوں سے سلامتی عطا فرمائے میں اب جاتا ہوں اور تجھ سے رخصت ہوتا ہوں۔ البتہ میں تیرے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگتا رہوں گا۔ بے شک وہ مجھ پر بہت ہی مہربان ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ جب اس کا خاتمہ کفر پر ہو گیا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں اپنے دین کو لے کر تم سب عزیز و اقارب اور اہل وطن سے علیحدہ ہو کر اور ان بتوں کو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، چھوڑ کر ملک شام کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔ میں وہاں اپنے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں گا جو مجھے دیکھتا ہے اور میری دعا کو سنتا ہے۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا، جس طرح تم اپنے معبودوں کی پوجا کر کے محروم اور ناکام رہتے ہو۔

(مظہری ۹۹،۱۰۰/۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

۴۹-۵۰۔ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ○

پھر جب ابراہیمؑ نے ان کو اور ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے تو ہم نے ان کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے (بہت کچھ) عطا کیا اور ان کا ذکر خیر بلند کیا۔

تشریح : جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے عزیز و اقارب اور اہل وطن اور ان بتوں کو چھوڑ کر جن کو وہ پوجتے تھے، ملک شام ہجرت کر گئے اور ان سے اپنی برأت اور علیحدگی کا اعلان کر دیا تو ہم نے ان کو کنبہ قبیلہ اور عزیز و اقارب چھوڑنے کے صلے میں اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا فرمایا۔ پھر ان دونوں کو ہم نے نبوت عطا کی۔ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور تینوں کو اپنی رحمت اور برکت سے خاص حصہ دیا اور دنیا میں ان کا نام بلند کیا کہ ہر ایک ان کو خیر اور بھلائی کے ساتھ یاد کرتا ہے اور تمام اہل ملت و دین ان کی مدح و ثنا کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

۵۱-۵۳۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى ۚ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ○ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ○

اور اس کتاب میں آپ موسیٰ کا ذکر کیجئے۔ بلاشبہ وہ اللہ کے خاص کئے

ہوئے (بندے) تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے اور ہم نے ان کو کوہ طور کے دائیں جانب سے پکارا اور راز کی باتیں کرنے کے لئے ان کو نزدیک کیا اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا کیا۔

تشریح: یہ چوتھا قصہ ہے جس میں حضرت موسیٰ کی پانچ صفتیں مذکور ہیں۔

۱۔ وہ اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندے تھے۔ ۲۔ رسول اور نبی تھے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا۔ ۴۔ ان کو اپنا مقرب بنایا۔ ۵۔ ان کی فرمائش سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنایا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کو حضرت موسیٰ کا قصہ پڑھ کر سنایئے۔ بلاشبہ حضرت موسیٰ خالص اللہ کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ وہ اللہ کے فرستادہ اور مخلوق کو احکام خداوندی سے آگاہ کرنے والے تھے۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک "نبی" کا لفظ عام ہے اور "رسول" خاص ہے۔ رسول وہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص امتیاز حاصل ہو مثلاً کوئی مستقل کتاب یا کوئی مستقل شریعت عطا ہوئی ہو۔ وغیرہ۔ نبی وہ ہے جو اللہ کی طرف سے خبر دے گو اس کے ساتھ کوئی مستقل کتاب یا مستقل شریعت نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت موسیٰ کو مبارک پہاڑ طور کی دائیں جانب سے آواز دی اور ان کو راز کی باتیں سنانے کے لئے اپنے قریب کر لیا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ آگ کی تلاش میں تھے اور دور سے آگ دیکھ کر کوہ طور کی طرف بڑھے تھے، ہم نے حضرت موسیٰ پر ایک مہربانی یہ بھی کی تھی کہ ہم نے ان کے بھائی حضرت ہارون کو بھی نبی بنا کر ان کی مدد کے لئے ان کے ساتھ کر دیا۔

(ابن کثیر ۱۲۴، ۱۲۵/ ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۰۳، ۵۰۴/ ۴)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا واقعہ

۵۴۔۵۵۔وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلاً نَّبِيًّا ○ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ○

اور اس کتاب میں آپ اسمٰعیل کا بھی ذکر کیجئے۔ بیشک وہ وعدے کے سچے تھے اور وہ رسول بھی تھے اور نبی بھی تھے۔ اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک بہت پسندیدہ تھے۔

تشریح: یہاں حضرت اسمٰعیل کا وعدے کا سچا ہونا ایک خاص امتیاز کے طور پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ سے یا کسی بندے سے جس چیز کا بھی وعدہ کیا اس کو نہایت اہتمام اور مضبوطی سے پورا کیا۔ انہوں نے اپنے والد حضرت ابراہیمؑ کے خواب کے بعد اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ذبح کرنے کے لئے پیش کر دیں گے اور اس پر صبر کریں گے۔ وہ اس وعدے میں پورے اترے۔ ایک شخص نے ان سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا۔ حسب وعدہ حضرت اسمٰعیلؑ وہاں پہنچ گئے۔ لیکن وہ شخص نہیں آیا آپ اس کے انتظار میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ پورا ایک دن رات گزر گیا۔ پھر جب اس شخص کو یاد آیا تو اس نے آکر دیکھا کہ آپ اس کے انتظار میں وہیں کھڑے ہیں۔ اس نے معذرت کی اور کہا کہ میں بھول گیا تھا۔

پس حضرت اسمٰعیلؑ ہر حق ادا کرتے تھے اور ہر وعدہ پورا کرتے تھے کیونکہ وعدہ خلافی بہت بُری چیز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا اور امانت میں خیانت کرنا۔ مومن ان آفتوں سے بچتے رہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ حضرت اسمٰعیلؑ خصوصیت کے ساتھ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے ہاں برگزیدہ اور نہایت پسندیدہ تھے۔

(روح المعانی ۱۰۴/ ۱۶، ابن کثیر ۱۲۵، ۱۲۶/ ۳)

حضرت ادریس علیہ السلام کا واقعہ

۵۶۔۵۷۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ○

اور اس کتاب میں آپ ادریس کا بھی ذکر کیجئے۔ بیشک وہ بڑے سچے (اور) نبی تھے۔ اور ہم نے ان کو بلند مقام پر پہنچایا۔

تشریح : یہ حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت نوح علیہ السلام کے جد امجد تھے۔ آپ کا اصل نام اخنوع اور ادریس لقب ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے آپ ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ آپ درزی کا کام کرتے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے کپڑا سیا اور پہنا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ادریس قلم سے لکھنے، کپڑا سینے اور سیا ہوا کپڑا پہننے کے موجد ہیں۔ آپ سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالوں کو لباس کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے ہتھیار بنائے اور کافروں سے جنگ کی۔ کتاب، قلم، ترازو اور پیمانہ بھی آپ ہی کی ایجاد ہیں۔ علم نجوم اور حساب کے بھی آپ ہی موجد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس قرآن میں سے لوگوں کو حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر پڑھ کر سنائیے۔ بلا شبہ وہ بڑے سچے اور سر تا پا صدق تھے۔ وہ نبی تھے۔ اللہ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے۔ ہم نے ان کو نبوت و رسالت اور قرب و معرفتِ الٰہی کا خاص مقام عطا فرمایا۔ بعض مفسرین کے نزدیک مکانا علیا سے مراد حضرت عیسیٰ کی طرح آسمان پر اٹھا لینا ہے۔

(مظہری، ۶/۱۰۲، روح المعانی ۱۶/۱۰۵)

انعام یافتہ انبیا

۵۸- أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّنَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَآءِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝

آدم کی نسل میں سے یہ وہ انبیا ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا اور یہ ان (لوگوں کی نسل) میں سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب) کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور برگزیدہ کیا۔ جب ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے تھے۔

تشریح: جن انبیا کا ذکر اس سورت میں ہے یا اس سے پہلے ہو چکا ہے یا بعد میں ہوگا وہ سب وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص انعام فرمایا۔ ان انبیاؑ میں بعض حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں جیسے ادریس علیہ السلام، بعض ان لوگوں کی نسل سے ہیں جن کو ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام جو سام بن نوح کی اولاد میں سے ہیں اور سام بن نوح کشتی میں سوار تھے۔ ان میں سے بعض حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہیں جیسے اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام اور بعض اسرائیل یعنی حضرت یعقوبؑ کی نسل سے ہیں۔ جیسے موسیٰ وہارون وزکریا ویحیٰ علیہم السلام۔ یہ سب وہ لوگ تھے جن کو ہم نے ہدایت دی اور منصبِ نبوت کے لئے منتخب کیا۔ یہ ایسے برگزیدہ بندے تھے کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو وہ خوف و خشیت اور شوق و محبت سے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔

(روح المعانی ۱۰۷، ۱۰۸/ ۱۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵۰۷/ ۴)

اہلِ سعادت واہلِ شقاوت کا انجام

۵۹-۶۳۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ○ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحاً فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ○ جَنّٰتِ عَدْنِنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ط اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ○ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰماً ط وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ○ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ○

پھر ان کی جگہ ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی پھر ان کی گمراہی بھی بہت جلد ان کے آگے آئے گی۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو یہی وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے۔ وہ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے۔ بیشک اس کا وعدہ ہو کر رہے گا۔ وہ لوگ اس (بہشت) میں سلام کے سوا کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے اور وہاں صبح و شام ان کو ان کا رزق ملے گا۔ یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو پرہیز گار ہو گا۔

غَيًّا : گمراہی، عذاب، ہلاکت، یہاں عذاب مراد ہے۔

مَاْتِيًّا : لایا ہوا، حتمی، یقینی، اِتْيَانٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: انبیا علیہم السلام حدود خداوندی کے محافظ اور نیک اعمال کے نمونے تھے۔ ان

کے تذکرے کے بعد اب بداعمالوں کا ذکر ہے کہ ان انبیا کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز جیسے فریضے کو بھی ضائع کر دیا اور ناجائز نفسانی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے۔ سو بہت جلد قیامت کے دن، ایسے لوگ سخت خسارے میں رہیں گے یہاں نماز ضائع کرنے سے مراد یا تو اسے بالکل ترک کر دینا ہے یا نماز ترک کرنے سے مراد نماز کے وقتوں کی صحیح طور پر پابندی نہ کرنا ہے کیونکہ نماز کا انکار تو کفر ہے۔

البتہ جن لوگوں نے توبہ کرلی اور کفر چھوڑ کر ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے۔ تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی بالکل حق تلفی نہیں کی جائے گی بلکہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ دائمی باغ ایسے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ان سے غائبانہ وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک وہ لوگ وہاں ضرور پہنچائے جائیں گے اور وہ اسے ضرور پائیں گے جس کا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ وہ لوگ ان باغوں میں سلام کے سوا کوئی فضول اور خراب بات نہیں سنیں گے وہاں ان کو کشادگی کے ساتھ صبح و شام ہر طرح کا کھانا ملا کرے گا۔ جن جنتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ ہم اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو ان کا وارث بنائیں گے جو متقی اور پرہیزگار ہوں گے۔

(ابن کثیر ۱۲۷۔۱۳۰/ ۳، مظہری ۱۰۴۔۱۰۷/ ۶)

نزولِ جبرائیل، حکم الٰہی کے تابع ہونا

۶۴-۶۵- وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلاَّ بِاَمْرِ رَبِّكَ ج لَهٗ مَابَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ج وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ○ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ط هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ○

(فرشتوں نے کہا) اور ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر اتر کر نہیں آتے۔ جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے۔ اور جو کچھ اس کے درمیان ہے وہ سب اسی (اللہ) کا ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں، وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ان چیزوں کا بھی جو ان

کے درمیان میں ہیں۔ سو اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کی عبادت پر
قائم رہو۔ کیا تمہارے علم میں اس جیسا کوئی اور ہے۔

اِصْطَبِرْ : تو صبر کر، تو قائم رہ، اِصْطِبَارٌ سے امر،

سَوِيًّا : سیدھا، درست، بالکل ٹھیک ٹھاک، سَوَاءٌ سے صفت مشبہ،

شانِ نزول: روایت کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا گیا تو جبرائیل (علیہ السلام) کچھ عرصے تک آپ کے پاس نہیں آئے۔ اس لئے آپ کو فکر لاحق ہوئی کہ ان سوالات کا جواب کیسے دیا جائے اور اس صورت حال پر آپ غمگین ہوگئے اور مشرکین بھی کہنے لگے کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ پھر جب جبرائیل (علیہ السلام) آئے تو آپ نے فرمایا کہ اے جبرائیل تم آئے نہیں اور مجھ پر یہ عرصہ بھاری گزرا۔ جبرائیلؑ نے کہا کہ میں تو خود آنے کا اشتیاق رکھتا تھا لیکن میں تو حکم کا پابند ہوں۔ جب بھیجا جاتا ہے تو آجاتا ہوں، جب روک لیا جاتا ہے تو رک جاتا ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اور سورۂ والضحیٰ نازل کیں۔

(روح المعانی ۱۱۳/۱۶)

تشریح: حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ ہمارا زمین پر اترنا اور وقتاً فوقتاً آپ کے پاس آنا اپنے اختیار اور مرضی سے نہیں بلکہ جب اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تب ہی اترتے ہیں۔ دنیا و آخرت کے تمام امور اسی کے قبضے اور ملکیت میں ہیں۔ آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔ وہ آپ کے حال سے واقف ہے وہ جب چاہتا ہے ہمیں آپ کے پاس بھیج دیتا ہے۔ سو ہمارا آنا اور نہ آنا اسی کے علم و حکم سے ہے۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کے درمیان کی تمام مخلوق کا خالق و مالک اور مدبر و متصرف وہی اللہ تعالیٰ کی ذات واحد و یکتا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم کو ٹال سکے، لہٰذا اسی کی عبادت میں لگے رہئے اور اس پر جمے رہئے۔ کوئی اس کا ہم نام، ہم صفت اور مثیل و شبیہ نہیں۔ وہ اپنی ذات و صفات میں واحد و یکتا ہے۔ اس لئے آپ اسی کی عبادت میں لگے رہئے۔

(مظہری ۱۰۷، ۱۰۸/ ۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۰، ۵۱۱/ ۴)

مرنے کے بعد زندہ ہونے پر شبہات

۶۶۔۷۲۔ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَ اِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ○ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ○ فَوَ رَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ○ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ○ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ○ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ج كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ○

اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے (قبر سے باہر) نکالا جاؤں گا۔ کیا وہ انسان یاد نہیں کرتا کہ پہلے بھی ہم ہی نے اس کو پیدا کیا تھا اور وہ (اس وقت) کچھ بھی نہ تھا۔ سو (اے پیغمبر) آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب کو اور شیطانوں کو ضرور جمع کریں گے۔ پھر ہم ان کو دوزخ کے گرد اس حالت میں لائیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ پھر (ان کفار کے) ہر گروہ میں سے ہم ان لوگوں کو جدا کریں گے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ سے سرکشی کرتا تھا۔ پھر ہم خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو جہنم میں جانے کے زیادہ لائق ہیں اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو اس (جہنم) کے اوپر سے گزرنے والا نہ ہو۔ آپ کے رب نے یہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ پھر جو اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں ہم (دوزخ سے) بچالیں گے اور ہم گنہگاروں کو اس میں اوندھے منہ گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

جِثِيًّا : زانوؤں پر گرے ہوئے، اوندھے گرے ہوئے، واحد جَاثِی"۔

نَنْزِعَنَّ : ہم ضرور کھینچ لیں گے، ہم ضرور الگ کر دیں گے۔

شِيْعَةٍ : فرقہ، گروہ، جمع شِیَعٌ و اَشْيَاعٌ

عِتِيًّا : انتہائی بڑھاپا، حد سے تجاوز کرنا، بہت سرکشی کرنا، مصدر ہے۔

تشریح: منکرینِ قیامت کے نزدیک، قیامت کا آنا محال تھا۔ ان کے خیال میں موت کے بعد زندہ ہونا ناممکن تھا۔ وہ قیامت اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا حال سن کر تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی بن جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو کر نابود ہو جائیں گی تو پھر ہمیں دوبارہ زندہ کر کے کیسے قبروں سے نکالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ منکرینِ حشر، یہ نہیں سوچتے کہ جس خالقِ حقیقی نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھے، وہی قادرِ مطلق ان کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ انسان پہلی پیدائش کا تو قائل ہے اور دوسری دفعہ پیدا کرنے کا انکار کرتا ہے حالانکہ جس قادر مطلق نے اس کو پہلی دفعہ پیدا کر دیا جبکہ یہ کچھ بھی نہ تھا، اس کے لئے اس کو دوبارہ پیدا کرنا بہت آسان ہے۔

پھر فرمایا کہ تیرے رب کی قسم! قیامت کے روز ہم ان منکرینِ حشر کو زندہ کر کے میدان حشر میں ضرور جمع کریں گے اور ان کے ساتھ ان شیطانوں کو بھی جمع کر دیں گے جو دنیا میں ان کو بہکایا کرتے تھے۔ پھر ہم ان کو جہنم کے سامنے لا حاضر کریں گے۔ اس وقت یہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو ہم ان میں سے ان بڑے بڑے مجرموں اور سرکشوں کو الگ کر لیں گے جو دنیا میں سب سے زیادہ سرکشی کرتے تھے۔ تحقیق ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو دوزخ میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔

تم میں سے ہر ایک خواہ مومن ہو یا کافر دوزخ کے اوپر (پل صراط) سے گزرنے والا ہے کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے۔ اہل ایمان و تقویٰ اس پر سے صحیح و سالم گزر جائیں گے اور کافر سر اور گھٹنوں کے بل اس میں اوندھے جا گریں گے۔ گنہگار مسلمان بھی الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے لیکن کچھ مدت کے بعد ان کو ان کے نیک اعمال اور انبیاؑ اور نیک لوگوں کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ آخر میں جہنم میں صرف کافر رہ جائیں گے اور پھر

دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا یہ آپ کے رب کے وعدے کے مطابق ضروری ہے اور اللہ کا یہ وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

(ابن کثیر ۱۳۱ / ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵۱۴ / ۴)

کفار کا استہزا

۷۳-۷۵۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ○ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ○ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ○

اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو جو کافر ہیں وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ بتاؤ دونوں فریقوں میں سے کس کا مقام (مرتبہ) بہتر اور کس کی مجلس زیادہ اچھی ہے اور ان سے پہلے ہم بہت سے ایسے گروہ ہلاک کر چکے ہیں جو سامان اور نمود میں ان سے کہیں بہتر تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی گمراہی میں پڑا ہوا ہے تو اللہ بھی اس کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ خواہ عذاب کو یا قیامت کو۔ تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کی جگہ بری ہے اور کس کی فوج کمزور ہے۔

نَدِيًّا: مجلس، محفل،

رِءْيًا: نمود، منظر،

تشریح: جب ان کافروں کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں جن میں قیامت کے دلائل اور ان کافروں کے ذلت آمیز انجام کا ذکر ہوتا ہے تو وہ ان کے جواب سے عاجز آکر تمسخر واستہزا کے طور پر غریب مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت قائم بھی ہوئی تو جس طرح مال ودولت اور عزو شرف کے اعتبار سے ہم دنیا میں تم سے اچھے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی ہم تم سے اچھے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی امتیں اور قومیں ہلاک کر چکے ہیں جو مال ودولت اور عزت و شوکت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں۔ جب انہوں نے انبیا کی تکذیب کی اور ان کی شرارت وسرکشی حد سے بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ وبرباد کر دیا۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جو کافر اپنے مال ودولت کے نشے میں مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ حکیم وکریم ہے۔ وہ سرکشوں کو پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گمراہوں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے اور ان کی رسی کو دراز کرتا رہتا ہے۔ پھر جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو یکایک ان کو دنیوی یا اخروی عذاب میں پکڑ لیتا ہے۔ اس وقت ان کو پتہ چل جاتا ہے کہ عزت ومنزلت والا کون ہے اور ذلیل وحقیر کون؟

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۸، ۵۱۹ / ۴)

مومنوں کے مراتبِ قرب میں اضافہ

۷۶- وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝

اور جو راہِ راست پر ہیں، اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا رہتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہت ہی بہتر ہیں۔

عِنْدَ: نزدیک، قریب، پاس، اسم ظرف ہے۔

مَرَدًّا: لوٹا یا جانا، مراد انجام۔

تشریح: جس طرح گمراہوں کی گمراہی بڑھتی رہتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کے ایمان و یقین کو بڑھاتا رہتا ہے۔ اور ان کے مراتب قرب میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ جہاں تک اعمال صالحہ اور نیک اعتقادات کا تعلق ہے تو یہی پائیدار اور باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔ یہ اجر و ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور انجام و ثمر کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں۔

باقیاتِ صالحات سے وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جو مرنے کے بعد انسان کے کام آئیں گے۔

ایک حدیث میں ان کلمات سُبْحَانَ اللّٰہ وَالْحَمْدُلِلّٰہ وَلاَ اِلٰہَ اِلّا للّٰہ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہ، کو باقیات صالحات فرمایا گیا ہے۔

(مظہری ۱۱۵۔۶/۱۱۶)

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک خشک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے اس کی شاخ پکڑ کر ہلائی تو خشک پتے جھڑنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو لاَ اِلٰـہَ اِلّا للّٰہ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰہ وَالْحَمْدُلِلّٰہ، کہنے سے اسی طرح گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ اے ابو درداان (کلمات) کا ورد رکھو اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے کہ تو ان کو کہہ نہ سکے۔ یہی باقیاتِ صالحات ہیں۔ یہی جنت کے خزانے ہیں۔

(ابن کثیر ۳/۱۳۵)

کافروں کا بے بنیاد دعویٰ

۷۷-۸۰-اَفَرَءَ یْت الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ○ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ○ كَلَّا ط سَنَكْتُبُ مَايَقُولُ وَنَمُدُّلَـهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ○ وَّنَرِثُهٗ ما يَقُولُ

وَیَاْتِیْنَا فَرْدًا ○

بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیتوں کا منکر ہو گیا اور کہتا ہے کہ مجھے مال اور اولاد مل کر رہے گا۔ کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا یا اس نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے۔ ہر گز نہیں جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اسے لکھتے جاتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے جاتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اس کے وارث ہو جائیں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔

شانِ نزول: شیخین نے حضرت خباب بن ارت کا بیان نقل کیا ہے، حضرت خباب کہتے ہیں میں لوہار کا کام کرتا تھا۔ میں نے عاص بن وائل کا کچھ کام کیا اور میری مزدوری اس کے پاس جمع ہو گئی۔ ایک روز میں اپنی مزدوری مانگنے اس کے پاس گیا۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہیں کرے گا میں (تیرا قرض) ادا نہیں کروں گا، میں نے کہا خوب سن لے۔ خدا کی قسم جب تو مر کر دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے گا اس وقت تک بھی میں کفر نہیں کروں گا۔ عاص کہنے لگا کہ کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ میں نے کہا ہاں۔ عاص نے کہا تو پھر میرے پاس وہاں مال بھی ہو گا اور اولاد بھی، میں وہیں تیرا قرض چکا دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۶/۱۱۶)

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اس شخص یعنی عاص بن وائل کو دیکھا ہے جو ہماری آیتوں کا انکار کرتا ہے اور تمسخر کے طور پر کہتا ہے کہ بالفرض اگر قیامت ہوئی بھی تو مجھے وہاں بھی مال و اولاد دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا اس کافر کو غیب کا علم حاصل ہو گیا کہ وہ آخرت میں مال و دولت حاصل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے یا اس نے اللہ سے کوئی عہد و قرار لے لیا ہے کہ وہ اس کو جنت میں ضرور داخل کرے گا۔ ہر گز نہیں۔ یہ سب غلط ہے وہاں اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ جھوٹا اور سخت گستاخ ہے۔ ہم اس کی یہ گستاخانہ بات اس کے اعمال نامے میں ضرور لکھ لیں گے۔ اور اس گستاخی کی وجہ سے ہم اس کے لئے عذاب ضرور بڑھاتے چلے جائیں گے اور جس مال و اولاد کا وہ ذکر کرتا ہے اس روز ہم

ہی اس کے وارث ہوں گے اور قیامت کے روز وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔
(مظہری ۱۱۴/ ۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۲۱/ ۴)

بتوں کا باعث ذلت ہونا

۸۱-۸۴۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۝ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۝

اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ (اللہ کے ہاں) ان کے لئے باعث عزت ہوں۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو بہت جلد ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ (اے نبی) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطانوں کو چھوڑ رکھا ہے جو ان کو خوب ابھارتے رہتے ہیں۔ سو آپ ان کے لئے (عذاب کی) جلدی نہ کیجئے۔ بیشک ہم ان کی مدت گن رہے ہیں۔

ضِدًّا : مخالف، دشمن، جمع اَضْدَادٌ

تَؤُزُّهُمْ : وہ وہ (شیطانوں کی جماعت) ان کو ابھارتے ہیں۔ وہ ان کو ورغلاتے ہیں۔ اَزٌّ سے مضارع۔

عَدًّا : شمار کرنا، حساب کرنا، مصدر ہے۔

تشریح : یہ نادان لوگ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ معبود اللہ کے ہاں ان کے لئے عزت کا سبب بنیں اور ان کی شفاعت کریں۔ یہ ان کا غلط خیال ہے۔ قیامت کے روز ان کے معبود ان کی حمایت و مدد کرنے کی بجائے الٹا ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے لئے ذلت و رسوائی کا سبب بنیں گے۔ کیا آپ کو معلوم

نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر مسلط کر رکھا ہے وہ ہر وقت ان کافروں کو نافرمانیوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔ آپ ان کے لئے جلد عذاب نازل ہونے کی دعا نہ کیجئے ہم نے خود ان کو ڈھیل دے رکھی ہے تاکہ یہ اپنے گناہوں میں بڑھتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔ ان کے ایام زندگی محدود و معدود ہیں۔ ہم ان کے سال، مہینے دن اور وقت شمار کر رہے ہیں- مقررہ وقت پورا ہوتے ہی ان کو عذاب میں پکڑ لیا جائے گا۔

(ابن کثیر ۱۳۶،۱۳۷/ ۳، مظہری ۱۱۷/ ۶)

کافروں کی ذلت و رسوائی

۸۵-۸۷۔ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ○ وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ○ لَاَ يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ○

جس روز ہم پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس مہمان بنا کر جمع کریں گے اور گنہگاروں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ وہ شفاعت کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمٰن سے اجازت لے لی ہو۔

نَسُوْقُ : ہم پہنچاتے ہیں۔ ہم چلاتے ہیں۔ سَوْقٌ سے مضارع،

وِرْدًا : پیاسے، واحد وَارِدٌ

تشریح: قیامت کے روز متقی اور پرہیزگار لوگوں کو اللہ کا مہمان بنا کر نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں پہنچایا جائے گا جبکہ کافروں کو نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ پیاس کی حالت میں دوزخ کی طرف ہنکایا جائے گا۔ اس روز کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کی اجازت دی ہو۔ جیسے انبیاء و صلحا، انبیا و صلحا بھی انہی لوگوں کی شفاعت کریں گے جن کے لئے اللہ کی طرف سے ان کو اجازت ہو گی جیسے گنہگار

مسلمان، کافروں کے لئے کسی کو شفاعت کی اجازت نہ ہو گی۔
(مظہری ۱۱۸۔ ۶/۱۲۰، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۵۲۵)

اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کا انجام

۸۸-۹۵۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ○ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ○ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ○ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ○ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ○ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ○ لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ○ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ○

اور وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے بیٹا بنالیا ہے۔ بیشک تم بہت بھاری (بری) بات (زبان پر) لائے ہو۔ کچھ بعید نہیں اس (گستاخی) پر ابھی آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں، اس بات پر کہ وہ اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں، اور رحمٰن کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں ایسا کوئی نہیں جو رحمٰن کے روبرو غلام ہو کر نہ آئے۔ بیشک اللہ نے ان سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور سب کی گنتی گن رکھی ہے اور قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا۔

اِدًّا : بھاری، بوجھل، بہت بھیانک معاملہ، ناپسندیدہ (بات)

تَكَادُ : قریب ہے، نزدیک ہے۔ کَوْدٌ سے مضارع۔

هَدًّا : کانپ کر، ٹوٹ کر، مصدر بمعنی مفعول۔

تشریح: کافر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اولاد اختیار کر لی، جیسے یہود عزیز علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے ایسی سخت بات کہی ہے جس سے آسمان پھٹ پڑیں اور ان کہنے والوں پر گر پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور یہ لوگ اس میں دھنس جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں کیونکہ یہ اس کی شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ یہ اس کے تقدس اور وجود کے سراسر خلاف ہے اس لئے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق اس کے آگے غلاموں کی طرح دست بستہ ہے۔ پھر اس کو بیٹے کی کیا حاجت؟ اللہ تعالیٰ نے سب کا احاطہ کر رکھا ہے۔ کوئی بھی اس کے دائرہ علم و قدرت سے باہر نہیں۔ اس نے سب کو گن رکھا ہے۔ قیامت کے دن ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا۔ اس وقت نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ اس کے ساتھ اولاد ہوگی اور نہ اس کے معبود اس کے کام آئیں گے۔

(حقانی ۲۵۸/ ۳، مظہری ۱۲۰۔ ۶/۱۲۲)

مومنین صالحین کا حال

۹۶-۹۸۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ○ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ○ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ○

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو اللہ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔ سو ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر اس لئے آسان کر دیا تاکہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری سنائیں اور جھگڑالو قوم کو خوف دلائیں۔ اور ان سے پہلے ہم بہت سے گروہ ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا کسی کی

آہٹ سنتے ہیں۔

وُدًّا : محبت، چاہت، دوستی، مصدر بھی ہے اسم بھی۔

لُدًّا : سخت جھگڑالو، مراد کفار و مشرکین، واحد اَلَدُّ۔

رِکْزًا : کھٹکا، بھنک، پوشیدہ آواز، آہٹ،

تشریح: بلا شبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے لئے مومنوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا اور کافروں کے دلوں میں ان کی ہیبت ڈال دے گا۔ پھر فرمایا کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کو ہم نے آپ کی زبان پر اس لئے آسان اور سہل کر دیا تاکہ اس کے ذریعے آپ ان لوگوں کو بشارت سنائیں جو متقی، پرہیز گار ہیں اور انہوں نے کفر و شرک سے اجتناب کیا اور نیک اعمال کئے، اور اس جھگڑالو قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے اور ان کو بتا دیجئے کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی جھگڑالو قوموں کو ہلاک و برباد کر دیا۔ سو کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان کی آہٹ سنتے ہیں۔ وہ سب ہلاک ہو گئے۔ کسی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ لہٰذا مشرکین مکہ اپنے انجام کو سوچ لیں اور پہلی قوموں کی تباہی و بربادی سے عبرت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۳۶، ۷ ۵۳ / ۴، مظہری ۱۲۲ / ۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ طٰہٰ

وجہ تسمیہ: سورت کی ابتداء لفظ طٰہٰ سے ہوئی ہے۔ یہ سورت اسی لفظ سے موسوم و مشہور ہو گئی۔ اس کا ایک نام الکلیم بھی ہے۔ جیسا کہ سخاوی نے جمال القرآن میں ذکر کیا ہے۔
(روح المعانی ۱۴۷/۱۶)

تعارف :اس میں آٹھ رکوع، ایک سو پینتیس آیتیں، ۱۲۵۱ کلمات اور ۵۴۶۶ حروف ہیں۔

یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرتِ مدینہ سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ نبوت کے ابتدائی دور میں جن سورتوں کا نزول ہوا، یہ سورت بھی انہی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم میں بعض انبیا کے جو واقعات ذکر کئے تھے، ان میں سے بعض تفصیل کے ساتھ تھے جیسے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے واقعات اور بعض اختصار کے ساتھ تھے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ۔

اس سورت کے شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کی کچھ تفصیل ہے۔

ابن مردویہ نے ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت سے تمام قرآن رکھ لیا جائے گا۔ سو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ پڑھیں گے۔ سوائے سورۂ طٰہٰ و یسٓ۔ وہ ان دونوں سورتوں کو جنت میں پڑھیں گے۔

دارمی، ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں، طبرانی نے اوسط میں، بیہقی نے شعب الایمان میں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے

سورۂ طٰہٰ و یٰسین کو پڑھا۔ پھر جب فرشتوں نے قرآن کو سنا تو کہا کہ مبارک ہے وہ امت جس پر یہ (قرآن) نازل گا اور مبارک ہیں وہ سینے جو اس کو اٹھائیں گے اور مبارک ہیں وہ زبانیں جو اس کے ساتھ گویا ہوں گی۔

دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مرفوعاً روایت کی ہے۔

(روح المعانی ۱۶/۱۴۷)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن نازل کرنے کی حکمت، حضرت موسیٰ کا واقعہ پھر مقدس وادیٔ طوی میں اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہونے کا بیان ہے۔ آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا کے معجزے عطاء کئے جانے کا احوال ہے۔

رکوع ۲: حضرت موسیٰ کی دعا اور اس کی قبولیت اور پھر حضرت موسیٰ و ہارون کو تبلیغ دین کے لئے فرعون کی طرف جانے کا حکم اور دونوں حضرات کا اللہ تعالیٰ سے اپنی کمزوری کی شکایت کرنا مذکور ہے۔ پھر حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان سوال و جواب کا بیان ہے۔

رکوع ۳: انسان کا آغاز و انجام اور حضرت موسیٰ کا فرعون سے مناظرہ بیان کیا گیا ہے، پھر حضرت موسیٰ کا ساحروں کو خطاب، ساحروں کی مبارزت اور حضرت موسیٰ کو عصا زمین پر ڈالنے کا حکم مذکور ہے۔ اس کے بعد ساحروں کا ایمان لانا۔ فرعون کا بے بسی میں ساحروں پر غصے ہونا اور ساحروں کی استقامت کا بیان ہے۔ آخر میں فرعون کو نصیحت کی گئی ہے۔

رکوع ۴: بنی اسرائیل کا مصر سے خروج، فرعون کا بنی اسرائیل کے تعاقب میں جانا اور غرق ہونا اور بنی اسرائیل کو نصیحت کی گئی ہے۔ پھر حضرت موسیٰ کا کوہ طور پر جانا، ان کے بعد سامری کا قوم کو گمراہ کرنا، مذکور ہے۔ آخر میں حضرت موسیٰ کا طور سے واپس آکر قوم پر برہم ہونے کا بیان ہے۔

رکوع ۵: بنی اسرائیل کی حماقت، حضرت موسیٰ کا حضرت ہارون اور سامری سے باز پرس کرنا اور سابقہ امتوں کے واقعات سنانے کی حکمت کا بیان ہے۔ پھر حشر میں مجرموں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۶: قیامت کے روز پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا اور کسی کے لئے کسی کی سفارش کام نہ آنا مذکور ہے۔ آخر میں منکرین کو ان کے کفر و شرک پر تنبیہ کی گئی ہے۔

رکوع ۷: حضرت آدم کو بھول، شیطان کا حضرت آدم کو بہکانا اور حضرت آدم کو زمین پر اترنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۸: منکرین کو تنبیہ و تہدید پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسباب عیش پر نظر نہ کرنے کی تاکید ہے۔ آخر میں کفار کی جانب سے معجزات طلب کرنے کا بیان ہے۔

حروفِ مقطعات

طٰہٰ ج: اس کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں۔

بعض کے نزدیک یہ حروف مقطعات ہیں۔ جن کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ اللہ کا نام ہے اور یہاں قسم کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یعنی طٰہٰ کی قسم۔

مقاتل بن حبان نے کہا کہ طٰہٰ کے معنی ہیں کہ زمین کو اپنے دونوں قدموں سے پامال کرو یعنی تہجد کی نماز میں اپنے دونوں پاؤں زمین پر قائم رکھو۔

بزار نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب یٰۤاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلاَّ قَلِیْلاً نازل ہوئی تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات (نماز میں) کھڑے رہنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سوج گئے۔ آپ ایک پاؤں ٹیکتے تھے تو دوسرا اٹھا لیتے تھے۔ اس پر جبرئیلؑ اترے اور کہا طٰہٰ یعنی اے محمد اپنے دونوں پاؤں زمین پر رکھو۔ مجاہد، عطا اور ضحاک نے کہا کہ طٰہٰ کا معنی ہے۔ اے مرد۔

کلبی نے کہا کہ عکل قبیلے کے محاورے میں طٰہٰ کا ترجمہ ہے۔اے انسان۔
(مظہری ۱۲۴،۱۲۵/۶)

قادرِ مطلق کا کلام

۲۔۸۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ○ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ○ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ○ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ○ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ○ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں بلکہ وہ تو ایک نصیحت ہے اس کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے (اور اس قرآن کا) اتارنا اس (ذات) کی طرف سے ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا جو رحمٰن ہے (اور) جو عرش پر قائم ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ تحت الثریٰ میں ہے اور (اس کے علم کی یہ شان ہے کہ) اگر تو پکار کر بات کہے (تو اس کو تو وہ جانتا ہی ہے) بیشک وہ تو چھپی ہوئی بات کو اور اس سے بھی زیادہ چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب اچھے نام اسی کے ہیں۔

تَشْقٰى : تو مشقت اٹھائے۔ تاکہ تو مصیبت میں پڑے۔ شَقَاوَةٌ سے مضارع،

اسْتَوٰى : اس نے قصد کیا، وہ قائم ہوا۔ وہ ٹھہرا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

الثَّریٰ : گیلی مٹی، زمین کا سب سے نچلا حصہ، اسم ہے۔

تَجْھَرْ : تو جہر کرتا ہے۔ تو پکارتا ہے تو آواز بلند کرتا ہے۔ جَھْرٌ سے مضارع۔

السِّرّ : وہ خفیہ بات جو آدمی چپکے سے دوسرے سے کہدیتا ہے۔ جمع اَسْرَار

اَخْفٰی : وہ پوشیدہ بات جو آدمی اپنے دل میں چھپائے رکھتا ہے۔ اِخْفَاءٌ سے اسم تفضیل۔

شانِ نزول: بغوی نے کلبی کا قول ذکر کیا ہے کہ مکہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ عبادت میں زیادہ سرگرم رہنے لگے۔ نماز میں طویل قیام کی وجہ سے کبھی ایک پاؤں زمین پر ٹیکتے تو دوسرا اٹھالیتے اور دوسرا ٹیکتے تو پہلا اٹھالیتے تھے اور آپ رات بھر نماز میں مشغول رہتے تھے اس پر آیت ۲ نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ کفار آپ ﷺ کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ "یہ شخص اپنے رب کی وجہ سے بدنصیب ہوگیا" اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔
(مظہری ۶/۱۲۵)

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے یہ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت اور مصیبت میں پڑ جائیں بلکہ یہ تو نرم دل اور اللہ کا خوف رکھنے والوں کے لئے روحانی فیوض و برکات اور نصیحت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ کسی ایسے ویسے کا نازل کیا ہوا نہیں بلکہ اس کو اس ذاتِ قادر و کامل نے نازل کیا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق و رازق ہے۔ وہ بڑی رحمت والا ہے۔ اس نے تختِ حکومت پر بیٹھ کر تمام عالم کی تدبیر کی اور سب کا پورا پورا انتظام و بندوبست کیا۔

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے۔ سب کا خالق و مالک اور رب وہی ہے اور کوئی اس کا کسی درجے میں بھی شریک نہیں۔ اس کے علم کی شان یہ ہے کہ اگر تم پکار کر کوئی بات کہو تو اس کو تو وہ سنتا ہی ہے، وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ بات کو خوب جانتا ہے۔ وہ دل میں گزرنے والے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ وہ ان خیالات سے بھی واقف ہے جو آئندہ دل میں گزریں گے۔ وہ سننے کے لئے کسی آواز کا محتاج نہیں۔ سو اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق

نہیں۔ تمام اچھے نام اور تمام عمدہ صفات و کمالات اسی کے لئے مخصوص ہیں۔ اس شان و صفت کی حامل کوئی اور ہستی اس کائنات میں موجود نہیں جو معبود بننے کے لائق ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

۹۔۱۰۔ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ○ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ○

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کو موسیٰؑ کی بات بھی پہنچی؟ جب انہوں نے۔ (مدین سے آتے ہوئے) ایک آگ دیکھی تو اپنی گھر والی سے کہا تم (یہاں) ٹھہرو۔ تحقیق میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید میں اس میں سے تمہارے پاس کوئی انگارا لے آؤں یا (وہاں) آگ کے پاس مجھے کوئی رستہ بتانے والا مل جائے۔

امْكُثُوْٓا : تم ٹھہرے رہو۔ مَكْثٌ سے امر۔

اٰنَسْتُ : میں نے دیکھا۔ میں نے محسوس کیا۔ اِيْنَاسٌ سے ماضی۔

قَبَسٍ : انگارا، آگ کا شعلہ، مصدر بھی ہے اسم بھی۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا واقعہ آپ کے واقعے سے ملتا جلتا ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کو دعوت و تبلیغ دین میں مشقتیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑی تھیں اسی طرح آپ کو بھی تبلیغ اسلام میں مصیبتوں اور دشواریوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان مصیبتوں پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور اللہ نے فرعون اور اس کی قوم پر ان کو غلبہ عطا فرمایا، اسی طرح آپ بھی صبر و استقلال سے کام لیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ان کفار و مشرکین پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ان کی ظاہری شان و شوکت کو خاک میں ملا دے گا۔

(عثمانی ۷۸/۲)

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مدت کو پورا کر چکے تھے جو ان کے اور ان کے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کے درمیان طے ہوئی تھی اور حضرت موسیٰ اپنی اہلیہ کو لے کر مدین سے اپنے وطن مصر جا رہے تھے۔ سردی کی رات تھی، راستہ بھول گئے تھے، پہاڑوں کی گھاٹیوں کے درمیان تھے، اندھیرا تھا اور ابر چھایا ہوا تھا۔ چقماق سے آگ نکالنا چاہی مگر نہ نکلی۔ ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو دور دائیں جانب کوہ طور کی طرف کچھ آگ دکھائی دی اور اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ اس طرف آگ سی نظر آ رہی ہے، میں وہاں سے کچھ انگارے لے کر آتا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کوئی راستہ بتانے والا مل جائے۔
(ابن کثیر ۳/۱۴۳)

اللہ تعالیٰ کا خطاب

۱۱۔۱۶۔ فَلَمَّآ اَتٰـهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰیٓ ۝ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ج اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ۝ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ لا وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰی ۝ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی ۝

پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو آواز آئی اے موسیٰ، بیشک میں ہی تیرا پروردگار ہوں، سو تو اپنی جوتیاں اتار دے بیشک تو مقدس وادی طویٰ میں ہے، اور میں نے تجھے (نبی بنانے کے لئے) منتخب کر لیا ہے سو (اب) جو وحی کی جا رہی ہے اس کو (غور سے) سنو۔ بیشک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، سو تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔ تحقیق قیامت آنے والی

ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر ایک کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ پس ایسا نہ ہو کہ جو شخص اس (قیامت) کا یقین نہیں رکھتا اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے وہ تم کو اس (راہ حق) سے نہ روک دے پھر تم (بھی) ہلاک ہو جاؤ۔

نَعْلَیْكَ : اپنے دونوں جوتوں کو، جمع نِعَالٌ'

اَلْوَ ادِیْ : وادی، میدان، مراد مقدس وادیٔ طویٰ جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو شرف ہمکلامی بخشا،

اِخْتَرْتُكَ : میں نے تجھ کو منتخب کر لیا، میں نے تجھ کو پسند کر لیا، اِخْتِیَارٌ سے ماضی،

اَکَادُ : میں چاہتا ہوں، میں ارادہ کرتا ہوں، کَوْدٌ سے مضارع،

تَرْدٰی : تو تباہ ہو جائے، تو ہلاک ہو جائے، رَدًی سے مضارع،

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس پاک جگہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک درخت میں خوب زور شور سے آگ لگی ہوئی ہے۔ جس قدر زور سے آگ بھڑکتی ہے وہ درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے درخت کے قریب جانے کا قصد کیا تاکہ جب درخت کی کوئی شاخ جل کر نیچے گرے تو اس کو اٹھالیں لیکن جتنا وہ آگ کے نزدیک ہوتے آگ اتنی ہی دور ہٹتی جاتی اور جب گھبرا کر آگ سے دور ہٹنے لگتے تو آگ قریب آجاتی۔ دراصل وہ آگ نہ تھی بلکہ وہ تو نورِ الٰہی کی تجلی تھی۔ (عثمانی ۷۹/۲)

اسی حیرت و دہشت کی حالت میں آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں تیرا رب ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دے کیونکہ تو طوی کی مقدس وادی میں ہے ہم نے نبوت و رسالت اور شرف مکالمے کے لئے تمام جہان میں سے تجھے منتخب کر لیا ہے لہٰذا اب جو احکام بیان کئے جائیں گے انہیں خوب توجہ سے سنو۔

جوتیاں اتارنے کا حکم یا تو ادب کے لئے دیا گیا یا بعض کے خیال میں اس لئے دیا گیا کہ ان میں نجاست لگی ہوئی تھی یا وہ گدھے کے کچے چمڑے سے بنی ہوئی تھیں۔

پھر فرمایا کہ اب جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس کو خوب توجہ اور دھیان سے سنو کہ میں

ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت کرو۔ یہاں عبادت سے مراد عام عبادت ہے مثلاً دعا ہو، حاجات میں اللہ کو پکارنا ہو، مدد مانگنا ہو، زکوٰۃ و خیرات ادا کرنا ہو، ذکر ہو، مراقبہ ہو یہ سب عبادت میں داخل ہیں۔ نیز فرمایا کہ میری ہی یاد کے لئے نماز قائم کرنا۔ جو میری یاد کا بہتر اور افضل ترین طریقہ ہے۔

ابو نعیم اور بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے۔

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پیارا ہے۔ آپ نے فرمایا نماز۔

پھر فرمایا کہ قیامت اپنے مقررہ وقت پر ضرور قائم ہونے والی ہے، اس دن عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں کو ان کی عبادت اور اطاعت کا اجر و ثواب ملے گا۔ میں اس وقت کو مخفی رکھنا چاہتا ہوں۔ پس روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جسے قیامت قائم ہونے کا مقررہ وقت معلوم ہو، سو وہ اچانک آ جائے گی، اس کے آنے کا صحیح وقت کسی کو معلوم نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جو شخص قیامت کو نہیں مانتا اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے وہ تمہیں بھی قیامت پر ایمان لانے اور نماز قائم کرنے سے روک دے، اے موسیٰؑ! اگر تم کافروں کے کہنے میں آ گئے تو آخرت میں تم بھی ان کی طرح تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔ موت قیامت صغریٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وقت بھی پوشیدہ رکھا ہے۔

(حقانی ۲۶۱، ۲۶۲/ ۳، ابن کثیر ۱۴۳، ۱۴۴/ ۳، مظہری ۱۲۹، ۱۳۳/ ۶)

حضرت موسیٰؑ کو لاٹھی کا معجزہ عطا ہونا

۱۷۔۲۱۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ○ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ○ قَالَ

اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقف سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝

اور اے موسیٰ! تمہارے دائیں ہاتھ میں یہ کیا چیز ہے۔ (حضرت موسیٰ نے) کہا یہ میرا عصا ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے واسطے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لئے اس میں اور بھی فائدے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے موسیٰ! اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو، سو موسیٰ نے اس کو (زمین پر) ڈال دیا تو فوراً ہی وہ (اللہ کی قدرت سے) ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو پکڑلو اور ڈرو نہیں، ہم اس کو ابھی پہلی حالت پر کردیں گے۔

اَتَوَكَّؤُا : میں ٹیک لگاتا ہوں۔ تَوَكُّوءٌ سے مضارع۔

اَهُشُّ : میں پتے جھاڑتا ہوں۔ هُشٌّ سے مضارع۔

غَنَمِیْ : میری بکریاں۔

مَاٰرِبُ : فائدے، کام، ضرورتیں، واحد مَاْرَبَةٌ

حَيَّةٌ : سانپ، اژدھا، جمع حَيَّاةٌ۔

سِيْرَتَهَا : اس کی سیرت، اس کی چال، اس کی حالت،

تشریح: یہاں سے منصب رسالت کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجنے سے پہلے ان سے لاٹھی کے بارے میں سوال کیا جو اس وقت ان کے دائیں ہاتھ میں تھی تاکہ وہ اپنی لاٹھی کی حقیقت اور منافع کو خوب سمجھ لیں اور اس کو دیکھ بھال لیں اور ان کو اس کے لاٹھی ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے اور جو معجزہ ان کو عطا ہونے والا ہے وہ پوری طرح واضح اور مستحکم ہو جائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ میری وہی لاٹھی ہے جسے میں ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہوں، اس پر ٹیک لگاتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں، دشمن اور موذی جانوروں کو دفع کرتا ہوں اور اس سے دوسرے بہت سے کام لیتا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو لاٹھی کا لکڑی ہونا جتا کر اور ان کو خوب ہوشیار کر کے حکم دیا کہ اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو۔ جونہی حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی، اللہ کے حکم سے پہلے وہ سانپ بنی، پھر اژدہا بن کر تیزی سے ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ چونکہ ابھی تک حضرت موسیٰ پر حقیقت حال منکشف نہیں ہوئی تھی اس لئے وہ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے۔ حضرت موسیٰ کا یہ خوف طبعی اور بشری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں، اس کو ہاتھ میں پکڑ لو، ہم اس کو فوراً اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اژدہے کو پکڑا تو فوراً لاٹھی بن گئی۔

(عثمانی ۲/۸۰، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۳۸، ۴/۳۳۹)

یدِ بیضا کا معجزہ

۲۲، ۲۴۔ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ○ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ○ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○

اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبالو۔ وہ کسی عیب یا مرض کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ دوسرا معجزہ ہے تاکہ ہم اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں تمہیں دکھائیں۔ اب (یہ نشانیاں لے کر) تم فرعون کے پاس جاؤ۔ بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے۔

اضْمُمْ : تو دبالے۔ تو ملالے۔ ضَمٌّ سے امر۔

جَنَاحِكَ : تیرا بازو، تیرا ہاتھ تیرا پہلو، جمع اَجْنِحَةٌ

سُوْٓءٍ : برائی، گناہ، آفت،

تشریح: اے موسیٰ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی بائیں بغل میں ڈال کر نکال لو۔ ایسا کرنے سے آپ کا ہاتھ کسی خرابی اور عیب کے بغیر نہایت سفید اور روشن ہو کر نکلے گا۔ چنانچہ جب

حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر نکالا تو وہ نہایت چمکتا ہوا اور روشن تھا۔ اور یہ چمک اور سفیدی کسی مرض یا عیب کی بنا پر نہ تھی جیسے برص کے مرض سے بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں بلکہ یہ معجزۂ عصا کے علاوہ آپ کی نبوت ورسالت کی ایک اور نشانی تھی۔

پھر فرمایا کہ یہ سب اس لئے ہے تاکہ ہم آپ کو اپنی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھادیں۔ سو اب تم یہ دونوں معجزے لے کر فرعون کے پاس جاؤ، جو نافرمانی اور سرکشی میں حد سے بڑھ چکا ہے۔ وہ دنیا پر فریفتہ ہو کر آخرت کو فراموش کر بیٹھا ہے اور اپنے خالق کو بھول گیا ہے۔ سو تم اس کو سمجھاؤ اور اللہ کی عبادت کی دعوت دو، میری نعمتیں یاد دلاؤ، میرے عذاب سے ڈراؤ اور اس سے کہو وہ کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائے، بنی اسرائیل کے ساتھ حسن سلوک کرے، انہیں تکلیف وایذا نہ دے۔ اگر وہ تمہاری نبوت ورسالت میں شبہ کرے تو اس کو یہ دونوں معجزے دکھاؤ۔ (مظہری ۱۳۵/۶، ابن کثیر ۱۴۵، ۱۴۶/۳)

حضرت موسیٰ کی دعا

۲۵۔۳۵۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ ۝ وَيَسِّرْ لِىْٓ اَمْرِىْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِىْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِىْ ۝ وَاجْعَلْ لِّىْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِىْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِى ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِىْ ۝ وَاَشْرِكْهُ فِىْٓ اَمْرِىْ ۝ كَىْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۝ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۝

حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے اور میرے لئے میرا کام آسان فرمادے اور میری زبان سے گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں اور میرے کنبے میں سے کسی کو میرا وزیر بھی بنا دے، ہارونؑ کو جو میرا بھائی ہے، اس سے میری کمر مضبوط (میری قوت مستحکم) کر دے اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے

تاکہ ہم تیری تسبیح کثرت سے کیا کریں اور تجھ کو کثرت سے یاد کیا
کریں۔ بیشک تو ہمیں خوب دیکھتا ہے۔

عُقْدَةً : عقدہ، گرہ، بندش۔

اشْدُدْ : تو سخت کردے۔ شِدَّةٌ وشَدٌّ سے امر۔

اَزْرِیْ : میری قوت، میری کمر۔

وَزِیْرٌ : یہ وِزْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں۔ بادشاہ کی طرف سے وزیر پر بھی بارِ حکومت ہوتا ہے۔ یا یہ وَزْرٌ سے مشتق ہے جو پہاڑی پناہ گاہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بادشاہ بھی وزیر کی رائے سے مدد لیتا ہے اور اپنی حکومت کے معاملات میں اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ موازرت (باب مفاعلۃ) باہم مدد کرنا بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ بعض اہلِ لغت کہتے ہیں کہ وزیر اصل میں اَزِیْر تھا جو اَزْرٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اَزْرٌ کے معنی قوت کے ہیں۔ اَزِیْر قوی بمعنی مآزِرٌ ہے۔ اَزِیْر کے ہمزہ کو واؤ سے بدل دیا گیا۔ (مظہری ۶/۱۳۶)

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی کے بعد نبوت و رسالت سے بھی سرفراز فرمادیئے گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے چار چیزیں طلب کیں۔

۱۔ اِشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ : میرے سینے کو کھول دے تاکہ میں اس بوجھ کو اٹھا سکوں اور تیرے حکم کی تبلیغ اور دعوت بے خوفی سے کر سکوں۔ دعا کا یہ حصہ باطنی اصلاح سے متعلق ہے۔ انبیا علیہم السلام کو لوگوں کی اصلاح کے کام میں طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ وہ لوگوں کو احکامِ خداوندی کی تعلیم اور اخلاقِ حمیدہ کی ترغیب دیتے ہیں اور دنیا کی دلفریبیوں سے لوگوں کو نفرت دلاتے ہیں۔ یہ سب باتیں اس وقت ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ ان کے دل کو کھول دے اور اس سے ظلمت کے حجابات اٹھا دے جو اس کی بستگی کا باعث ہوتے ہیں۔ اسی کو شرح صدر کہتے ہیں۔ وَیَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ (اور میرے کام کو آسان کردے) اسی کی تشریح ہے یعنی میرے کام میں ایسی سہولت پیدا کردے اور مجھے ایسی توفیق دیدے کہ میں تبلیغ رسالت کر سکوں اور فرض کی ادائیگی میں مجھے کوئی دشواری اور بار محسوس نہ ہو بلکہ فرض کی ادائیگی میں

جو تکالیف اور دشواریاں پیش آئیں ان کو برداشت کرنے میں مجھے لذت محسوس ہونے لگے۔

۲۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي : اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ لیں۔ یہ ظاہری اصلاح کی دعا تھی۔ حضرت موسیٰ کی زبان میں لکنت تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ پیدائشی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ لڑکپن میں جب انہوں نے فرعون کو لکڑی مار دی تھی یا اس کی ڈاڑھی نوچ لی تھی تو اس نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس وقت اس کی بیوی آسیا نے کہا تھا کہ یہ نادان بچہ ہے، اس نے نادانی میں یہ حرکت کی فرعون نے امتحان کے لئے ایک طرف انگارے اور ایک طرف یاقوت رکھدیئے۔ حضرت موسیٰ نے انگارا اٹھا کر منہ میں ڈال لیا، جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں لکنت پیدا ہو گئی۔

۳۔ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ○ هٰرُوْنَ أَخِي : اور میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنادے جو میرا بوجھ اٹھاسکے اور میرا شریک کار ہو کر میری مدد کر سکے۔ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ سے بڑے اور فصیح اللسان تھے۔ اس وقت ان کے سوا کوئی اس منصب کا اہل نہ تھا۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ اپنے بھائی کو وزیر بنانے کی درخواست کی۔

۴۔ وَأَشْرِكْهُ فِيْٓ أَمْرِي : اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے یعنی نبوت اور تبلیغ رسالت میں ہارون کو میرا ساتھی بنادے تاکہ ہم کثرت سے تیری تسبیح کریں اور کثرت ہی سے تیرا ذکر کریں بلاشبہ تو ہمارے احوال سے خوب واقف ہے۔

(حقانی ۲۶۳/۳، مظہری ۱۳۵۔۱۳۷/۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵۴۱، ۵۴۲/۴)

دعا کی قبولیت

۳۶۔۴۱۔ قَالَ قَدْ أُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ○ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰٓى ○ إِذْ أَوْحَيْنَآ إِلٰٓى أُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ○ أَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ

عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! تمہاری درخواست منظور کی گئی اور بیشک ہم تو ایک دفعہ اور بھی تم پر احسان کر چکے ہیں۔ جب کہ ہم نے تمہاری ماں کو الہام سے وہ بات بتائی جو الہام سے بتانے کی تھی، وہ یہ کہ اس (موسیٰ) کو صندوق میں بند کر کے دریا میں چھوڑ دے۔ پھر دریا اس کو کنارے تک لے آئے گا (جہاں) اس کو میرا اور اس کا دشمن پکڑ لے گا اور میں نے اپنی طرف سے تجھ پر (ایک ایسی) محبت ڈالدی (کہ جو دیکھتا تجھے پیار کرنے لگتا) اور تاکہ تو میرے سامنے پرورش پائے۔ جبکہ تمہاری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ تم کہو تو میں تمہیں ایسی انا بتاؤں جو اس کی اچھی طرح کفالت کرے۔ پھر (اے موسیٰ! اس طرح) ہم نے تمہیں تمہاری ماں کے پاس پہنچادیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کھائے اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا پھر ہم نے تمہیں اس غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں خوب آزمایا۔ پھر تم برسوں اہل مدین میں رہے۔ اے موسیٰ پھر تم ایک خاص وقت پر (یہاں) آئے۔ اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے منتخب کیا۔

اقْذِفِيْهِ : تو اس کو پھینک دے، تو اس کو ڈالدے۔ قَذْفٌ سے امر،

التَّابُوْتِ : صندوق۔

الْيَمِّ : دریا، سمندر، گہراپانی، جمع يُمُوْمٌ

اَدُلُّکُمْ : میں تمہیں پتا بتاؤں، میں تمہیں بتاؤں، دَلَالَۃٌ سے مضارع۔

تَقَرَّ : وہ قرار پکڑے، وہ ٹھنڈی رہے۔ قُرَّۃٌ و قُرُوْرٌ سے مضارع۔

قَدَرٍ : اللہ تعالیٰ کا حکم، اندازہ، مقدار۔

تشریح: حضرت موسیٰؑ نے اپنی دعا میں جو چار چیزیں مانگی تھیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے تمہاری درخواست منظو کرلی اور جو کچھ تم نے مانگا وہ تمہیں عطا کیا۔ اس سے پہلے بھی ہم بار بار آپ پر احسان کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں آٹھ احسان ذکر فرمائے ہیں۔

۱۔ ہم نے تیرے بچپن کے وقت تیری ماں کی طرف وحی بھیجی (وحیِ الہام مراد ہے، وحی نبوت مراد نہیں) جس کا ذکر اب تم سے ہو رہا ہے۔ تم اس وقت دودھ پیتے بچے تھے۔ تمہاری والدہ کو فرعون کا کھٹکا تھا کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا سو ہم نے وحی کے ذریعے اس کو بتا دیا کہ تم ایک صندوق بنالو پھر بچے کو دودھ پلا کر اس صندوق میں لٹا دو اور صندوق کو دریائے نیل میں چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا۔ اس وقت فرعون اپنی بیوی آسیا کے ساتھ دریا کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس کی نظر صندوق پر پڑی تو اس نے اس کو دریا سے نکلوا کر کھلوایا اور ان کو اس میں ایک خوبصورت لڑکا لیٹا ہوا ملا۔ فرعون اور اس کی بیوی کو اس سے محبت ہو گئی چنانچہ انہوں نے اس کو بیٹا بنا کر پالا۔

۲۔ اور اے موسیٰ! میں نے تجھ پر ایک احسان یہ کیا کہ میں نے اپنی طرف سے لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی یا یہ مطلب کہ میں نے تجھ پر اپنی محبت ڈال دی یعنی تجھے محبوب بنالیا۔ ظاہر ہے جب اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنا محبوب بنالیا تو لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت پیدا ہو گئی۔

حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ میں نے اس سے محبت کی سو مخلوق کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنا دیا۔ عکرمہ نے کہا کہ جو بھی اس بچے کو دیکھتا تھا پیار کرنے لگتا

تھا۔ قتادہ نے کہا موسیٰ کی آنکھوں میں عجیب ملاحت تھی۔ جو بھی دیکھتا فریفتہ ہو جاتا۔

۳۔ تیسرا احسان یہ کہ تم میری نگرانی اور نگہبانی میں پرورش پاؤ۔

۴۔ چوتھا احسان یہ کہ جب تیری بہن مریم بنت عمران تیری تلاش میں جارہی تھی اور فرعون کے گھر پہنچ کر کہہ رہی تھی کہ کیا میں تمہیں ایسی عورت کا پتہ بتاؤں جو اس بچے کی اچھی طرح دیکھ بھال کر سکے۔ اے موسیٰ! اس طرح ہم نے تمہیں ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور جدائی کا غم دور ہو۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ کی والدہ نے اللہ کے حکم سے ان کو صندوق میں لٹا کر دریا میں ڈال دیا تو وہ بمقتضائے بشریت بچے کی طرف سے رنجیدہ اور غمگین ہوئیں۔ ادھر حضرت موسیٰ کی بہن ان کو تلاش کرتی ہوئی فرعون کے گھر جا پہنچی جہاں حضرت موسیٰ کو صندوق سے نکال کر اپنا بیٹا بنا لینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ اور فرعون اور اس کی بیوی کو حضرت موسیٰ کو دودھ پلانے کے لئے دائیوں کی تلاش تھی۔ حضرت موسیٰ کسی دائی کا دودھ نہ پیتے تھے۔ یہ دیکھ کر ان کی بہن نے کہا کہ کیا میں تمہیں ایسی عورت کا پتہ نہ بتادوں جو اس کی پرورش کی کفالت بھی کرے اور اس کی خیر خواہ بھی ہو۔ فرعون کے گھر والوں نے یہ بات منظور کر لی اور حضرت موسیٰ کی بہن جا کر اپنی والدہ کو لے آئی۔ حضرت موسیٰ نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔

۵۔ اے موسیٰ! ہم نے تم پر ایک احسان یہ کیا کہ جب ایک قبطی ایک اسرائیلی کو مار رہا تھا تو تم نے اس کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ قبطی مر گیا۔ پس اس وقت ہم نے تمہیں مصر سے مدین پہنچا کر قصاص کے غم سے نجات دی۔

۶۔ ایک احسان یہ ہے کہ ہم نے تمہیں خوب آزمائشوں میں ڈالا بالآخر اللہ نے تمہیں نجات عطا فرما دی۔

۷۔ پھر تم کئی سال تک امن و امان کے ساتھ مدین والوں میں رہے۔ مدین حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر تھا اور مصر سے آٹھ منزل کی مسافت پر تھا۔ مدین میں ہی حضرت شعیب کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ کا نکاح ہوا اور مہر کے عوض دس سال تک حضرت شعیبؑ کی بکریاں چرائیں۔ پھر واپس آئے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا

انعام تھا۔

۸۔ اے موسیٰ پھر ایک خاص وقت پر جو میں نے تمہارے آنے کے لئے مقدر کر دیا تھا، تم وادیٔ مقدس کی طرف آئے جہاں ہم نے تم سے کلام کیا اور تمہیں نبوت و رسالت اور کلام و وحی کے لئے منتخب کر لیا اور تمہیں اپنا محبّ و مخلص بنالیا تاکہ تم میرے علاوہ کسی اور سے دل نہ لگاؤ۔ نہ ظاہر میں نہ باطن میں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵۴۴۔۵۴۷/۴، مظہری ۱۴۲۔۱۴۳/۶، روح المعانی ۱۸۷۔۱۹۱/۱۶)

حضرت موسیٰ وہارون کو فرعون کی طرف بھیجنا

۴۲۔۴۴، اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ○ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْيَخْشٰى ○

تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا، تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ بیشک اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ پس (جا کر) اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا (اللہ سے) ڈرے۔

تَنِيَا : تم دونوں سستی کرو، وَنْیٌ سے مضارع۔

لَيِّنًا : نرم۔ لِیْنٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: اے موسیٰ تم اپنے بھائی ہارون کو ہمراہ لے کر فرعون کے پاس جاؤ جو بہت سرکش اور نافرمان ہو گیا ہے اور میرے عطا کئے ہوئے معجزے اور نشانیاں دکھا کر اس کو اور اس کی قوم کو سیدھے راستے کی طرف بلاؤ اور دیکھو تبلیغ دین کے اس کام میں میری یاد سے غفلت اور سستی نہ کرنا۔ میری یاد کی کثرت ہی کامیابی کا بڑا ذریعہ اور دشمن کے مقابلے میں بہترین

ہتھیار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیات سے مراد وہ نو معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔

اگرچہ فرعون کی سرکشی اور نافرمانی کے پیش نظر اس سے یہ امید نہیں کہ وہ تمہاری دعوت قبول کرلے تاہم تم دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے وقت اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرنا تاکہ تمہاری بات اس کے دل میں بیٹھ جائے اور تمہاری بات پر غور و فکر کر کے وہ اپنی گمراہی و ہلاکت سے بچ جائے اور نصیحت حاصل کرلے یا وہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر راہ راست پر آجائے۔

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ نرم گفتگو سے مراد یہ ہے کہ اس سے کہنا کہ میرے غضب و غصے سے میری مغفرت و رحمت بہت بڑھی ہوئی ہے۔

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ نرم بات کہنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف دعوت دینا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو جائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بات کرنے میں درشتی نہ کرنا۔ (عثمانی ۸۳/ ۲، ابن کثیر ۱۵۳/ ۳، روح المعانی ۱۹۳۔۱۹۵/ ۱۶)

حضرت موسیٰ و ہارون کا اندیشہ

۴۵۔۴۸۔ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی ○ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ○ فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰکَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ○ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ○

ان دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ جائے۔ (اللہ تعالیٰ نے، فرمایا

کہ تم بالکل خوف نہ کرو، میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سنتا اور دیکھتا ہوں، سو تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں پس تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان کو تکلیف نہ دے۔ تحقیق ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اس کے لئے ہے جو (سیدھے) راستے پر چلے۔ بیشک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اللہ کا عذاب اسی کے لئے ہے جو (حق کی) تکذیب کرے اور (اس سے) روگردانی کرے۔

یَفْرُطَ: وہ حد سے بڑھتا ہے، وہ زیادتی کرتا ہے۔فَرْطٌ سے مضارع،

یَطْغٰی: وہ حد سے تجاوز کرتا ہے۔ وہ سرکشی کرتا ہے۔طُغْیَانٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی کمزوری کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا کہیں ایسا نہ ہو کہ فرعون ہماری پوری بات سننے سے پہلے ہی غصے میں بھر کر تیری شان میں زیادہ گستاخی کرنے لگے یا ہم پر دست درازی کرنے لگے جس سے اصل مقصد فوت ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تمہیں کچھ خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میری حفاظت اور مدد ہر وقت تمہیں حاصل رہے گی۔ جو باتیں تمہارے اور ان کے درمیان ہوں گی اور جو معاملات و واقعات پیش آئیں گے میں ان سب کو سنتا اور دیکھتا رہوں گا۔ کوئی بات مجھ پر مخفی نہیں۔ اس کی چوٹی میرے ہاتھ میں ہے وہ میرے قبضے سے باہر نہیں نکل سکتا، لہٰذا گھبرانے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ سو اب تم دونوں جا کر اس سے کہو کہ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام لے کر تیرے پاس آئے ہیں۔ پس پہلے تو تو ہم پر ایمان لا تاکہ تو اپنے رب کے غضب سے محفوظ ہو جائے پھر اپنے ظلم سے باز آجا اور بنی اسرائیل کو اپنی قید سے رہا کر کے ہمارے ساتھ بھیجدے تاکہ ہم ان کو لے کر ارض مقدس چلے جائیں، جو ہمارے بزرگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ ہم تیرے پاس

اپنے رب کی طرف سے نبوت ورسالت کی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔ پس جو سیدھی راہ پر چلے گا اس کے لئے دونوں جہان میں عذابِ الٰہی سے سلامتی ہے۔ ہمارے پاس اللہ کا یہ حکم وحی کے ذریعے پہنچا ہے کہ جو شخص حق کو جھٹلائے گا اور اس سے روگردانی کرے گا اسی کو اللہ کا عذاب پہنچے گا۔ (ابن کثیر ۱۵۴۔۱۵۵ / ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۷ ۵۴۔۵۴۸ / ۴)

فرعون کا سوال اور حضرت موسیٰ کا جواب

۴۹۔۵۴۔ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ○ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ○ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ○ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ○ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ○

(فرعون نے) کہا اے موسیٰ! پھر تم دونوں کا رب کون ہے؟ (موسیٰ نے) کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خاص صورت عطا کی پھر رہنمائی فرمائی۔ (فرعون نے) کہا پھر پہلے زمانے کے لوگوں کا کیا حال ہوا؟ (موسیٰ نے) کہا اس کا علم تو میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے، نہ میرا رب غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ اس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس (زمین) میں تمہارے (چلنے کے) لئے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعے مختلف قسم کی نباتات پیدا کیں۔ تم خود کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو بھی چراؤ، بیشک اس میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

مَهْدًا : بچھونا، فرش، راستہ ہموار کرنا، مصدر بمعنی مفعول۔

سَلَكَ : اس نے چلایا، سُلُوْكٌ سے ماضی۔

سُبُلًا : راستے، راہیں، واحد سَبِيْلٌ

شَتّٰى : جدا جدا، مختلف، متفرق، واحد شَتِيْتٌ

اِرْعَوا : تم نگہبانی کرو، تم چراؤ، تم کھلاؤ، رَعْیٌ و رِعَایَةٌ سے امر۔

اَنْعَامَكُمْ : تمہارے مویشی۔ تمہارے چوپائے۔

النُّهٰى : عقلیں، واحد نُهْيَةٌ

تشریح: فرعون وجود باری کا پہلے ہی منکر تھا۔ حضرت موسیٰ کی زبانی اللہ کا پیغام سن کر کہنے لگا کہ اے موسیٰ! تمہارا رب کون ہے۔ میں تو اسے نہیں جانتا اور نہ اسے مانتا ہوں۔ میرے خیال میں تو تم سب کا رب میرے سوا اور کوئی نہیں۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ ہمارا رب تو وہ ہے جس نے اپنی مخلوق کو ہر وہ چیز عطا فرمائی جس کی اس کو ضرورت تھی اور جو اس کے کام آسکتی تھی۔

یہ سن کر فرعون نے پوچھا کہ اقوام سابقہ کا کیا حال ہوا جو ہم سے پہلے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے منکر تھے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ سابقہ قوموں کے تمام اعمال لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ جزا اور سزا کا دن مقرر ہے۔ میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو بھولتا ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ فلاں فلاں چیز فلاں جگہ ہے۔ میرا رب وہی ہے جس نے تمہارے رہنے کے لئے زمین کو فرش کی مانند بنادیا جس پر تم سوتے بیٹھتے اور رہتے بستے ہو اور اللہ نے پہاڑوں، وادیوں اور صحراؤں کے اندر زمین پر تمہارے لئے راستے بنادیئے جن پر تم چلتے ہو اور زمین کے ایک حصے سے دوسرے حصے کی طرف جاتے ہو۔ میرا رب ہی آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس کے ذریعے زمین سے ہر قسم کی پیداوار اگاتا ہے۔ مثلاً کھیتیاں، باغات اور مختلف قسم کے پھل۔ ان میں سے تم خود بھی کھاتے ہو اور جو تمہارے کام کے نہیں ان کو تم اپنے جانوروں کو چارے کے طور پر کھلاتے ہو۔ بیشک زمین کو فرش کی طرح بنانے میں، بادلوں سے پانی برسانے میں اور پانی سے طرح طرح کا سبزہ پیدا کرنے میں عقل والوں کے لئے اللہ کی

واحدانیت،اس کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ کی بہت سی نشانیاں ہیں۔
(ابن کثیر ۱۵۵/ ۳،روح المعانی ۲۰۳۔۲۰۵/ ۱۶)

انسان کا آغاز وانجام

۵۵- مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ○

ہم نے تمہیں اس (زمین) سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں واپس لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

نُعِيْدُكُمْ : ہم تم کو لوٹائیں گے۔ ہم تم کو دوبارہ کریں گے۔اِعَادَةٌ سے مضارع،

تَارَةً : ایک بار،ایک مرتبہ،جمع تِيَرٌ۔

تشریح : جس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین سے نباتات کو پیدا کیا اسی طرح اس نے سب انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی مٹی سے پیدا کیا جو (مٹی) سب انسانوں کا مبدا ہے۔ جن غذاؤں سے آدمی کا جسم پرورش پاتا ہے۔ وہ بھی مٹی ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ مرنے کے بعد بھی بعض لوگ تو قبروں کے اندر اور بعض قبروں کے بغیر ہی مٹی میں مل جاتے ہیں۔ قیامت کے روز آدمی کے جسم کے ان تمام اجزا کو جو اس کے مرنے کے بعد مٹی بن گئے تھے دوبارہ جمع کر کے اس کو از سر نو پیدا کر دیا جائے گا۔ اور جو لوگ قبروں میں مدفون تھے ان کو بھی از سر نو زندہ کر کے قبروں سے نکالا جائے گا۔ پس مٹی ہی انسان کی اصل ہے، لہٰذا انسان کو مٹی میں غور و فکر کرتے رہنا چاہئے کہ وہ اسی سے پیدا ہوا۔ مرنے کے بعد اس کو پھر اسی مٹی میں لوٹا دیا جائے گا۔ پھر قیامت کے روز اعمال کے بدلے کے لئے اس کو اسی مٹی سے نکالا جائے گا۔ اس لئے یوم حساب کے لئے اس کو نیک اعمال کا کچھ ذخیرہ ضرور جمع کر لینا چاہئے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۴/ ۴، عثمانی ۸۶/ ۲)

فرعون سے مناظرہ

۵۶۔۵۹۔ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ○ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ○ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ○ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ○

اور البتہ ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں سو وہ جھٹلاتا اور انکار ہی کرتا رہا۔ (فرعون) کہنے لگا کہ اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ تو اپنے جادو کے ذریعے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دے۔ پھر ہم بھی تیرے مقابلے میں ویسا ہی جادو لائیں گے۔ سو تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک صاف میدان میں (مقابلے کا) ایک وقت مقرر کرلے نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تم۔ (موسیٰ نے) کہا تم سے تمہارے جشن کے دن کا وعدہ (طے) ہے اور یہ کہ لوگوں کو دن چڑھے جمع کیا جائے۔

سُوًی : ہموار، جس کی دونوں طرفین برابر ہوں۔

یَوْمُ الزِّیْنَۃِ : جشن کا دن، عید کا دن،

یُحْشَرَ : وہ جمع کیا جائے گا، وہ اکٹھا کیا جائے گا۔

ضُحًی : دن کی روشنی، دن چڑھے، چاشت کا وقت۔

تشریح : جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بحکمِ خداوندی فرعون کے پاس گئے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور عصاء اور ید بیضاء کے معجزے دکھائے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ اللہ کے برحق

نبی اور رسول ہیں اور یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں خواب دیکھا تھا کہ میری سلطنت کا خاتمہ اس شخص کے ہاتھ پر ہوگا اور اسی ڈر کے مارے بنی اسرائیل کی اولاد کو قتل کراتا تھا مگر وہ ان پر ایمان لانے کی بجائے، اپنی بدحواسی اور اس خوف کو چھپانے کے لئے جو اس پر عصائے موسیٰ کی ہیبت سے طاری تھا، حضرت موسیٰ کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ کیا تو جادو کے زور سے ہمارا ملک چھیننا چاہتا ہے، سو ہم بھی تیرے مقابلے میں ایسا ہی جادو لائیں گے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ شخص پیغمبر نہیں جادوگر ہے۔ پس تم مقابلے کے لئے کوئی دن اور جگہ مقرر کرلو۔ اس دن ہم بھی وہاں آجائیں گے اور تم بھی آجاؤ۔ کوئی فریق بھی وعدہ خلافی نہ کرے اور وہ مقررہ جگہ شہر کے وسط میں ہونی چاہئے تاکہ آنے والوں کو کوئی دشواری نہ ہو اور سب کے لئے مسافت بھی برابر ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی تجویز کو منظور کرتے ہوئے کہا کہ اس مقابلے کے لئے تمہاری عید کا دن اور چاشت کا وقت مناسب ہے تاکہ فرصت کی بنا پر سب آجائیں اور روزِ روشن میں مقابلہ دیکھ کر خود حق و باطل میں تمیز کرلیں۔

(ابن کثیر ۱۵۶/ ۳، روح المعانی ۲۱۶-۲۱۹/ ۱۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۷، ۵۵۸/ ۴)

حضرت موسیٰ کا ساحروں کو خطاب

۶۰-۶۱۔ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ○ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ج وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ○

پھر فرعون لوٹ گیا پھر اس نے اپنے تمام داؤ جمع کئے او (مقررہ وقت پر سب کو لے کر) آگیا۔ موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا کہ کمبختو اللہ پر جھوٹ افترا نہ باندھو ورنہ وہ تمہیں کسی عذاب سے

ملیا میٹ کر دے گا اور بیشک جس نے جھوٹ بنایا وہ غارت ہوا۔

کَیْدَہٗ : اس کا مکر، اس کا فریب، اس کی چالاکی۔

فَیُسْحِتَکُمْ : پس وہ تم کو فنا کرے گا، پس وہ تم کو ہلاک کرے گا۔ اِسْحَاتٌ سے مضارع،

خَابَ : وہ ناکام ہوا۔ وہ نامراد ہوا۔ خَیْبَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: اس زمانے میں جادو کا بڑا زور تھا۔ بڑے بڑے نامور جادوگر موجود تھے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلے کے دن اور جگہ کا تعین ہو گیا تو فرعون نے مقابلے کی حکمت عملی طے کی اور ایک فرمان کے ذریعے تمام نامور اور ہوشیار جادوگروں کو اپنے پاس طلب کر لیا۔ جب سب انتظامات ہو چکے اور مقابلے کا معینہ دن اور وقت آ گیا تو وہ اپنی پوری طاقت اور جمعیت کے ساتھ وقت معین پر مقابلے کے میدان میں آیا۔ ساحروں کی ایک بڑی فوج اس کے ہمراہ تھی۔ پھر وہ تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ تمام امراء وزراء اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ جادوگروں کی صفیں کی صفیں فرعون کے سامنے کھڑی تھیں اور وہ ان کو طرح طرح کے انعامات کی امیدیں دلا رہا تھا۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے جادوگروں کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو تم میرے معجزے کو جو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، جادو قرار دے کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو ورنہ شامتِ اعمال تمہیں برباد کر دے گی۔ افترا کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ لوگوں کی آنکھوں میں خاک نہ جھونکو کہ حقیقت میں تو کچھ نہ ہو اور تم اپنے جادو سے ان کو بہت کچھ دکھا دو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں جو واقعتاً کسی چیز کو پیدا کر سکے۔ (روح المعانی ۲۲۰/۱۶، ابن کثیر ۱۵۷/۳)

ساحروں میں اختلاف رائے ہونا

۶۲۔۶۴۔ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ○ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْ

هَبَا بِطَرِ يْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ○ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَ كُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ج وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ○

پس جادوگروں میں اپنے کام کے بارے میں باہم اختلاف ہوا اور وہ خفیہ مشورہ کرنے لگے۔ وہ کہنے لگے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سر زمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے بہترین مذہب کو برباد کر دیں۔ سو تم بھی اپنی تدبیریں جمع کر کے (میدان میں) صف بند کر کے آؤ اور آج جو غالب آگیا وہی کامیاب رہا۔

اَسَرُّوا : انہوں نے چھپا کر کہا۔ اِسْرَار" سے ماضی۔

النَّجْوٰى : سرگوشی کرنا، مشورہ کرنا، باتیں کرنا، راز، بھید، اسم بھی مصدر بھی۔

الْمُثْلٰى : پسندیدہ، بہترین، مَثَالَۃٌ" سے اسم تفضیل۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعظ سن کر وہ آپس میں اختلاف اور جھگڑا کرنے لگے۔ ان میں سے بعض کہنے لگے کہ یہ جادوگروں کا کلام نہیں یہ تو اللہ کے سچے رسول ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہیں ان سے مقابلہ کرنا چاہئے، ہم ان پر غالب آ جائیں گے۔ یہ سب باتیں وہ پوشیدہ اور خفیہ طور پر کر رہے تھے تاکہ فرعون کو پتہ نہ چل سکے۔ بالآخر انہوں نے متفقہ طور پر قرار دیا کہ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں اور اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتے ہیں تاکہ اس پر قبضہ کر کے اس کو اپنے تصرف میں لائیں اور تمہارے مذہب و تہذیب کو ختم کر کے بنی اسرائیل کا دین و تہذیب ملک میں رائج کریں۔ سو تم متحد و متفق ہو کر ان کا مقابلہ کرو تاکہ تمہارا رعب پڑ جائے اور ان کے دل میں ہیبت بیٹھ جائے۔ بیشک آج جس نے غلبہ پالیا وہی کامیاب ہے۔

(روح المعانی ۲۲۱۔۲۲۶/ ۱۶، ابن کثیر ۱۵۷/ ۳)

ساحروں کی مبارزت

۶۵۔۶۶ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ○ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ○

وہ (جادوگر) کہنے لگے۔ اے موسیٰ یا تو آپ پہلے ڈالیں یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔ موسیٰ نے کہا بلکہ تم ہی ڈالو۔ پس یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے سبب (حضرت) موسیٰ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

حِبَالُهُمْ : ان کی رسیاں، واحد حَبْلٌ

عِصِيُّهُمْ : ان کی لاٹھیاں، ان کے عصا۔

تشریح : جادوگر اپنے فنِ سحر پر ایسے مطمئن تھے کہ جب وہ مقابلے کے دن مقررہ جگہ پہنچے تو انہوں نے اپنی بڑائی مارتے ہوئے حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم ڈالیں۔ دل سے بھی وہ یہی چاہتے تھے کہ ان کو پہل کا موقع ملے تاکہ جب تمام ساحر بیک وقت اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو حضرت موسیٰ ان کو دیکھ کر حیران رہ جائیں۔ حضرت موسیٰ نے ان کے منشا کو محسوس کرتے ہوئے اور اپنی الوالعزمی کے اظہار کے لئے انہیں پہل کرنے کا موقع دیا اور فرمایا کہ تم ہی پہلے ڈالو۔

پھر جب انہوں نے لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اور لوگوں کی نظر بندی کر دی تو دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ گویا وہ سانپ بن کر چل پھر رہی ہیں اور میدان میں ادھر ادھر بھاگ رہی ہیں۔ تمام میدان سانپوں سے بھر گیا تھا۔ ایک کے اوپر ایک رینگ رہا تھا حالانکہ حقیقت میں وہ اس وقت بھی لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں۔ جس طرح اس نظر بندی سے پہلے تھیں۔ (ابن کثیر ۳/۱۵۷، روح المعانی ۲۲۶،۲۲۷/۱۶)

حضرت موسیٰ کو عصا ڈالنے کا حکم

۶۷-۶۹، فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ○ وَاَلْقِ مَافِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَاصَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ○

پھر (حضرت) موسیٰ کو دل میں خوف محسوس ہونے لگا۔ ہم (اللہ تعالیٰ) نے کہا ڈرو نہیں، تم ہی غالب رہو گے اور جو کچھ تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اسے (زمین پر) ڈالدو۔ ان لوگوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ (عصا) سب کو نگل جائے گا۔ بیشک جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ تو صرف جادوگروں کا شعبدہ ہے اور جادوگر کہیں بھی فلاح نہیں پاتا۔

اَوْجَسَ : اس نے دل میں محسوس کیا۔ وہ جی میں گھبرایا۔ وہ ہڑبڑایا۔ اِیْجَاسٌ سے ماضی۔

تَلْقَفْ : وہ نگل جائے گا۔ لَقْفٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام جادو کی حقیقت سے واقف نہ تھے اس لئے اس منظر کو دیکھ کر انہوں نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ خوف کھانے کی ضرورت نہیں تم ہی غالب رہو گے۔ معجزے کے سامنے کسی جادو اور شعبدے کی کوئی حقیقت نہیں لہٰذا تم بھی اس چیز کو زمین پر ڈالدو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے۔ آپ کے پاس جو کچھ ہے وہ کوئی خیالی شعبدہ اور فریب نہیں بلکہ وہ قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے۔ خیالی شعبدہ کبھی کرشمۂ قدرت پر غالب نہیں آسکتا اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ وہ فوراً ایک بڑا اژدھا بن گیا جس کے پیر بھی تھے اور سر کچلیاں اور دانت بھی۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے جادوگروں کے جتنے کرتب تھے سب کو ہڑپ کرلیا، اور کسی چیز کو باقی نہ چھوڑا، لوگ ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس

کے بعد یہ اژدہا فرعون کی طرف بڑھا تو اس نے چلا کر حضرت موسیٰ سے فریاد کی تو انہوں نے اس کو پکڑ لیا اور وہ پہلے کی طرح عصا بن گیا۔

(مواہب الرحمٰن، ۲۶۰۔۲۶۱/ ۱۶، ابن کثیر ۱۵۷۔۱۵۸/ ۳)

ساحروں کا ایمان لانا

۷۰۔ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی O

پھر جادوگر سجدے میں گر کر کہنے لگے کہ ہم ہارونؑ اور موسیٰؑ کے رب پر ایمان لائے۔

تشریح: جادوگر چونکہ خود فن سحر کے ماہر تھے، اس کے اصول و فروع سے باخبر تھے اس لئے دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ واقعی یہ اس خدا کا کام ہے جس کے فرامین اٹل ہیں، ہر کام اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ سحر نہیں، ایک سحر دوسرے سحر پر غالب تو آ سکتا ہے مگر اس کو نیست و نابود نہیں کر سکتا۔ اگر حضرت موسیٰ کی لاٹھی جادو کی لاٹھی ہوتی تو ہماری لاٹھیاں اور رسیاں تو اصل حالت پر باقی رہتیں۔ ہماری لاٹھیوں اور رسیوں کا سرے سے غائب ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے اور حضرت موسیٰ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ اگر حضرت موسیٰ نبی نہ ہوتے تو وہ ہم پر کبھی غالب نہیں آ سکتے تھے۔ ان ساحروں کو اللہ تعالیٰ پر ایسا کامل یقین ہو گیا کہ وہ اسی وقت اسی میدان میں سب کے سامنے اور بادشاہ کی موجودگی میں اللہ کے سامنے سربسجود ہو گئے اور پکار اٹھے کہ ہم حضرت ہارونؑ اور موسیٰؑ کے پروردگار پر ایمان لائے۔ کیسی بلند شان ہے اللہ کی کہ صبح کے وقت یہ لوگ کافر اور ساحر تھے اور شام کو پاکباز مومن اور راہ خدا کے شہید۔

(مظہری ۴۴۲/ ۳، مواہب الرحمٰن ۲۶۱۔۲۶۳/ ۱۶)

فرعون کی بے بسی اور غصہ

۷۱۔ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُ قَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُ صَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ○

(فرعون نے) کہا کہ کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آئے۔ بیشک وہی تمہارا بڑا (استاد) ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ سو اب میں ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ کٹواؤں گا اور دوسرے طرف کے پاؤں اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا۔ اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب شدید اور دیرپا ہے۔

وَلَاُ صَلِّبَنَّكُمْ :میں تمہیں ضرور سولی پر چڑھاؤں گا۔ تَصْلِیْبٌ سے مضارع،

جُذُوْعِ : درخت، تنے، واحد جِذْعٌ

النَّخْلِ : کھجور کے درخت، اسم جنس ہے۔ واحد نَخْلَةٌ

تشریح: فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں کے مشورے سے جن جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے پورے ملک سے جمع کیا تھا وہ نہ صرف مقابلہ ہار گئے بلکہ وہ حضرت موسیٰ پر ایمان بھی لے آئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جادوگروں کو ایمان لاتے دیکھ کر فرعون کی قوم کے لاکھوں افراد حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک بڑی طاقت فرعون کے مقابلے پر آ گئی۔

اس وقت فرعون نے اپنی پریشانی کو چھپاتے ہوئے ایک چالاک و ہوشیار سیاستدان کی طرح پہلے تو ساحروں کو ڈانٹا کہ تم میری اجازت سے پہلے ہی حضرت موسیٰ پر ایمان لے

آئے پھر یہ الزام لگایا کہ تم نے مقابلے پر آنے سے پہلے ہی حضرت موسیٰ کے ساتھ مل کر ملک و قوم کے خلاف سازش کر رکھی تھی تاکہ حکومت پر غلبہ پاکر اہل وطن کو ملک سے نکال دیا جائے۔ یقیناً موسیٰ تم سب کے استاد ہیں۔ تم لوگوں نے انہیں سے جادو سیکھا ہے اور تم سب آپس میں ایک ہی ہو۔ باہمی مشورے سے، پہلے تو تم نے ان کو بھیجا پھر اس کے مقابلے میں خود آگئے اور پروگرام کے مطابق اس کو جتوادیا اور خود ہار گئے۔ پھر اس کا دین قبول کر لیا تاکہ تمہاری دیکھا دیکھی میری رعایا بھی اس کے چکر میں پھنس جائے۔ بہت جلد تمہیں اپنی سازش کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ میں تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ کر تم سب کو کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا اور اس بری طرح تمہاری جان لوں گا کہ دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ دائمی عذاب کس پر آتا ہے۔
(روح المعانی ۲۳۱۔ ۲۳۲/ ۱۶، مواہب الرحمٰن ۲۶۳۔ ۲۶۴/ ۱۶)

ساحروں کی استقامت

۷۲۔۷۳۔ قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝

وہ کہنے لگے کہ ہم تجھے ہرگز ترجیح نہ دیں گے ان کھلی نشانیوں پر جو ہمارے پاس آچکی ہیں اور نہ اس خدا پر (ترجیح دیں گے) جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ پس جو تجھے کرنا ہے کر لے۔ بیشک تو تو صرف اسی دنیا کی زندگی پر حکم چلا سکتا ہے۔ بلاشبہ ہم تو اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو بخش دے، اور اس جادو کو بھی جو تو نے ہم سے زبردستی کرایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔

نُّؤْثِرَكَ : ہم تجھے ترجیح دیں گے۔ اِیثَارٌ سے مضارع۔

فَاقْضِ : پس تو فیصلہ کر، پس تو کر گزر، قَضَاءٌ سے امر۔

تشریح: اسلام و ایمان ایک ایسی زبردست قوت ہے کہ جب وہ کسی کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر انسان اپنی جان و مال سب کچھ قربان کرتے ہوئے ساری دنیا کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی لئے یہ جادوگر جو ابھی ذرا دیر پہلے فرعون کو اپنا خدا مانتے تھے، کلمۂ حق پڑھتے ہی ان میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی کہ فرعون کی ساری دھمکیوں کے جواب میں کہنے لگے کہ اب تو ہم اللہ تعالیٰ کے ہو چکے اور اسی کی طرف رجوع کر چکے۔ جو ہدایت و یقین ہمیں اللہ کی طرف سے حاصل ہوا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم تیرا مذہب کسی طرح قبول نہیں کریں گے۔ اس خدا کی قسم جس نے ہمیں اولاً پیدا کیا، ہم تیری گمراہی کو اللہ کی طرف سے حاصل شدہ ہدایت و توفیق پر ترجیح نہیں دے سکتے۔ تجھے جو کچھ کرنا ہے وہ کر لے۔ نہ ہمیں تیری سزاؤں کا خوف ہے اور نہ تیرے انعام کا لالچ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت و اطاعت کی جائے۔ تو تو ہمیں اسی وقت تک سزا دے سکتا ہے جب تک ہم اس دنیا میں زندہ ہیں۔ ہم تو اب اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں اس لئے ہمیں یقین ہے کہ مرنے کے بعد ہمیں ابدی راحت اور غیر فانی خوشی و مسرت نصیب ہو گی اور اللہ ہمارے قصور معاف فرما دے گا۔ خاص طور پر وہ ہمارے ان گناہوں کو بخش دے گا جو تو نے ہم سے زبردستی اور زور دے کر حضرت موسیٰ کے مقابلے میں کرائے۔

قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں کہ فرعون نے ان ایمان لانے والے ساحروں کو وہ سزا دی یا نہیں جس کی اس نے ان کو دھمکی دی تھی۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ فرعون نے جو ان کے قتل اور سولی کا پختہ ارادہ کیا تھا وہ کر گزرا۔ حضرت ابن عباسؓ اور دیگر سلف سے یہی مروی ہے کہ وہ جماعت جو سورج نکلنے کے وقت کافر اور جادوگر تھی وہی جماعت سورج غروب ہونے سے پہلے مومن اور شہید تھی۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

(روح المعانی ۲۳۲، ۲۳۳ / ۱۶، مواہب الرحمٰن ۳۶۵، ۳۶۶ / ۱۶، ابن کثیر ۱۵۹ / ۳)

فرعون کو نصیحتیں

۷۴۔۷۶، اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ○ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ○ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ○

بیشک جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا سو اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ ہی رہے گا۔ اور جو کوئی اس کے پاس مومن ہو کر آئے گا اور اس نے نیک اعمال بھی کئے ہوں گے تو ان کے لئے بلند درجات ہیں۔ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان (باغوں) میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاکیزگی اختیار کرے۔

تشریح: قیامت کے دن جو شخص مجرم اور باغی ہو کر اپنے رب کے سامنے پیش ہو گا بلاشبہ اس کے لئے دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔ وہاں اس کو کبھی موت نہیں آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے۔ اور نہ اس کو کوئی راحت نصیب ہو گی بلکہ اس کی زندگی بڑی مشقت والی اور موت سے بدتر ہو گی۔ اس کے برعکس جو لوگ ایمان کی حالت میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ہوں گے تو ان کے لئے بلند درجات اور ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ جزا ان لوگوں کے لئے ہے جو کفر و معصیت کی نجاستوں سے پاک و صاف ہوں گے۔

امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور ابن احبان نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیچے کے درجات والے اونچے درجات والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم چمکتے ستاروں کو

آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو اور ابو بکرؓ انہیں میں سے ہوں گے اور عمرؓ (بھی)۔

یہ حدیث طبرانی نے حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت سے اور ابن عساکر نے حضرت ابن عمرؓ و حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

ترمذی میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے سو درجے ہیں۔ تمام درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان۔ سب سے اوپر جنت الفردوس ہے۔ اسی سے چار نہریں نکلتی ہیں اسی کے اوپر عرش ہے۔ جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس کی دعا کیا کرو۔

(مظہری ۱۵۳۔ ۱۵۴/ ۶، ابن کثیر ۱۵۹، ۱۶۰/ ۳)

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج

۷۷۔ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوسٰىٓ ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ۔ پھر دریا پر عصا مار کر ان کے لئے سوکھا راستہ بنا دو کہ جس سے نہ تو تمہیں تعاقب کا اندیشہ رہے گا اور نہ ڈوبنے کا۔

اَسْرِ : تورات کے وقت لے کر چل، اِسْرَاءٌ سے امر۔

يَبَسًا : خشک، سوکھا ہوا، يُبْسٌ سے صفت مشبہ۔

دَرَكًا : تعاقب کرنا۔ پالینا۔ برا نتیجہ۔ مصدر ہے۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک و برباد کرنا چاہا اور بنی اسرائیل کو ان کے ظلم سے نجات دینے کا ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جاؤ۔ اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چونکہ فرعون کے تعاقب اور راستے میں دریا کے حائل

ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے اطمینان کے لئے فرمایا کہ دریا پر پہنچ کر اس میں اپنی لاٹھی مار دینا۔ اس سے دریا میں خشک راستہ بن جائے گا اور فرعون کے تعاقب اور پکڑے جانے کا خطرہ نہ رہے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی اور بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل گئے، دریا پر پہنچ کر اپنی لاٹھی دریا میں ماری۔ پانی پھٹ کر دونوں طرف پہاڑ کی طرح رک گیا اور درمیان میں خشک زمین نکل آئی۔ بنی اسرائیل اس خشک زمین پر چل کر دریا پار کر گئے۔ (مظہری ۶/۱۵۴)

فرعون کا تعاقب اور غرقابی

۷۸۔۷۹، فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَاغَشِيَهُمْ ○ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ○

پھر فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا تو دریا نے ان سب کو ڈھانپ لیا جیسا کہ ان کو ڈھانپنا تھا۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈالدیا اور ان کو سیدھا راستہ نہ دکھایا۔

غَشِيَهُم : اس نے ان کو ڈھانک لیا۔ اس نے ان کو گھیر لیا۔ غِشْيَانٌ وغِشَاوَةٌ سے امر۔

الْيَمِّ : دریا، سمندر، گہرا پانی، جمع يُمُوْمٌ

تشریح: صبح کو جب فرعون اور اس کی قوم کو پتہ چلا کہ شہر میں بنی اسرائیل کا کوئی بھی آدمی موجود نہیں ہے، سب حضرت موسیٰ کے ساتھ جا چکے ہیں تو فرعون اپنے لشکر کو لے کر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل پڑا۔ دریا پر پہنچ کر اس نے یہ عجیب و غریب منظر دیکھا کہ دریا کا پانی رکا ہوا ہے اور بنی اسرائیل دریا میں بنے ہوئے خشک راستے سے گزر رہے ہیں۔

فرعون نے اپنے لشکر والوں کو حکم دیا کہ تم بھی اسی راستے سے دریا کو پار کرو جس سے بنی اسرائیل والے گزر رہے ہیں اور خود بھی دریا میں اتر گیا۔ جب تمام بنی اسرائیل دریا سے

صحیح و سالم نکل گئے اور فرعون اور تمام اہل فرعون دریا میں داخل ہو کر اس کے عین درمیان میں پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے دریا کے پانی کو رواں کر دیا اور دریا کی موجوں نے ان سب کو ہمیشہ کے لئے ڈھانپ لیا اور فرعون بمع اپنی قوم کے غرق ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ دین کے معاملے میں فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کر دیا۔ دنیا میں ان کو دین کا راستہ دکھانے کی بجائے الٹا دین کا مذاق اڑاتا رہا۔ سو ان کا جو حال دنیا میں ہوا وہی آخرت میں ہو گا۔ یہاں وہ (فرعون) سب کو لے کر سمندر میں ڈوبا وہاں سب کو ساتھ لے کر جہنم میں جا گرے گا۔ (مظہری ۱۵۴، ۱۵۵/۶، عثمانی ۹۰/۲)

بنی اسرائیل کو نصیحت

۸۰۔۸۲، یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَوٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی O کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَارَزَقْنٰکُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ ج وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی O وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی O

اے بنی اسرائیل! البتہ ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے (یعنی تمہارے پیغمبر سے) کوہ طور کی داہنی جانب (آنے) کا وعدہ کیا اور (وادیٔ تیہ میں) تم پر من وسلویٰ اتارا۔ تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزوں میں سے خوب کھاؤ اور اس میں حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہو گا۔ اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تو وہ یقیناً تباہ ہوا۔ اور بیشک میں اس کے لئے غفار بھی ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کرے پھر ہدایت پر قائم رہے۔

یَحْلِلْ : وہ نازل ہو گا۔ وہ واقع ہو گا۔ حُلُوْلٌ سے مضارع۔

ھَوٰی : وہ گر پڑا۔ وہ غروب ہو گیا۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ ھُوِیٌ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے بنی اسرائیل پر فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے ان کو ایک نہایت جابر و قاہر دشمن کے ظلم سے نجات دی اور اس کو ان کی نظروں کے سامنے عبرتناک انجام سے دوچار کیا، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۔(سورۂ بقرہ آیت ۵۰)

اور ہم نے تمہاری آنکھوں کے سامنے اہلِ فرعون کو غرق کر دیا۔

پھر ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے مصر سے شام کی طرف جاتے ہوئے تم کو کوہ طور کے اس مبارک حصے پر بلایا جو دائیں طرف پڑتا ہے تاکہ تمہیں توریت عطا کی جائے۔ کوہ طور پر بلا کر توریت دینے کا وعدہ حقیقت میں حضرت موسیٰ سے تھا لیکن اس کا تعلق چونکہ بنی اسرائیل سے بھی تھا اس لئے مجازاً فرمادیا کہ ہم نے تم کو (بنی اسرائیل کو) وعدہ دیا تھا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے تیہ کے لق و دق میدان میں تمہارے کھانے کے لئے من و سلویٰ اتارا جس کی تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت ۵۷ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ ان احسانات کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال و طیب، صاف ستھری اور لذیذ چیزیں تمہیں عنایت فرمائی ہیں انہیں خوب استعمال کرو لیکن حد سے تجاوز اور ناشکری نہ کرو۔ مثلاً فضول خرچ کرنا۔ ان فانی انعامات پر اترانا، مستحق کو نہ دینا، مغرور ہو جانا، اللہ کی دی ہوئی دولت کو گناہ کے کاموں میں خرچ کرنا وغیرہ۔ اگر تم حد سے تجاوز کرو گے تو تم پر اللہ کا غضب نازل ہوگا۔ اور تمہیں ذلت و رسوائی کے تاریک غار میں دھکیل دیا جائے گا۔

غرض بنی اسرائیل نے ناشکری کر کے اپنا ہی نقصان کیا کیونکہ ناشکری کے سبب وہ آخرت میں اللہ کے عذاب کے مستحق ہوئے اور دنیا میں انہوں نے اپنا رزق کھویا جو بلا مشقت اور بلا حساب اخروی ان کو ملتا تھا۔

پھر فرمایا کہ کوئی کتنا ہی بڑا مجرم کیوں نہ ہو، اگر وہ سچے دل سے توبہ کر کے ایمان و

عملِ صالح کا راستہ اختیار کر لے اور مرتے دم تک اس پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بخشدے گا کیونکہ اس کے ہاں بخشش و رحمت کی کمی نہیں۔

(روح المعانی ۲۳۸-۲۴۱/۱۶، عثمانی ۹۰/۲)

حضرت موسیٰ کا کوہ طور پر جانا

۸۳-۸۴، وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ○ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ○

اور اے موسیٰ! تم کس لئے جلدی کر کے اپنی قوم سے پہلے آ گئے؟ (موسیٰ نے) کہا وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ اور میں جلدی کر کے اس لئے آپ کے پاس آیا کہ آپ خوش ہوں۔

اَعْجَلَكَ : اس نے تجھ سے جلدی کرائی، اِعْجَالٌ سے ماضی۔

اَثَرِىْ : میرے پیچھے پیچھے۔ میرا نقشِ قدم۔

تشریح: فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے ایک دستورِ ہدایت اور قانونِ شریعت کا مطالبہ کیا تاکہ وہ اس کے مطابق زندگی گزاریں۔ حضرت موسیٰ کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا اور حکم دیا کہ ستر علما کو اپنے ہمراہ لے کر کوہ طور پر پہنچ جاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ستر علما کو لے کر کوہ طور کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب کوہ طور کے قریب پہنچے تو شدتِ شوق سے بیتاب ہو کر تیز تیز چل کر سب سے پہلے طور پر پہنچ گئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی پہاڑ پر پہنچنے کے لئے کہہ گئے۔

جب حضرت موسیٰ پہاڑ پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ ایسی جلدی کیوں کی کہ قوم کو پیچھے چھوڑ آئے۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار! قوم کے لوگ بھی پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ میں تو محض تیری خوشنودی اور رضا کے لئے جلد حاضر ہوا ہوں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۴۷۱، عثمانی ۹۱/۲)

سامری کا قوم کو گمراہ کرنا

۸۵۔ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور (وہ یہ کہ) سامری نے ان کو گمراہ کر دیا ہے۔

تشریح: حضرت موسیٰ کوہ طور پر جاتے وقت اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے اور ان کو تاکید کر گئے تھے کہ ان لوگوں کو توحید اور ہدایت پر قائم رکھنا۔ حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر چلے جانے کے بعد سامری نامی ایک شخص نے سونے چاندی کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنایا اور اس میں ہوا کے آنے جانے کے لئے ایک ایسا راستہ رکھا جس سے بیل جیسی آواز پیدا ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل جو مصر میں مصریوں کو گائے بیل پوجتے دیکھا کرتے تھے اس پر فریفتہ ہو گئے اور اس کی عبادت کرنے لگے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تو یہاں آ گئے اور ہم نے تمہاری قوم کو ایک سخت آزمائش میں ڈال دیا۔ یعنی اصل فتنہ تو من جانب اللہ ہے لیکن اس کا ظاہری سبب اور واسطہ سامری بنا ہے کیونکہ اسی کے گمراہ کرنے سے لوگوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کی تھی۔ جمہور کی رائے میں سامری حضرت موسیٰ کے عہد کا منافق تھا اور منافقوں کی طرح فریب اور چالبازی سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۷۳/ ۴، حقانی ۲۷۲/ ۳)

حضرت موسیٰ کا قوم پر برہم ہونا

۸۶۔۸۸، فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ

يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۭ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ○ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ○ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ○

پس حضرت موسیٰ سخت غصے اور افسوس کی حالت میں اپنی قوم کی طرف لوٹے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا تم پر بہت طویل زمانہ گزر گیا تھا یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو؟ پھر تم نے (کیوں) مجھ سے وعدہ خلافی کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدے کے خلاف نہیں کیا بلکہ قوم (قبط) کے جو زیورات ہم پر لاد دئے گئے تھے (سامری کے کہنے سے) ہم نے ان کو (آگ میں) پھینک دیا۔ پھر اسی طرح سامری نے (بھی اپنا زیور) ڈال دیا پھر اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا (بنا) نکالا۔ (یعنی) ایک دھڑ جس میں سے ایک آواز نکلتی تھی سو (ان میں سے بعض) کہنے لگے کہ یہی تو تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے لیکن موسیٰ بھول گیا ہے۔

فَقَذَفْنٰهَا : پس ہم نے اس کو ڈال دیا، پس ہم نے اس کو پھینک دیا۔ قَذْفٌ سے ماضی۔

اَلْقَى : اس نے ڈالا، اِلْقَاءٌ سے ماضی۔

عِجْلًا : بچھڑا، گائے کا بچہ، گو سالہ،

جَسَدًا : بدن، دھڑ، قالب، جمع اَجْسَادٌ ۔

خُوَارٌ : گائے کی آواز۔

تشریح: حضرت موسیٰ فتنے کی خبر سن کر چالیس دن کی مدت پوری ہونے پر توریت لے کر، اپنی قوم کے فعل پر انتہائی رنج و غم اور غصے میں بھرے ہوئے قوم کی طرف لوٹے اور ان سے کہا کہ اے میری قوم کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے کوہِ طور پر بلا کر تمہارے لئے توریت عطا کرنے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ تم نے نہ توریت کا انتظار کیا اور نہ میری واپسی کا بلکہ جلد بازی کر کے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ کیا یہ چالیس روزہ مدت اتنی طویل تھی کہ تم صبر نہ کر سکے یا تم نے جان بوجھ کر مجھ سے وعدہ خلافی کی اور میری عدم موجودگی میں ایسا کام کیا جو موجبِ غضبِ الٰہی ہو۔ اَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِیْ سے مراد وہ وعدہ ہے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کیا تھا کہ آپ ہمیں اللہ کی کتاب لا دیجئے ہم اس پر عمل کریں گے اور آپ کی پیروی پر قائم رہیں گے۔

حضرت موسیٰ کی قوم کے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنی قدرت و اختیار سے آپ کے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ سامری نے اپنے مکر و فریب سے ہمیں اپنے قابو میں لے لیا، اسی نے ہم سے یہ حرکت کرائی۔ اگر ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور سامری ہمیں اپنے مکر و فریب میں نہ پھنساتا تو ہم آپ کے وعدے کے خلاف کبھی نہ کرتے۔ ہم اس کے جال میں ایسے پھنسے کہ اپنے آپ کو نہ روک سکے۔ ہوا یہ کہ ہم پر قوم فرعون کے زیوروں کا بوجھ لدا ہوا تھا اور ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا کریں۔ پھر باہمی مشورے سے ہم نے اسے اتار پھینکا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ زیورات ان پر کسی نے نہیں لادے تھے بلکہ انہوں نے حیلہ کر کے یہ کہہ کر خود فرعونیوں سے مستعار لئے تھے کہ ہم عید منانے جا رہے ہیں، عید کے بعد زیورات تمہیں لوٹا دیں گے۔ یہ حیلہ انہوں نے اس لئے کیا تھا کہ اس کے بغیر وہ مصر سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ زیورات چونکہ ان کے لئے حلال نہ تھے اس لئے وہ ان کو اپنے اوپر گناہ اور بوجھ سمجھتے تھے۔

پھر سامری کے کہنے پر انہوں نے وہ زیورات آگ کے گڑھے میں ڈال دیئے اور سامری نے بھی اپنے زیورات گڑھے میں ڈال دیئے۔ پھر سامری نے اس سونے چاندی کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنا دیا۔ جس میں سے گائے کی آواز آتی تھی۔ سونے چاندی کے بچھڑے میں

سے گائے کی آواز سن کر کہنے لگے کہ اے بنی اسرائیل تمہارا اور موسیٰ کا خدا تو یہ ہے۔ تم اسی کی عبادت کرو۔ موسیٰ تو اپنے معبود کو بھول گئے اور اس کی تلاش میں کوہِ طور پر گئے ہیں۔

(روح المعانی ۲۴۴۔۲۴۸/۱۶، مواہب الرحمٰن ۲۸۰۔۲۸۴/۱۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵۷۲۔۵۷۴/۴)

بنی اسرائیل کی حماقت

۸۹۔۹۱۔ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ○ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ○ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ○

کیا وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ (بچھڑا) تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار رکھتا ہے۔ حالانکہ (حضرت) ہارونؑ پہلے ہی ان سے کہہ چکے تھے کہ اے قوم اس (بچھڑے) سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور بیشک تمہارا حقیقی رب تو رحمٰن ہی ہے سو تم میری اتباع کرو اور میری بات مانو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو اسی (بچھڑے کی عبادت) پر جمے رہیں گے۔ یہاں تک کہ (حضرت) موسیٰ لوٹ کر ہمارے پاس آئیں۔

نَّبْرَحَ : ہم ہمیشہ رہیں گے۔ ہم جمے رہیں گے۔ بَرْحٌ سے مضارع۔

عٰکِفِیْنَ : اعتکاف کرنے والے، گوشہ نشین ہونے والے، جم کر بیٹھنے والے، عُکُوْفٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: یہ لوگ پرلے درجے کے احمق تھے کہ محض ایک حیوان کی آواز پر ایمان لے آئے جو نہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کو کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہاں

تک کہ یہ از خود حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تو فرعون سے زیادہ عاجز و بے بس ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا کہ دیکھو تم اس فتنے میں نہ پڑو۔ یہ سراسر گمراہی ہے۔ بلاشبہ تمہارا رب تو رحمٰن ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ تم اس کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکو، صرف اسی کی عبادت کرو، وہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے سو تم اس کی عبادت میں میری اتباع کرو اور میرا حکم مانو۔ حضرت ہارونؑ کی گفتگو سن کر قوم کے لوگوں نے جواب دیا کہ جب تک حضرت موسیٰ ہمارے پاس نہیں آ جاتے ہم اس وقت تک اس بچھڑے کی پوجا کرتے رہیں گے۔ غرض حضرت ہارون نے ان کو بہت سمجھایا، مگر وہ نہ مانے بالآخر انہوں نے قوم کے ان لوگوں سے جو بچھڑے کی پوجا پر قائم رہے، کنارہ کشی اختیار کر لی۔ حضرت ہارونؑ کے ساتھ بہت تھوڑے سے لوگ تھے۔ جنہوں نے بچھڑے کو معبود نہیں بنایا تھا۔

(مواہب الرحمٰن، ۲۸۵۔۲۸۷/۱۶، ابن کثیر ۱۶۳/۳)

حضرت موسیٰ کا باز پرس کرنا

۹۲۔۹۴، قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَامَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ○ اَ لاَّ تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِىْ ○ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَاتَاْخُذْ بِلِحْيَتِىْ وَلَابِرَاْسِىْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِىْ ○

(حضرت موسیٰ نے آکر) کہا اے ہارون! جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو تمہیں. کس چیز نے روکا تھا کہ تم میرے پیچھے نہ آئے۔ کیا تو نے (بھی) میری نافرمانی کی۔ (حضرت ہارونؑ نے) کہا اے میری ماں کے بیٹے تو میری ڈاڑھی اور سر کے بال نہ پکڑ۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری

بات یاد نہ رکھی۔

بِلِحْيَتِي : میری ڈاڑھی کو۔

تَرْقُبْ : تونے نگاہ رکھی۔ تونے ملحوظ رکھا۔ تونے انتظار کیا۔ رُقُوْبٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے غصے میں بھرے ہوئے واپس آئے تو توریت کی تختیاں زمین پر رکھ کر حضرت ہاروں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کو سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور ملامت کرتے ہوئے کہا کہ اس بت پرستی کے شروع ہوتے ہی تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی۔ تم نے اپنے ہم خیال لوگوں کو ساتھ لے کر بچھڑے کی پوجا کرنے والوں سے مقابلہ و مقاتلہ کیوں نہ کیا۔ تمہیں میری پیروی کرنے سے کس چیز نے روکا۔ حضرت ہارونؑ نے جواب دیا کہ اے میری ماں کے بیٹے میری ڈاڑھی اور میرے سر کو نہ پکڑ۔ میں نے ان کو سمجھانے، نصیحت کرنے اور راہ راست پر لانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، لیکن میری نصیحت پر عمل کرنے کی بجائے، یہ لوگ مجھے کمزور سمجھ کر میرے قتل کے درپے ہوگئے۔ پھر میں نے یہی مناسب سمجھا کہ تمہارے آنے کا انتظار کروں اور تمہاری عدم موجودگی میں کوئی ایسا کام نہ کروں جس سے بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ جائے۔ اس لئے میں نے ان سے مقاتلہ نہ کیا بلکہ ان کو صرف زبانی نصیحت کرتا رہا۔ حضرت موسیٰ کو حضرت ہارون کے جواب سے ان کی بے گناہی کا یقین ہو گیا۔ (مواہب الرحمٰن ۲۸۸۔۲۸۹/۱۶)

سامری سے بازپرس

۹۵۔۹۸، قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ O قَالَ بَصُرْتُ بِمَالَمْ يَبْصُرُوا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ O قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ ۖ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ

الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ○ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ○

(حضرت موسیٰ نے) کہا اے سامری تجھے کیا ہوا تھا؟ (سامری نے) کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو اوروں کو دکھائی نہیں دی سو میں نے اللہ کے بھیجے ہوئے کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی بھر خاک اٹھالی۔ پھر میں نے وہی (اس بچھڑے میں) ڈال دی اور میرے دل میں اسی طرح آیا تھا۔ (حضرت موسیٰ نے) کہا جاد و رہو۔ دنیا کی زندگی میں تو تیری یہی سزا ہے کہ تو کہتا پھرے کہ مجھے کوئی نہ چھوئے۔ اور تیرے لئے (عذاب کا) ایک اور بھی وعدہ ہے جو تجھ سے ہرگز نہیں ٹلے گا۔ اور اب تو اپنے اس معبود کو بھی دیکھ جس کی عبادت پر تو جما ہوا تھا ہم اسے جلادیں گے پھر ہم اس (کی راکھ) کو دریامیں بکھیر کر بہادیں گے (اے لوگو!) بیشک تمہارا معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔

خَطْبُكَ : تیرا معاملہ، تیرا حال، تیری منگنی، جمع خُطُوْبٌ

اَثَرِ : نقشِ قدم، پیچھے پیچھے، جمع اٰثَارٌ

فَنَبَذْتُهَا : پس میں نے اس کو پس پشت ڈال دیا، پس میں نے اس کو پھینک دیا۔ نَبْذٌ سے ماضی،

سَوَّلَتْ : اس نے حکم دیا۔ اس نے زینت دلائی۔ وہ دل میں آیا۔

مِسَاسَ : مالش، ہاتھ لگانا، چھونا، مصدر بھی ہے اسم بھی۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ : البتہ ہم ضرور اس کو خوب جلائیں گے۔ تَحْرِیْقٌ سے مضارع۔

لَنَنْسِفَنَّهٗ : البتہ ہم ضرور اس (راکھ) کو بکھیر کر بہادیں گے۔ ہم ضرور اس کو اڑادیں گے۔ نَسْفٌ سے مضارع۔

تشریح: پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو ڈانٹ پلائی اور کہا کہ اب تو اپنی حقیقت بیان کر کہ تو نے یہ نامعقول حرکت کیوں کی۔ سامری نے جواب دیا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی۔ سو میں نے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو گھوڑے پر سوار دیکھا اور ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ پھر میں نے اس مٹی کو اس آگ میں ڈال دیا جس میں بنی اسرائیل والوں نے اپنے زیورات ڈالے تھے۔ اس مٹی کے ڈالنے سے زیورات پگھل کر ایک بچھڑا بن گئے اور اس میں سے آواز آنے لگی۔ بنی اسرائیل اس کرشمے کو دیکھ کر مفتون ہوگئے۔ اس کو میرے دل نے پسند کیا۔ اور مجھے اس کام پر آمادہ کیا۔ اس لئے میں نے یہ کام کرڈالا۔ اس کے سوا اس کا کوئی اور سبب نہیں۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تو ہمارے درمیان سے نکل جا۔ اب دنیوی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ نہ تو تو کسی چیز کو ہاتھ لگا سکے گا اور نہ کوئی تجھے ہاتھ لگا سکے گا۔ آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہوگی، جس سے چھٹکارا محال ہے۔ اب تو اپنے معبود کا حشر دیکھ جس کی عبادت پر تو جما ہوا تھا۔ ہم اسے جلا کر راکھ کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ سونے کا بچھڑا اس طرح جل گیا جیسے کوئی گوشت پوست کا بچھڑا جل کر راکھ ہو جائے۔ پھر اس کی راکھ کو جمع کر کے دریا میں بہا دیا تاکہ اس کے پوجنے والوں پر خوب واضح ہو جائے کہ یہ بچھڑا دوسروں کو تو کیا نفع پہنچاتا یہ تو اپنے وجود کی بھی حفاظت نہ کر سکا۔

بلاشبہ تمہارا معبود تو صرف اللہ ہے جو تمام صفات کمال کا جامع ہے۔ تم سب کا مالک و خالق ہے۔ وہ قیاس و گمان سے پاک و برتر ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کا علم نہایت وسیع، لامحدود اور ذرے ذرے کو محیط ہے۔

(عثمانی ۹۴ / ۲، ابن کثیر ۱۶۳، ۱۶۴ / ۳)

سابقہ امتوں کے واقعات سنانے کی حکمت

۹۹-۱۰۱۔ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَاقَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ○ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح ہم آپ کو ان لوگوں کی خبریں سناتے ہیں جو پہلے گزر چکے۔ اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ (یعنی قرآن) دیا ہے۔ جس نے اس سے اعراض کیا تو قیامت کے روز وہ یقیناً (اس گناہ کا) بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور قیامت کے دن ان کے لئے بڑا برا بوجھ ہے۔

لَّدُنَّا : ہماری طرف سے۔

وِزْرًا : بوجھ۔

سَآءَ : وہ بڑا ہے، سَوْءٌ سے ماضی فعل ذم ہے۔

حِمْلًا : بوجھ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ہم نے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنایا اسی طرح ہم آپ کے سامنے گزشتہ حوادث کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کو تسلی ہو اور آپ کی امت کے لئے عبرت و نصیحت ہو۔ بلاشبہ ہم نے آپ کو ایسا قرآن عطا کیا ہے جس میں ماضی کی اقوام کے حالات و واقعات درج ہیں۔ جو شخص اس قرآن سے اعراض کرے گا، اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس کے مطابق عمل نہیں کرے گا تو بلاشبہ قیامت کے روز وہ کفر و معصیت کا بھاری بوجھ اپنے اوپر لاد کر لائے گا جو کبھی ہلکا نہ ہوگا۔ پھر گناہوں کے اس بوجھ کا اٹھانا کوئی آسان نہیں۔ جب یہ لوگ اس بوجھ کو اٹھائیں گے تب ان کو پتہ چلے گا کہ ان پر

کیسا بُرا اور سخت بوجھ لدا ہوا ہے۔

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص قرآن سے روگردانی کرے گا وہ قیامت کے روز اپنے کندھے پر اس مال کا بار اٹھائے گا جو اس نے دنیا میں ناجائز طور پر استحقاق کے بغیر لیا ہوگا۔

امام احمد اور طبرانی نے حضرت یعلیٰ بن مرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے بالشت بھر زمین ناحق لی، اللہ تعالیٰ اس کو اس بات کا مکلف کرے گا کہ وہ بالشت بھر کا گڑھا ساتوں زمینوں میں (یعنی اوپر سے ساتویں زمین تک) کھودے پھر قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، اور لوگوں کا فیصلہ ہونے تک یہ طوق اس کے گلے میں پڑا رہے گا۔

امام احمد اور شیخین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطاب کے لئے) کھڑے ہوئے اور مال غنیمت میں خیانت کرنے کی بڑی برائی کی۔ پھر فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ میں قیامت کے روز تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں پاؤں کہ وہ بلبلاتے ہوئے اونٹ کو اپنی گردن پر سوار کئے ہوئے آرہا ہو اور مجھ سے کہہ رہا ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری مدد کیجئے۔ میں کہدوں گا کہ اللہ کے مقابلے میں (اب) میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے تجھے پیغام پہنچا دیا۔ آپ نے اس حدیث میں اسی طرح گردن پر ہنہناتے ہوئے گھوڑے اور منمناتی ہوئی بکری کے سوار ہونے کا ذکر بھی فرمایا۔

(روح المعانی ۲۵۸، ۲۵۹/ ۱۶، عثمانی ۹۴/ ۲، مظہری ۱۶۱۔ ۱۶۳/ ۶)

حشر میں مجرموں کا حال

۱۰۲۔۱۰۴۔ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ○ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ○ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ○

جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور اس دن ہم سب مجرموں کو اس حال میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہوں گی۔ وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ تم (دنیا میں) صرف دس دن ہی رہے ہو گے۔ ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کہیں گے جبکہ ان میں سب سے زیادہ صائب الرائے یہ کہے گا کہ تم تو صرف ایک ہی روز ٹھہرے۔

زُرْقًا : کیری آنکھ، نیلی آنکھ، اندھا واحد اَزْرَقُ

یَوْمَئِذٍ : اس روز، اس دن یہ یَوْمَ اور اِذْ سے مرکب ہے۔

یَتَخَفَتُوْنَ : وہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں۔ تَخَافَتٌ سے مضارع۔

تشریح: قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو ہم مجرموں کو اس حال میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور چہرے سیاہ ہوں گے، ان پر پیاس غالب ہو گی اور وہ بدحواس ہوں گے۔ اس وقت وہ خوف کے مارے چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہیں گے کہ تم تو دنیا میں صرف دس روز رہے یعنی آخرت کے طول اور وہاں کے ہولناک احوال کی شدت کو دیکھ کر وہ دنیا کے طویل قیام کو صرف دس دن کے برابر خیال کریں گے۔

صور ایک سینگ کی طرح کی چیز ہے جس میں پھونک مار کر لوگوں کو حشر کے لئے بلایا جائے گا۔ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی دفعہ میں تمام دنیا فنا ہو جائے گی، کوئی زندہ نہیں بچے گا دوسری دفعہ پھونکنے سے ابتداء سے انتہا تک سب زندہ ہو جائیں گے اور سب کو حشر میں جمع کیا جائے گا۔ دونوں نفخوں کے درمیان ۴۰ سال کا فاصلہ ہو گا۔ یہاں نفخہ سے مراد نفخۂ دوم ہے۔

پھر فرمایا کہ جس مدت کے بارے میں وہ باہم سرگوشیاں کریں گے وہ ہمیں خوب معلوم ہے۔ ان میں سے جو زیادہ عقلمند، صائب الرائے اور ہوشیار ہو گا وہ کہے گا کہ دس بھی کہاں، صرف ایک ہی دن سمجھو، دنیوی قیام کو ایک دن کے برابر کہنے والے کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ صائب الرائے اس لئے قرار دیا کہ اس نے آخرت کی بقا اور دوام کے مقابلے میں دنیوی قیام کو

دوسروں کے مقابلے میں کم ظاہر کیا۔
(عثمانی ۹۵ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵۸۵، ۵۸۶ / ۴، مواہب الرحمٰن ۲۹۸، ۳۰۰ / ۱۶)

قیامت کے روز پہاڑوں کا حال

۱۰۵۔۱۰۸۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّى نَسْفًا ○ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ○ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ○ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِىَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں سو آپ کہہ دیجئے کہ ان کو تو میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔ پھر وہ زمین کو ایک ہموار میدان کرے گا۔ جس میں نہ تو تُو کہیں ناہمواری دیکھے گا اور نہ ٹیلا۔ اس دن وہ پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے جس میں کوئی کجی نہ ہوگی اور (دہشت سے) رحمٰن کے سامنے سب (کی) آوازیں پست ہو جائیں گی، پھر کھسر پھسر کے سوا تجھے کچھ بھی سنائی نہ دے گا۔

يَذَرُهَا : وہ اس (زمین) کو چھوڑ دے گا۔ وَذْرٌ سے مضارع۔
قَاعًا : ہموار میدان۔ چٹیل میدان۔ جمع قِيْعٌ
اَمْتًا : ٹیلہ، بلندی۔
خَشَعَتِ : وہ نیچی ہو گئی، وہ دب گئی، خُشُوْعٌ سے ماضی۔
هَمْسًا : قدم کی چاپ، آہٹ، کھسر پھسر، اسم مصدر۔

شان نزول: بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ کسی ثقفی آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کے روز ان پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ اس کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ابن المنذر نے ابن جریج کی روایت سے بیان کیا کہ قریش نے سوال کیا تھا کہ قیامت کے دن آپ کا رب ان پہاڑوں کا کیا کرے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
(مظہری ۱۶۴/۶)

تشریح: منکرینِ آخرت تمسخر کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے کہ اگر قیامت قائم ہو گئی تو ان پہاڑوں کا کیا ہوگا اور اس دن یہ پہاڑ کہاں ہوں گے۔ ان کے خیال میں پہاڑوں کا نیست و نابود ہونا محال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ میرا رب اپنی قدرتِ کاملہ سے ان پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے پوری طرح ہوا میں اڑا دے گا۔ پھر ان کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ ان کے نیچے کی زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ اس میں اونچائی اور نیچائی کا نام و نشان بھی نہ ہوگا۔

ان دہشت ناک امور کے ساتھ ہی ایک آواز دینے والا آواز دے گا۔ ساری مخلوق اس کی آواز پر لگ جائے گی۔ کوئی بھی اس آواز کی پیروی سے انحراف نہ کر سکے گا۔ سب سیدھے دوڑے چلے آئیں گے۔ نہ کوئی ادھر اُدھر ہوگا اور نہ کوئی ٹیڑھا ترچھا چلے گا۔ سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔ اس روز ہیبت کی وجہ سے تمام آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہو جائیں گی۔ سوائے پیروں کی چاپ کے کچھ سنائی نہ دے گا۔ (مظہری ۱۶۴/۶، ابن کثیر ۱۶۵/۳)

کسی سفارش کا کام نہ آنا

۱۰۹۔۱۱۲، يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ○ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ

عِلْمًا ○ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ط وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ○

اس دن سفارش کچھ نفع نہ دے گی مگر اس کی جس کو رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔ وہ ان کے اگلے پچھلے احوال جانتا ہے اور ان کا علم اس (اللہ تعالیٰ) پر حاوی نہیں ہو سکتا اور تمام چہرے اس حی و قیوم کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے اور یقیناً وہ برباد ہوا جو ظلم لے کر آیا اور جس نے اچھے کام کئے ہوں گے اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ حق تلفی کا۔

عَنَتِ : وہ جھک گئے۔ وہ ذلیل ہو گئے۔ عُنُوٌّ سے ماضی۔

خَابَ : وہ ناکام ہوا۔ وہ نامراد ہوا۔ خَيْبَةٌ سے ماضی۔

هَضْمًا : کم کرنا۔ توڑنا، حق تلفی کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: قیامت کے روز کسی کو بھی دوسرے کے لئے شفاعت کی مجال نہ ہوگی۔ اللہ کی اجازت کے بغیر نہ آسمان کے فرشتے کسی کی سفارش کر سکیں گے اور نہ کوئی بزرگ و نیک بندہ کسی کی سفارش کر سکے گا۔ سب پر خوف طاری ہوگا۔ روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت تو کیا لب بھی نہ کھول سکے گا۔ خود سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے۔

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں عرش کے نیچے آؤں گا اور اللہ کے حضور سجدے میں چلا جاؤں گا اور مجھ پر اللہ کی تعریف کے ایسے کلمات کھول دیئے جائیں گے جن کو میں آج بیان نہیں کر سکتا۔ پھر جو اللہ چاہے گا میں اس سے مانگوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر اٹھایئے اور اپنی بات کہیئے۔ آپ کی بات سنی جائے گی۔ آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اللہ

تعالیٰ میرے لئے ایک حد مقرر کرے گا۔ جن کو میں (اپنی سفارش کے ذریعے) جنت میں داخل کرادوں گا۔ پھر میں لوٹوں گا پھر یہی عمل دہرایا جائے گا۔ آپ نے اسی طرح چار مرتبہ فرمایا، اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جہنم سے ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے دل میں ایک مثقال ایمان ہو گا سو آپ بہت سے لوگوں کو جہنم سے نکال لائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس کے دل میں آدھا مثقال ایمان ہو اسے بھی آگ سے نکال لاؤ۔ جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔ جس کے دل میں اس سے بھی کم، اس سے بھی کم، اس سے بھی کم ایمان ہو اس کو بھی آگ سے نکال لاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے۔ مخلوق اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ قیامت کے روز تمام مخلوق کے چہرے عاجزی و پستی اور ذلت و نرمی کے ساتھ اس حیّ و قیوم کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے، کیونکہ وہ موت و فوت سے پاک ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہنے والا ہے۔ نہ اس کو نیند آتی ہے اور نہ اونگھ، وہ اپنے آپ قائم رہنے والا اور ہر چیز کو اپنی تدبیر سے قائم رکھنے والا ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے، نہ اپنی مرضی سے پیدا ہو سکے اور نہ باقی رہ سکے۔ جس نے دنیا میں ظلم کیا ہو گا وہ قیامت کے روز تباہ و برباد ہو گا۔ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ شخص نقصان میں رہے گا جس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا۔

جس نے ایمان کی حالت میں نیک کام کئے ہوں گے قیامت کے دن اس کو نہ تو نیکیوں کا ثواب کم ہونے کا اندیشہ ہو گا اور نہ اس بات کا خوف ہو گا کہ دوسروں کے گناہ اس پر لاد دئے جائیں گے بلکہ ہر ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملے گی اور مومن صالح کو اس کے عمل صالح کی جزا ملے گی۔ (روح المعانی ۲۶۴،۲۶۶/۱۶، ابن کثیر ۱۶۶/۳)

منکرین کو تنبیہ

۱۱۳۔۱۱۴۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ

يَتَّقُوْنَ اَوْيُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ○

اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح کی خوف دلانے والی باتیں بیان کی ہیں تاکہ وہ لوگ ڈریں یا یہ (قرآن) ان میں سمجھ پیدا کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ بڑی شان والا حقیقی بادشاہ ہے اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک اس کی پوری وحی آپ کی طرف نازل نہ ہو جائے آپ قرآن (پڑھنے) میں جلدی نہ کیجئے اور دعا کرتے رہئے کہ اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے۔

صَرَّفْنَا : ہم نے طرح طرح سے بیان کیا، ہم نے پھیر پھیر کر سمجھایا۔تَصْرِیْفٌ سے ماضی۔

یُقْضیٰ : اس کی قضا (موت) آئے گی۔ وہ پورا کیا جائے گا۔قَضَاءٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ہم نے گزشتہ امتوں کے حالات و واقعات آپ پر نازل کئے اسی طرح یہ قرآن بھی عربی زبان میں نازل کیا تاکہ اہل عرب اس کے اعجاز کو دیکھ کر اس کے وعدہ وعید پر ایمان لے آئیں اور سعادت ابدی حاصل کریں۔ ہم نے اس قرآن میں عذاب سے ڈرانے والی چیزوں کو بار بار بیان کیا ہے تاکہ لوگ پرہیزگار بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ حقیقی بادشاہ اور بڑی اعلیٰ شان والا ہے۔ جس طرح وہ اپنی ذات و صفات میں مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے اسی طرح اس کا کلام بھی مخلوق کے کلام کی مماثلت سے اعلیٰ و بالا ہے۔ سو وہ مشرکوں کے شرکیہ اقوال سے بلند و برتر ہے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مفید و عجیب قرآن کو ہم بتدریج نازل کرتے ہیں۔ آپ بھی اس کو جبرائیلؑ سے لینے میں جلدی نہ کیا کریں۔ جب فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آئے تو آپ وحی کے پورا ہونے سے پہلے اس کو دہرانے میں جلدی نہ کیا کریں۔ قرآن کریم کو آپ کے سینے میں محفوظ رکھنے کا ذمہ ہم لے چکے ہیں۔ اس لئے اس کو یاد رکھنے کی فکر میں پڑنے

کی ضرورت نہیں۔ بلکہ آپ یہ دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی اور زیادہ سمجھ اور بیش از بیش علوم و معارف عطا فرمائے۔ (مظہری ۱۶۶،۱۶۷/۶، عثمانی ۹۷/۲)

حضرت آدم کی بھول

۱۱۵۔۱۱۹۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَـٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰ ۝ فَقُلْنَا يَـٰٓـَٔادَمُ إِنَّ هَـٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ ٱلْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰٓ ۝ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا۟ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ۝

اور اس سے پہلے ہم نے آدم سے بھی عہد لیا تھا پھر وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا۔ پھر ہم نے کہا اے آدم یہ (شیطان) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے سو ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے۔ پھر تو مشقت میں پڑ جائے۔ بیشک اس (جنت) میں تو نہ بھوکا رہے گا اور نہ ننگا۔ اور یہ کہ نہ تو تُو یہاں پیاسا رہے گا اور نہ دھوپ سے تکلیف اٹھائے گا۔

تَجُوْعَ: تو بھوکا رہتا ہے۔ جُوْعٌ سے مضارع۔

تَعْرٰی: تو ننگا ہوگا۔ عُرْیٌ سے مضارع۔

تَظْمَؤُا: تجھے پیاس لگے گی۔ تو تشنہ رہے گا۔ ظَمْأٌ سے مضارع۔

تَضْحٰی: تو دھوپ کھائے گا۔ ضُحیٌ سے مضارع۔

تشریح: ہم نے اس سے بہت زمانہ پہلے آدمؑ کو بھی حکم دیا تھا اور نصیحت کر دی تھی کہ

اس خاص درخت میں سے نہ کھانا اور یہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ لیکن وہ ہماری نصیحت کو بھول گئے اور ان سے چوک ہو گئی اور وہ شیطان کے قسم کھانے سے دھوکہ کھا گئے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ ہم نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے سو تم اس کو سجدہ کرو۔ پس ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا کیونکہ وہ اللہ کے نافرمان نہیں ہیں۔ اور نہ ان میں کسی سے عداوت کا مادہ ہے مگر ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ حاسد تھا۔ جب اس نے حضرت آدم کے حق میں اللہ کی نعمت کے آثار دیکھے تو وہ حسد کی بنا پر ان کا دشمن ہو گیا۔ پھر ہم نے آدم سے کہا کہ بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے سو تم اس سے ہوشیار رہنا۔ یہ ہر وقت تمہیں جنت سے نکلوانے کی فکر میں لگا ہوا ہے پس تم اس کے بہکانے سے ایسا کام نہ کر بیٹھنا جس کی وجہ سے جنت سے نکلنا پڑے اور دنیا کی مشقت اٹھانی پڑے۔

جنت میں تو بلا مشقت اور بلا محنت اللہ کی طرف سے تمام ضروریات زندگی فراہم ہیں مثلاً بھوک دور کرنے کے لئے کھانا، پیاس کے لئے پانی، برہنگی کے لئے لباس اور رہنے کے لئے سایہ دار مکان وغیرہ۔ اگر تجھے یہاں سے نکالا گیا تو دنیا میں تو حصول رزق اور دیگر سامان زندگی فراہم کرنے کے لئے بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بھوکا ہونا باطنی ذلت ہے اور ننگا ہونا ظاہری ذلت ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو آگاہ کر دیا کہ یہاں تجھے ظاہری و باطنی کوئی ذلت و محتاجی نہیں جبکہ جنت سے نکل کر دنیا میں پہنچتے ہی ان سب سے سابقہ پڑے گا۔

(مظہری ۱۶۷۔۱۶۹/ ۶، مواہب الرحمٰن، ۳۱۰۔ ۳۱۲/ ۱۶، ابن کثیر ۱۶۷، ۱۶۸/ ۳)

شیطان کا حضرت آدم کو پھسلانا

۱۲۰۔۱۲۲۔ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ

فَغَوٰی O ثُمَّ اجْتَبٰـهُ رَبُّـهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰی O

پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا اور کہنے لگا اے آدم کیا میں تمہیں دائمی زندگی کا درخت اور ایسی بادشاہت بتاؤں جس میں کبھی ضعف نہ آئے۔ سوان دونوں (آدم و حوا) نے اس درخت میں سے کچھ کھالیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانپنے کے لئے) دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے (نادانستہ) اپنے رب کی نافرمانی کی سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔ پھر ان کے رب نے ان کو نواز دیا۔ سو ان کی طرف توجہ فرمائی اور ان کی رہنمائی فرمائی۔

يَبْلٰی : وہ پرانا ہوگا۔ وہ زائل وہ کمزور ہوگا۔ بِلیً سے مضارع۔

فَبَدَتْ : پس وہ ظاہر ہوئی۔ بَدْوٌ سے ماضی۔

سَوْاٰتُهُمَا : ان دونوں کی شرمگاہیں۔

طَفِقَا : وہ دونوں کرنے لگے۔ ان دونوں نے شروع کیا۔ طَفَقٌ وُ طُفُوْقٌ سے ماضی۔

يَخْصِفٰنِ : وہ دونوں ٹانکتے ہیں۔ وہ دونوں چپکانے لگے۔ خَصْفٌ سے مضارع۔

تشریح : آخر شیطان نے مکاری سے انہیں اپنے جال میں پھانس لیا۔ وہ قسمیں کھا کھا کر انہیں اپنی خیر خواہی کا یقین دلانے لگا کہ جو اس درخت میں سے کھالیتا ہے وہ ہمیشہ یہیں یعنی جنت میں رہتا ہے اور اس کی سلطنت کبھی زائل نہیں ہوتی۔ جب شیطان نے اللہ کی قسم کھا کر حضرت آدم سے کہا تو ان کو شبہ بھی نہ ہوا کہ کوئی اللہ کا نام لے کر بھی جھوٹ بول سکتا ہے۔

پس جب شیطان کے بہکائے میں آکر دونوں نے یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا نے اس درخت سے کھالیا جس کے کھانے کی ان کو ممانعت کی گئی تھی۔ تو فوراً دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہوگئے اور وہ گھبرا کر اپنے اوپر جنت کے درختوں کے پتے چپکانے لگے۔ اس طرح حضرت آدم سے اپنے رب کا قصور ہوگیا اور وہ راہِ راست سے ہٹ گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ کیا اور ان کو اپنے خاص بندوں میں شامل فرمالیا اور

ان کو توبہ کی توفیق دی چنانچہ حضرت آدم نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، پھر ان کو اس توبہ پر ثابت و مستقیم کر دیا کہ یہ توبہ پھر کبھی نہ ٹوٹی، اس طرح حضرت آدم اپنی گریہ وزاری اور ندامت و شرمساری اور توبہ و معذرت کی بنا پر پہلے سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بن گئے۔ اور شیطان مردود کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

(مواہب الرحمٰن ۳۱۲۔۳۱۶/۱۶)

حضرت آدم کو زمین پر اترنے کا حکم

۱۲۳۔۱۲۷ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًاۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ○ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ○ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے اکٹھے اترو۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت پہنچے تو جو شخص میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور جو میری اس نصیحت سے روگردانی کرے گا تو اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا؟ اور تحقیق میں تو دیکھنے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسی طرح تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں۔ پھر تو نے ان کو

فراموش کر دیا تھا اور اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا اور جو کوئی
حد سے گزر جائے اور اب اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانے تو ہم اس کو
ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور البتہ آخرت کا عذاب نہایت ہی سخت اور
بہت دیرپا ہے۔

اھْبِطَا : تم دونوں اترو، ھُبُوْطٌ سے امر۔

یَشْقٰی : وہ مشقت میں پڑتا ہے۔ وہ بد بخت ہوتا ہے۔ شَقَاوَۃٌ سے مضارع۔

ضَنْکًا : تنگی، تنگ ہونا، مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا اور ابلیس لعین و مردود کو فوراً زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ بظاہر یہ خطابِ عتاب ہے مگر حقیقت میں یہ خطاب تکمیل شرف و تکریم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا ہی اس لئے کیا تھا کہ ان کو روئے زمین کا خلیفہ بنایا جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت سے زمین پر اترنے کا حکم دیا تاکہ وہ دنیا میں منصب خلافت پر فائز ہوں اور جو لغزش سہواً یا نسیاناً ان سے سرزد ہو گئی تھی وہ توبہ و استغفار سے معاف ہو گئی۔

پس تم دنیا میں اس حال میں اترو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو یعنی آدم کی اولاد اور ابلیس میں دشمنی ہو گی اور دنیا میں فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ اس کا علاج آسمانی ہدایت اور حکمِ خداوندی کی پیروی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ایسی حالت میں تمہارے پاس میرے رسول اور میری کتابیں آئیں تو تم ان کی پوری طرح اتباع کرنا کیونکہ میری بتائی ہوئی راہ کی اتباع کرنے والے نہ تو دنیا میں رسوا ہوں گے اور نہ آخرت میں ذلیل و خوار ہوں گے۔ البتہ میرے احکام کے خلاف کرنے والے اور میرے رسولوں کے طریقے کو ترک کرنے والے دنیا میں بھی اپنی گمراہی کے سبب تنگی اور مشقت میں رہیں گے اور آخرت کی نعمتوں میں بھی ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ قیامت کے روز ایسے لوگوں کو ہم اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ اس وقت کافر کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا، خوب دیکھتا تھا پھر مجھے اندھا کیوں کر دیا گیا؟ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرمائے گا کہ یہ ہماری آیتوں سے منہ موڑ لینے کا بدلہ ہے۔ دنیا میں تیرے پاس ہماری ہدایت کی واضح اور خوب روشن نشانیاں پہنچیں۔ تو نے ان کو

بھلا دیا اور ان سے منہ موڑ لیا اور تو دنیا میں ان کے بارے میں اندھا بنا رہا۔ اس لئے آج ہم نے بھی تیرے ساتھ وہی معاملہ کیا جو تو نے دنیا میں ہماری آیتوں کے ساتھ کیا تھا۔

جو شخص حدودِ خداوندی کی پرواہ نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے ہم اس کو اسی طرح دنیا و آخرت کے عذابوں میں مبتلا کرتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی شدید اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ وہاں کوئی نہ ہوگا جو اس کو اس عذاب سے بچالے یا اس میں کمی کردے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۹۸۔۵۹۹ / ۴، ابن کثیر ۱۶۸، ۱۶۹ / ۳)

مشرکین کو تنبیہ و تہدید

۱۲۸۔۱۳۰۔ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَايَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝

کیا اس بات نے بھی ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی گروہ ہلاک کر دیئے، جن کے رہنے بسنے کی جگہ یہ چل پھر رہے ہیں۔ بیشک اس میں تو عقلمندوں کے لئے (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو عذاب لازم ہو چکا ہوتا۔ پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی تسبیح اور تعریف بیان کرتے رہئے سورج طلوع ہونے سے پہلے

اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی اور
دن کے ابتدائی اور آخری حصوں میں بھی تسبیح کرتے رہئے تاکہ آپ
راضی ہوں۔

اَلْقُرُوْن : گروہ، امتیں، زمانے۔

اَلنُّهٰی : عقلیں۔ واحد نُهْيَةٌ

اٰنَآئِ : اوقات، گھڑیاں۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جو لوگ آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اور آپ کی شریعت کا انکار کرتے ہیں وہ اس بات سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے کہ ان سے پہلے جن لوگوں یعنی عاد و ثمود وغیرہ نے انبیا سے سرکشی اور اعراض کیا تھا ہم ان کی کتنی ہی بستیاں تباہ و برباد کر چکے ہیں۔ آج ان سرکشوں میں سے ایک آدمی بھی زندہ نہیں۔ ان کے بلند و بالا اور خوبصورت و کشادہ محل ویران کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ منکرین ملک شام جاتے ہوئے ان کھنڈروں پر گزرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ عقلمند ہوتے تو ان کھنڈرات کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرتے۔ کیا ان اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ یہ لوگ آنکھوں ہی کے اندھے نہیں بلکہ دل کے بھی اندھے ہیں۔ اسی لئے یہ ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ بڑے سخت مجرم ہیں۔ اگر آپ کے رب کی طرف سے یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی کہ وہ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا اور ان کے عذاب کا وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر فوراً ناگہانی طور پر عذاب آجاتا۔ ان کے عذاب کا وقت مقرر ہو چکا ہے اس لئے ان کو بداعمالیوں کی سزا اسی مقررہ وقت پر ملے گی۔ سو آپ ان کی تکذیب اور بیہودہ باتوں پر صبر کیجئے اور صبح و شام اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہئے، اور رات کے اوقات میں بھی اس کی تسبیح اور حمد و ثنا کرتے رہئے۔ امید ہے کہ قیامت کے روز آپ اس کے اجر و ثواب کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۰۳، ۶۰۴ / ۴، ابن کثیر ۱۷۰ / ۳)

اسبابِ عیش پر نظر نہ کرنے کی تاکید

۱۳۱۔۱۳۲۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جو ہم نے مختلف گروہوں کو استعمال کے لئے دے رکھی ہیں تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں (کیونکہ) وہ (محض) دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا دیا ہوا رزق ہی بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس پر قائم رہئے۔ ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے بلکہ ہم خود آپ کو روزی دیتے ہیں اور بہتر انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے جو عیش و آسائش کے سامان دے رکھے ہیں آپ ان کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھئے۔ یہ محض چند روزہ بہار ہے جس کے ذریعے ہم ان کافروں کو آزماتے ہیں کہ کون ان میں سے احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو عظیم الشان دولت آپ کو دے رکھی ہے مثلاً قرآن کریم، منصب رسالت، فتوحاتِ عظیمہ، رفعِ ذکر اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب، ان کے سامنے ان فانی اور حقیر چیزوں کی کیا حقیقت ہے۔ جو دولت آپ کو عطا کی گئی ہے، وہ اس دولت سے جو ان کو حاصل ہے کہیں بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

آپ اپنے متعلقین و متبعین کو نماز کا حکم دیتے رہئے اور خود بھی اس پر عمل پیرا رہئے۔ ہم نے آپ کو اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ آپ ہماری مخلوق میں سے کسی کو رزق مہیا

کریں یا اپنا رزق خود پیدا کریں۔ رزق تو ہم دیں گے آپ کو بھی اور ان کو بھی، آپ تو عمل صالح کرتے رہئے اور نماز پڑھتے رہئے اس کے نتیجے میں اللہ آپ کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے روزی کا ملنا آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَايَحْتَسِبُ ؕ

(سورۂ طلاق آیات ۲، ۳)

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا رہے تو اللہ اس کے لئے نجات کی سبیل پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔ (عثمانی ۱۰۱/۲، مظہری ۱۷۷۔۱۷۸/۶)

کفار کا مطالبۂ معجزات

۱۳۳۔۱۳۵۔ وَقَالُوْا لَوْ لَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَافِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ○ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ○ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرٰطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ○

وہ کہتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے۔ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں میں کی نشانیاں نہیں پہنچ چکیں اور اگر اس سے پہلے ہی ہم ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم رسوا اور ذلیل ہونے سے پہلے ہی تیری آیتوں کی اتباع کرتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر ایک انجام کا منتظر ہے سو

تم بھی انتظار کرو۔ پھر بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے
راستے والے کون ہیں اور ہدایت پانے والا کون ہے۔

مُتَرَبِّصٌ: انتظار کرنے والا، راہ دیکھنے والا، مراد اعمال کے نتائج کا منتظر۔ تَرَبُّصٌ سے اسم
فاعل

تشریح: منکرین و مشرکین ہٹ دھرمی سے یہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر کوئی نشانی کیوں نہیں لایا۔ کیا دوسری بہت سی نشانیوں کے علاوہ سب سے بڑا عظیم الشان یہ قرآن ان کے پاس نہیں آچکا جو سابقہ امتوں کے حال بیان کرتا ہے اور سابقہ کتب کے ضروری مضامین کا محافظ اور ان کی صداقت کے لئے حجت و گواہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن کریم کا اعجاز آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ کیا یہ روشن نشانی آپ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لئے کافی نہیں۔ یہ لوگ اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ ایسی عظیم الشان نشانی دیکھنے کے بعد تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی نشانی کیوں نہیں لایا۔ بالفرض اگر ہم قرآن نازل نہ کرتے اور کتاب اور رسول کے بھیجنے سے پہلے ہی ہم ان کو عذاب میں پکڑ لیتے تو قیامت کے روز یہ کہتے کہ سزا دینے سے پہلے ہمارے پاس کوئی کتاب اور سمجھانے والا کیوں نہیں بھیجا جو ہمیں ذلت و رسوائی اٹھانے سے پہلے توحید کی طرف بلاتا اور ہم تیرے احکام کی پیروی کر لیتے۔ غرض قرآن نہ آتا تو یوں کہتے۔ آگیا تو اسے چھوڑ کر دوسری من گھڑت نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ان کا مقصد ہدایت حاصل کرنا نہیں بلکہ حیلے بہانے تراشنا ہے۔ خیر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہم اور تم دونوں انتظار کرتے ہیں۔ عنقریب یعنی مرنے کے بعد قیامت کے روز معلوم ہو جائے گا کہ کون راہِ راست پر تھا اور کون ہدایت پاکر منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔

(عثمانی ۱۰۱، ۱۰۲/ ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۰۵، ۶۰۶/ ۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ انبیاء

وجہ تسمیہ: اس سورت کو سورۂ انبیاء اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں کثرت سے انبیا کا ذکر ہے۔

تعارف: اس میں سات رکوع، ایک سو بارہ آیتیں، ۱۱۸۷ کلمات اور ۵۱۵۴ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاجماع مکی ہے۔ اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس میں توحید و نبوت، عالمِ آخرت کا ثبوت، سترہ پیغمبروں کا ذکر اور ان کی نافرمان امتوں کا انجامِ بد اور انسان کا بارگاہِ الٰہی میں حساب دینے کے لئے حاضر ہونا مذکور ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف، سورۂ مریم، سورۂ طٰہٰ اور سورۂ انبیاء عتاق اوّل سے ہیں اور یہی تلادی ہیں (عتاق اوّل یعنی نزول کے اعتبار سے مکی اور تلاد یعنی حفظ ہیں) یعنی یہ چاروں سورتیں نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتیں ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں اور یہ میری قدیم دولت اور کمائی ہیں جن کی میں ہمیشہ حفاظت کرتا ہوں۔ (ابن کثیر ۳/۱۷۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: ابتدا میں قربِ قیامت کی خبر دی گئی ہے۔ پھر تمام سابقہ انبیا کا انسان ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۲: منکرینِ خدا کا عذاب سے بچنا محال بیان کیا گیا ہے، پھر حق کا باطل پر غالب آنا، شرک کا ابطال اور توحید کا اثبات ہے۔ آخر میں مشرکین کا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں

قرار دینا مذکور ہے۔

رکوع ۳: اثباتِ وحدانیت، تمام جانداروں کا فانی ہونا مذکور ہے۔ پھر کفار کے استہزا کا جواب اور ان کا آگ کی حقیقت سے بے خبر ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۴: باطل معبودوں کی حقیقت، کفار کی غفلت و غرور اور ان کا حق سے بے بہرہ ہونے کا بیان ہے۔ پھر قیامت کے روز عدل و انصاف کی ترازو قائم کرنے اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا واقعہ مذکور ہے۔

رکوع ۵: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ، ان کا بتوں کو توڑنا۔ کفار کی ندامت اور ان کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کو زندہ جلانے کا فیصلہ مذکور ہے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ و حضرت لوطؑ کی ہجرت کا بیان ہے۔

رکوع ۶: حضرت نوح و حضرت داؤد علیہما السلام کے واقعات اور حضرت داؤد علیہما السلام کا زرہیں بنانا بیان کیا گیا ہے۔ پھر حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت اسمٰعیل و ادریس، حضرت یونس، حضرت زکریا اور حضرت مریم علیہم السلام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ آخر میں توحید خداوندی پر انبیا کا اجماع مذکور ہے۔

رکوع ۷: معذب قوموں کی محرومی، مشرکین اور ان کے بتوں کا جہنم کا ایندھن ہونا بیان کیا گیا ہے۔ پھر مومنوں کا حال، قیامت کے روز آسمانوں کا لپیٹا جانا مذکور ہے۔ آخر میں مومنین سے اللہ کے وعدے اور دعوتِ توحید کا بیان ہے۔

یومِ حساب سے غافل ہونا

۱۔۶۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ

تُبْصِرُوْنَ O قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ز وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُO بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ م بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ج فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ O مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ج اَفَهُمْ یُؤْمِنُوْنَ O

لوگوں کے حساب کا وقت نزدیک آ پہنچا، پھر بھی وہ غفلت میں (پڑے ہوئے) منہ پھیر رہے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی تازہ نصیحت آتی ہے وہ اس کو کھیل کود میں لگے ہوئے ہی سنتے ہیں۔ ان کے دل بالکل غافل ہوتے ہیں اور وہ ظالم چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم جیسے ہی ایک انسان ہیں۔ تو پھر کیا تم دیدہ ودانستہ جادو کی باتیں سننے جایا کرتے ہو۔ پیغمبر نے کہا میرا پروردگار ہر اس بات کو جانتا ہے جو آسمان اور زمین میں ہے اور وہ بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔ بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ (یہ قرآن) پراگندہ خیالات ہیں بلکہ یہ اس نے از خود گھڑ لیا ہے۔ بلکہ یہ تو ایک شاعر ہے۔ پس اس کو چاہئے کہ وہ ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی لائے جیسی پہلے رسول لائے تھے۔ ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں وہ بھی ایمان نہیں لائے تھے تو کیا اب یہ ایمان لائیں گے؟

مُحْدَثٍ : تازہ، نیا، اِحْدَاثٌ سے اسم مفعول۔

لَاهِیَةً : لہو میں پڑی ہوئی، غفلت میں پڑی ہوئی۔ لَهْوٌ سے اسم فاعل۔

اَسَرُّوا : انہوں نے چھپا کر کہا۔ اِسْرَارٌ سے ماضی۔

النَّجْوٰى : سرگوشی کرنا۔ مشورہ کرنا، باتیں کرنا، مصدر بھی ہے اسم بھی۔

اَضْغَاثُ : پریشان۔ پراگندہ، واحد ضِغْثٌ۔

اَحْلَامٍ : خواب، خیالات، عقلیں، واحد حِلْمٌ و حُلْمٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ قیامت قریب آگئی ہے۔ پھر بھی لوگوں کی غفلت میں کمی نہیں آئی۔ نہ وہ اس کے لئے کوئی تیاری کر رہے ہیں، جو ان کے کام آئے بلکہ وہ دنیا میں مشغول و منہمک ہو کر یوم حساب کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے کلام اور وحی کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ جب ان کے سامنے کوئی ایسی آیت پڑھی جاتی ہے جو نزول کے اعتبار سے تازہ اور نئی ہو تو یہ اس کو دل لگا کر اور توجہ سے نہیں سنتے بلکہ اس وقت بھی ان کے دل ہنسی کھیل میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ جو اپنے آپ کو نبی اور رسول کہتے ہیں یہ تو ہم جیسے ہی انسان ہیں یہ کوئی فرشتے تو ہیں نہیں کہ ہم ان کی بات مان لیں۔ یہ تو بالکل ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ہم جیسے آدمی کو رسالت و وحی کے ساتھ مختص کر دے۔

ان بدکرداروں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ﷺ ان کو بتا دیجئے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تمام باتیں جانتا ہے۔ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ تمہاری سب باتوں کا سننے والا اور تمہارے حالات کا علم رکھنے والا ہے، سو تمہیں تو اس سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے۔

یہ منکرین اس قرآن کو کبھی جادو کہتے ہیں، کبھی پریشان خواب کہتے ہیں اور کبھی اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہنے لگتے ہیں کہ اس کو اللہ کا کلام کہنا تو اللہ پر افترا اور بہتان ہے، پھر کبھی کہتے ہیں یہ تو کوئی شاعر آدمی ہے اس کے کلام میں شاعرانہ خیالات ہوتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ اگر واقعی یہ کوئی نبی اور رسول ہیں تو ان کو ہمارے مطلوبہ معجزے دکھانے چاہئیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سابقہ امتوں میں اس کا تجربہ و مشاہدہ ہو چکا ہے کہ وہ منہ مانگے معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ان کو دنیا ہی میں عذاب نازل کر کے ختم کر دیا جاتا ہے، یہ لوگ بھی مطلوبہ معجزے دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے ان کو ان کا مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۱۷۰،۱۷۱/۶، ابن کثیر ۱۷۲،۱۷۳/۳)

انبیا کا انسان ہونا

۷۔۱۰ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ○ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ○ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ سے پہلے بھی تو ہم نے آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے۔ سو اگر خود تمہیں علم نہ ہو تو تم اہل کتاب سے پوچھ لو، اور ہم نے ان کے ایسے بدن بھی نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے ان سے کئے ہوئے وعدے کو سچ کر دیا۔ پھر ہم نے ان کو اور جس کو چاہا نجات عطا فرما دی اور حد سے گزرنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ یقیناً ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

تشریح: منکرین اس کو نہیں مانتے تھے کہ کوئی انسان اللہ کا رسول ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے جتنے رسول آئے وہ سب انسان ہی تھے، ان میں سے ایک بھی فرشتہ نہیں تھا۔ ان کافروں سے پہلے جو کافر گزرے ہیں انہوں نے بھی انبیا کو نہ ماننے کا یہی حیلہ کیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے۔

اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۔ (سورۂ التغابن آیت ۶)

کیا ایک انسان ہمارا رہنما ہو گا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تمہیں سابقہ انبیا کا حال معلوم نہیں کہ وہ انسان تھے یا فرشتے تو تم اہل علم یعنی یہود و نصاریٰ سے پوچھ لو کہ ان کے پاس انسان ہی رسول بنا کر بھیجے گئے تھے یا فرشتے۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ان کے پاس انہی جیسے انسانوں کو رسول بنا کر بھیجتا ہے تاکہ لوگ ان کی صحبت میں رہ کر ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں اور ان کی باتوں کو سمجھ کر ان پر عمل کر سکیں۔

مشرکین کے خیال کے برخلاف سابقہ انبیا بھی کھانے پینے کے محتاج تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۔ (سورۃ الفرقان، آیت ۲۰)

اور آپ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے۔

ہم نے کوئی نبی ایسا نہیں پیدا کیا جس کو موت ہی نہ آئے۔ جس طرح اور لوگوں کو موت سے دوچار ہونا پڑتا ہے اسی طرح انبیا پر موت طاری ہوتی ہے۔ دنیا میں کسی بھی بشر کے لئے بقا اور دوام نہیں خواہ وہ پیغمبر ہو یا عام آدمی، تمام پیغمبر انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث ہوئے۔ کوئی ان پر ایمان لایا اور کسی نے کفر و انکار کیا۔ پس جن لوگوں نے انبیا کی پیروی کی ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ان کو عذاب سے بچالیں گے اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دیں گے۔ سو اس وعدے کے مطابق ہم نے مومنوں کو نجات دی اور کفر و معصیت میں حد سے بڑھنے والوں کو دنیاوی عذاب سے ہلاک کیا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف نازل کی ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے اور یاد دہانی ہے۔ اس میں تمہارے لئے فضیلت و شرف ہے کہ اس کو تمہاری زبان میں نازل کیا گیا۔ تعجب ہے تم پھر بھی اس نعمت کی قدر نہیں کرتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ○ (سورۃ الزخرف، آیت ۴۴)

اور بیشک وہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے نصیحت ہے اور بہت

جلد تم سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

(ابن کثیر ۱۷۴/ ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۶۱۱-۶۱۲/ ۴)

عذابِ الٰہی سے بچنا ممکن نہیں

۱۱-۱۵ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْ نَا بَعْدَ هَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْ سَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ○ لَا تَرْكُضُوْا وَارْ جِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ ○ قَا لُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ○

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو، جہاں کے لوگ ظالم تھے تباہ کر دیا اور ان کے بعد ہم نے اور قومیں پیدا کر دیں۔ پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کر لیا (آتا دیکھا) تو اس (بستی) سے بھاگنے لگے۔ (ان سے کہا گیا) مت بھاگو! اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا اور اپنے مکانوں کی طرف، تاکہ تم سے سوال تو کر لیا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ ہائے ہماری کمبختی۔ بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ پھر وہ یہی فریاد کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے انہیں ایسا کر دیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ۔

قَصَمْنَا: ہم نے غارت کر دیا۔ ہم نے ریزہ ریزہ کر دیا یعنی ہلاک کر دیا۔ قَصْمٌ سے ماضی۔

اَنْشَاْنَا: ہم نے پیدا کیا، ہم نے پرورش کی، اِنْشَاءٌ سے ماضی۔

بَاْ سَنَآ: ہمارا عذاب۔

يَرْكُضُوْنَ: وہ بھاگنے لگے، رَكْضٌ سے مضارع۔

اُتْرِفْتُمْ: تم کو خوشحالی دی گئی، اِتْرَافٌ سے ماضی مجہول۔

حَصِيْدًا : کٹی ہوئی کھیتی، جڑ سے کٹا ہوا۔

خٰمِدِيْنَ : بجھنے والے، بجھی ہوئی۔ خَمْدٌ و خُمُوْدٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ان کے ظلم و اسراف کی سزا میں تباہ و برباد کر دیا۔ پہلے یہ بستیاں خوب آباد اور بارونق تھیں۔ پھر جب وہاں کے لوگ ظلم و تعدی میں حد سے بڑھ گئے تو ہم نے ان بستیوں کو توڑ پھوڑ کر ان کا بھس اڑا دیا اور ان کی تمام چہل پہل اور رونق کو سنسان اور ویران کر دیا پھر دوسری قوم کو ان کی جگہ آباد کر دیا اور ان کا جانشین بنا دیا۔ اسی طرح ایک کے بعد دوسری اور تیسری قومیں آتی رہیں۔ اے مشرکین مکہ اگر تم بھی اپنے کفر و ظلم اور بغض و عناد سے باز نہ آئے تو کہیں تمہیں بھی اسی طرح ہلاک و برباد نہ کر دیا جائے۔

جب حد سے گزرنے والے ان ظالموں نے ہمارے عذاب کو آتا ہوا دیکھا تو راہِ نجات کے لئے ادھر اُدھر بھاگنے لگے، حالانکہ پہلے یہ لوگ انبیا اور مومنین کا مذاق اڑاتے تھے۔ پھر تمسخر کے طور پر فرشتوں نے ان سے کہا کہ اب بھاگو نہیں بلکہ اپنے محلات اور اپنے عیش و عشرت کے سامانوں میں واپس آ جاؤ، جس میں تم مست و مدہوش تھے اور جہاں بیٹھ کر تم اتراتے اور فخر کرتے تھے اور غلاموں، خادموں اور نوکروں چاکروں پر حکم چلاتے تھے۔ شاید وہاں تمہاری خیریت اور حال احوال دریافت کیا جائے یا حسب سابق اہم امور و معاملات میں تم سے مشورہ لیا جائے۔

اس وقت یہ لوگ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے اور کہیں گے کہ بیشک ہم ظالم تھے، ہم نے رسول کو جھٹلایا، قتل کیا اور ہر طرح سے ایذا رسانی کی۔ چونکہ انہوں نے عذاب کو دیکھ کر اقرار ندامت کیا تھا۔ اس لئے یہ اقرار ندامت ان کے لئے فائدہ مند نہ ہوا۔ پھر وہ اسی طرح اپنے گناہوں کا اقرار کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی مانند کر دیا، یعنی ہلاک و برباد کر دیا۔

(مواہب الرحمٰن ۱۰،۱۱/۱۷، ابن کثیر ۱۷۴/۳)

حق کا باطل پر غالب آنا

۱۶۔۲۰ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ○ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ○ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ○ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ○

اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیلنے کے لئے نہیں بنایا۔ اگر ہم یونہی کھیل تماشے کا ارادہ کرتے تو اپنے پاس کی چیزوں کو (کھیل تماشا) بناتے اگر ہمیں یہی کرنا ہوتا۔ بلکہ ہم حق کو باطل پر (پتھر کی طرح) پھینک مارتے ہیں پس حق باطل کا سر توڑ دیتا ہے، پھر وہ باطل اسی وقت مٹ جاتا ہے اور تمہارے لئے ان باتوں کی وجہ سے بڑی خرابی ہے جو تم بناتے ہو، اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اسی (خدا) کا تو ہے اور جو اس کے پاس رہتے ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ کاہلی کرتے ہیں۔ وہ رات دن تسبیح کرتے ہیں۔ وہ کسی وقت سستی نہیں کرتے۔

نَقْذِفُ : ہم پھینک دیں گے، قَذْفٌ سے مضارع۔

فَيَدْمَغُهٗ : پس وہ اس کا دماغ توڑتا ہے، پس وہ اس کا بھیجا نکالتا ہے۔

زَاهِقٌ : فنا ہونے والا، زُهُوْقٌ سے اسم فاعل۔

تَصِفُوْنَ : تم بیان کرتے ہو، تم بتاتے ہو، وَصْفٌ سے مضارع، یہاں باطل وصف مراد ہے۔

يَسْتَحْسِرُوْنَ :وہ تھکتے ہیں وہ عاجز ہوتے ہیں، اِسْتِحْسَارٌ سے مضارع۔

یَفْتُرُوْنَ : وہ موقوف ہوتے ہیں۔ وہ رکتے ہیں، وہ تھمتے ہیں۔ فَتْرٌ سے مضارع۔

تشریح: مشرکینِ مکہ کا خیال تھا کہ انسان اور دیگر چیزیں خود بخود پیدا ہوتی ہیں اور ختم ہو جاتی ہیں۔ اللہ کو انسان کے نیک و بد سے کیا غرض اور رسولوں کے بھیجنے سے کیا مطلب۔ پھر اگر کوئی قوم یا شہر برباد ہوتا ہے تو اس میں ان کے گناہ و ثواب کو کیا دخل یہ سب کچھ ارضی اور سماوی اسباب کے تحت ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کو صرف لہو و لعب، کھیل تماشا اور دل بہلانے کے لئے نہیں بنایا، بلکہ ہم نے ان کو عدل و توازن کے ساتھ بنایا ہے تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کر کے خالق کی معرفت حاصل کریں اور دنیا کی ظاہری آرائش و رونق سے دھوکہ نہ کھائیں۔ بلکہ اپنے مالک و خالق کی کامل اطاعت و فرماں برداری کریں اور جان لیں کے دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ آدمی جو کچھ بھی اچھا یا برا عمل یہاں کرے گا اس کا اچھا یا برا بدلہ اس کو آخرت میں ضرور ملے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلاً ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۝

(سورۂ ص، آیت ۲۷)

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے کار (باطل) پیدا نہیں کیا۔ یہ تو کافروں کا گمان ہے، جن کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے۔

اگر ہمیں اس کو کھیل تماشا ہی بنانا ہوتا، جس سے آدمی کا دل خوش ہوتا ہے جیسے بیوی اور اولاد وغیرہ تو یہ چیزیں تو ہم اپنے پاس ہی سے بنا لیتے، جو ہماری شان کے لائق ہوتیں۔ کیونکہ ایسا کرنے کے لئے ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں لیکن ہم ان چیزوں سے پاک اور منزہ ہیں۔ ہمیں بیوی بچوں کی کوئی حاجت نہیں اور نہ یہ چیزیں ہماری شان کے لائق ہیں۔ اس لئے ہم نے ان کو نہیں چاہا۔

ہم کھیل تماشا کرنے والے نہیں، ہماری ذات لہو ولعب سے پاک اور منزہ ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم حق کو باطل پر پتھر کی طرح پھینک مارتے ہیں جو باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے۔ اے باطل پرستو تمہارے لئے کمبختی اور بربادی ہے ان باتوں کے سبب جو تم اللہ کے بارے میں بیان کرتے ہو۔

جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ سب اللہ کی ملک ہیں اور سب اس کی عبادت اور بندگی میں لگی ہوئی ہیں، خاص طور پر وہ فرشتے جو اللہ کے پاس ہیں اور جن کو تم پوجتے ہو وہ تو ہر وقت اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ نہ تو وہ اس کی عبادت سے تھکتے ہیں اور نہ اس سے ذرہ برابر تکبر کرتے ہیں۔

(معارف القرآن، از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۶۱۵، ۶۱۶ / ۴، حقانی ۲۸۶، ۲۸۷ / ۳)

شرک کا ابطال

۲۱۔۲۳ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ○ لَوْكَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ج فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ لَايُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ○

کیا انہوں نے زمین (کی مٹی) سے ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو (مُردوں کو) اٹھا کھڑا کر دیں گے۔ اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔ پس اللہ جو عرش کا رب ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ (مشرک) بیان کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتا ہے (اس کے بارے میں) اس سے کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا اور وہ سب (اس کو) جواب دہ ہیں۔

يُنْشِرُوْنَ : وہ پیدا کریں گے۔ وہ زندہ کریں گے۔ اِنْشَارٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں مشرکین کی جہالت و حماقت کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے زمین کی

چیزوں یعنی اینٹ پتھر وغیرہ کو معبود بنا رکھا ہے۔ کیا یہ بت مُردوں کو زندہ کر سکتے ہیں۔ حالانکہ معبود تو وہ ہے جو زندہ کرنے، پیدا کرنے اور نعمتیں عطا کرنے پر قادر ہو۔ یہ صفت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اس لئے بتوں کو معبود ٹھہرانا بڑی حماقت اور نادانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا زمین و آسمان میں کوئی خدا نہیں۔ اگر زمین و آسمان میں اور بھی خدا ہوتے تو ان کے باہمی فساد سے آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ بلکہ آسمان و زمین کا وجود ہی نہ ہوتا۔ چونکہ یہ دونوں قائم ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے معبود کا وجود نہیں۔ سو اللہ تعالیٰ جو رب العرش ہے، ان باتوں سے پاک و منزہ ہے۔ جو یہ لوگ اس کی شان میں کہتے ہیں۔ اس کی عظمت و جلال اور کبریائی کی شان تو یہ ہے کہ کوئی بھی اس سے سوال نہیں کر سکتا کہ یہ کیوں کیا اور کیوں نہیں کیا۔ وہ شہنشاہ حقیقی ہے، اس پر کوئی حاکم نہیں، کسی کو اس کے آگے دم مارنے کی مجال نہیں، اس کے آگے سب عاجز و بے بس ہیں، وہ سب پر غالب و قادر ہے۔ اس لئے وہ ہر ایک سے مواخذہ اور باز پرس کر سکتا ہے۔

(مواہب الرحمٰن، ۱۳۔۱۷/۱۷، حقانی ۲۸۷/۳)

توحید کا اثبات

۲۴۔۲۵۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝

کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود بنا رکھے ہیں۔ آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ (اس دعوے پر) تم اپنی دلیل لاؤ۔ یہی بات میرے ساتھ والوں کی ہے اور یہی بات ہے مجھ سے پہلے والوں کی ہے۔ بلکہ ان (لوگوں) میں زیادہ وہی ہیں جو حق کو نہیں جانتے اسی لئے

وہ حق سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جس کی طرف یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت کرو۔

تشریح: کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر مخلوقات میں سے بعض کو معبود بنا رکھا ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہئے کہ اگر تم اپنے باطل عقیدے میں سچے ہو تو اس دعوے پر کوئی قطعی عقلی اور نقلی دلیل لاؤ۔ یہ قرآن اور توریت وانجیل وغیرہ سب اس پر شاہد ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ ہر کتاب میں توحید کا حکم اور شرک کی ممانعت موجود ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ کا خدا ہونا یا خدا کا بیٹا ہونا یا فرشتوں اور دوسری چیزوں کا خدائی میں شریک ہونا کیسے ثابت ہو گیا۔ یہ لوگ حق واضح ہو جانے کے باوجود حق کو نہیں جانتے اور حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتے اسی لئے یہ لوگ توحیدِ خداوندی اور اتباع رسول ﷺ سے گریز کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ توحید کا حکم صرف اس قرآن، توریت اور انجیل ہی میں نہیں بلکہ ہم نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے سب کے ذریعے یہی پیغام دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس لئے تم سب اسی کی عبادت کرو۔ (مظہری ۶/۱۹۱)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج (سورۂ نحل آیت ۳۶)

اور البتہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا جس نے لوگوں میں اعلان کیا کہ تم سب ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے اجتناب کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ○ (الزخرف، آیت ۴۵)

اور آپ ان سے پوچھئے کہ ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے، کیا ہم
نے ان کے لئے رحمٰن کے سوا کوئی اور معبود مقرر کیا تھا۔

فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں خیال کرنا

۲۶۔۲۹۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ O
لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ O يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ لا اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ
خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ O وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ
فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ط كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ O

وہ (مشرک) کہتے ہیں کہ رحمٰن نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھی ہے
(اللہ تعالیٰ اس سے) پاک ہے بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں۔ وہ
بات کرنے میں سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے
ہیں۔ وہ ان کے آگے اور پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے اور وہ کسی
کی بھی سفارش نہیں کرتے سوائے اس کے جس سے اللہ راضی ہو اور
وہ تو اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور (ان میں سے) جو کوئی یہ
کہے کہ اس کے سوا میں عبادت کے لائق ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا
دیں گے۔ ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کے حق میں ہوا جو کہتے تھے
کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (مظہری ۶/۱۹۲)

تشریح: عرب میں قبیلہ خزاعہ کے لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ ان
کے قول کی تردید میں فرمایا کہ مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اولاد ہے۔ وہ ایسی باتوں سے

پاک و منزہ ہے۔ جن کے بارے میں ان کا یہ گمان ہے کہ وہ اللہ کی اولاد ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے معزز اور محترم بندے ہیں۔ ان کا ہر وقت اللہ کی عبادت اور اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں نہ کہ اس کی اولاد (معاذ اللہ)۔ وہ تو اس کے ایسے فرماں بردار اور مطیع ہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی حرف بھی زبان سے نہیں نکالتے اور نہ وہ اپنی خواہش اور ارادے سے کوئی کام کرتے ہیں۔ وہ اللہ کے حکم کے پابند ہیں، وہ خلاف حکم کچھ نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا ظاہر و باطن معلوم ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کے گزشتہ اور آئندہ کے سب اعمال و احوال خوب معلوم ہیں۔ اسی لئے وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے سوائے اس شخص کے جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرے یعنی جو مومن ہو اور اللہ کی وحدانیت کا قائل ہو اسی کی سفارش کرتے ہیں اور وہ بھی ڈرتے ڈرتے۔

وہ کافروں اور جاہلوں کی طرح نڈر نہیں بلکہ وہ اللہ کی زیادہ معرفت رکھنے کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتے ہیں اور ہر وقت اس کے خوف و خشیت اور ہیبت سے کانپتے رہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ سے جس قدر ڈرتا ہے اس کا مرتبہ بھی اسی قدر زیادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۚ (فاطر آیت ۲۸)

بیشک اللہ کے بندوں میں سے اس سے ڈرنے والے علما ہیں۔

ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

پھر فرمایا اگر بالفرض ان میں سے کوئی یہ کہے کہ میں معبود ہوں سو تم اللہ کو چھوڑ کر میری عبادت کرو تو اس کی سزا جہنم ہے اور ان پر کیا موقوف، جو بھی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے ہم اس کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

(مظہری ۱۹۲/۶، روح المعانی ۳۲، ۳۳/۱۷، مواہب الرحمٰن ۱۸، ۱۷/۱۹)

اثبات وحدانیت

۳۰۔۳۳۔ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ وَ جَعَلْنَاالسَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین (پہلے) ملے ہوئے تھے پھر ہم نے (اپنی قدرت سے) دونوں کو جدا کر دیا اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا۔ کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے کہ وہ ان کو لے کر جھک نہ جائے اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ وہ راہ پائیں، اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنادیا اور وہ آسمان کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہر ایک آسمان میں تیر تا ہے۔

رَتْقًا : منہ بند، ملا ہوا، باندھنا، یہاں بند ہونا سے مراد آسمان کی بارش اور زمین کی پیداوار کا بند ہونا ہے۔

فَفَتَقْنٰهُمَا : پس ہم نے ان دونوں کو جدا کیا۔ پس ہم نے ان دونوں کو پھاڑ دیا، پس ہم نے ان دونوں کو کھولدیا، فَتْقٌ سے ماضی، یہاں کھولدینے سے مراد آسمان کی بارش اور زمین کی پیداوار کھولنا ہے۔

رَوَاسِیَ: جمے ہوئے پہاڑ۔ بوجھ،واحد رَاسِیَۃٌ

تَمِیْدَ : وہ ہلتی ہے،وہ ڈگمگاتی ہے۔وہ جھکتی ہے۔مَیْدٌ سے مضارع۔

فِجَاجًا : دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستے۔واحد فَجٌّ۔

سَقْفًا : چھت،مراد آسمان جمع سُقُوْفٌ۔

تشریح: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے منکر ہیں اور اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں کیا وہ نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین پہلے آپس میں متصل اور بالکل ملے ہوئے تھے، سو ہم نے ان کو شق کر کے علیحدہ کر دیا اور سات آسمان اور سات زمینیں بنا دیں۔

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کرو اور وہ جو جواب دیں تو مجھے بھی بتانا۔اس شخص نے حضرت ابن عباسؓ کے پاس جا کر ان سے اس آیت کے معنی دریافت کئے تو انہوں نے فرمایا کہ زمین اور آسمان سب بند تھے۔نہ آسمان سے بارش برستی تھی اور نہ زمین سے کچھ اگتا تھا۔جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسان کو آباد کیا تو اس نے آسمان کی بارش کھول دی یعنی آسمان سے بارش ہونے لگی، جس سے زمین میں نباتات اگنے لگیں، جو پہلے بند تھیں۔پھر وہ شخص حضرت ابن عمرؓ کی طرف لوٹ گیا اور ان کو حضرت ابن عباسؓ کے جواب سے مطلع کیا۔حضرت ابن عمرؓ سن کر کہنے لگے کہ انہوں نے صحیح کہا۔آج مجھے معلوم ہو گیا کہ ابن عباسؓ کو قرآن کے علم سے بہت بڑا حصہ ملا ہے۔

ابو مسلم اصفہانیؒ سے منقول ہے کہ رتق سے مراد حالتِ عدم یعنی آسمان اور زمین کا نہ ہونا ہے کیونکہ اس وقت تک زمین اور آسمان ایک ہی تھے۔آپس میں متصل اور ایک دوسرے کے مشابہ تھے۔اس وقت تک ان میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو انہیں ممتاز کرتی۔پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا، یعنی انہیں پیدا فرما دیا اور وہ نمایاں اور ممتاز ہو گئے۔جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الشوریٰ آیت ۱۱) اس لئے کہ فطر شق کرنے کو کہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ہر زندہ چیز کو جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے، پانی سے پیدا کیا۔کیا کافر لوگ ایسے عظیم الشان دلائل دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ہم نے

زمین پر پہاڑ بنادئے تاکہ زمین مخلوق کو لے کر ہلنے اور حرکت نہ کرنے لگے اور ہم نے ان پہاڑوں اور زمین میں ایسے کشادہ راستے بنائے جن پر چل کر لوگ اپنی منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہیں اور ہم ہی نے آسمان کو محفوظ چھت بنادیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج آیت ۶۵)

اور اللہ تعالیٰ آسمان کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے مگر اس کے حکم سے۔

چاند، سورج، ستارے اور ان کے مختلف احوال جو آسمان و زمین اور دیگر سیاروں وغیرہ کے بنانے والے کے وجود، وحدت، کمال قدرت اور وسعت حکمت پر دلالت کر رہے ہیں، وہ لوگ ان سب کی طرف سے غافل اور روگرداں ہیں اور ان میں غور نہیں کرتے۔ اسی نے رات اور دن کو پیدا کیا تاکہ رات میں سکون و راحت پائیں اور دن میں روزی تلاش کریں۔ اسی نے سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں تیر رہا ہے۔ سورج دن کی علامت ہے اور چاند رات کی نشانی ہے۔ ان میں سے ہر چیز کا وجود اور اس کی ہیئت اور اس کی حرکت و سکون سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی واحدانیت کی دلیل ہے۔
(روح المعانی ۳۴۔۳۹/۱۷، مظہری ۱۹۳۔۱۹۵/۶، مواہب الرحمٰن ۲۰۔۲۴/۱۷)

ہر جاندار کو موت آنا

۳۴۔۳۵۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝

اور (اے نبی) آپ سے پہلے بھی ہم نے کسی بشر کو ہمیشگی (ہمیشہ زندہ رہنا) نہیں دی تو پھر کیا اگر آپ مر گئے تو وہ (کافر دنیا میں) ہمیشہ رہیں گے۔ ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور ہم تمہیں بری اور بھلی (حالتوں) سے آزمائیں گے اور تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

شانِ نزول: ۱۔ ابن المنذر نے ابو جوع کی روایت سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی وفات کی اطلاع دی گئی تو آپ نے عرض کیا اے میرے رب (میرے بعد) میری امت کا کون (نگران) ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۱۹۵)

۲۔ اس آیت کا ایک شان نزول یہ ہے کہ کفار یہ کہتے تھے کہ نَتَرَبَّصُ بِہٖ رَیْبَ الْمَنُوْنَ O (الطور آیت ۳۰) یعنی ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حادثۂ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۶ ۲۳ / ۴)

تشریح: گزشتہ آیات میں زمین و آسمان اور آفتاب و ماہتاب وغیرہ کا بیان تھا۔ جن میں غور و فکر کرنے سے ان کے بنانے والے کا وجود ثابت ہوتا تھا اور کفار کے مشرکانہ عقائد کا واضح دلائل کے ساتھ ابطال تھا۔ اب ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس دنیا میں کسی کو بھی ہمیشہ نہیں رہنا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی کو ہمیشہ رہنے والا نہیں بنایا، خواہ کوئی نبی ہو یا ولی اس دنیا میں کسی کو بھی بقا اور دوام نہیں۔ اس لئے آپ ﷺ بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ آپ کے بعد وہ لوگ بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہیں گے جو آپ ﷺ کی وفات کی تمنا کرتے ہیں۔ جو پیدا ہوا ہے وہ ضرور مرے گا۔ موت کا وقت مقرر ہے اس لئے ہر شخص اپنے اپنے مقررہ وقت پر موت کا مزہ ضرور چکھے گا۔

یہ دنیا امتحان گاہ ہے جہاں ہم شر (ہر خلاف طبع چیز جیسے بیماری، رنج و غم، فقر و فاقہ وغیرہ) اور خیر (ہر مرغوب طبع چیز جیسے صحت و عافیت، خوشی و راحت اور غنا و فراخ دستی وغیرہ) دونوں کے ذریعے انسان کی آزمائش کرتے ہیں، یہاں سب امتحان کے لئے آتے ہیں تاکہ وہ نیکی کر کے دار آخرت کی خوبیوں کے مستحق بن جائیں۔ آخر کار سب کو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی، اس لئے انسان کو چند روزہ دنیوی زندگی کی بجائے آخرت کی فکر کرنی چاہئے۔

(حقانی ۲۹۲ / ۳، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۱۸۷۔۶/۱۸۸)

کفار کے استہزا کا جواب

۳۶۔۳۷۔ وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنَ ○

اور یہ منکر جب آپ (ﷺ) کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانے لگتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ کیا یہ وہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کرتا ہے حالانکہ وہ خود رحمٰن کے ذکر سے منکر ہیں۔ انسان کو جلد باز بنایا گیا ہے۔ میں تمہیں اپنی نشانیاں بہت جلد دکھاؤں گا۔ سو تم جلدی نہ کرو۔

هُزُوًا : ٹھٹھا، مسخرہ پن، مصدر بمعنی اسم مفعول۔

عَجَلٍ : عجلت کرنا، جلدی کرنا، مصدر ہے۔

تشریح: مشرکینِ قریش آپ ﷺ کو دیکھ کر آپ کا مذاق اڑانے لگتے اور آپؐ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے لگتے اور ایک دوسرے سے پوچھتے کہ کیا یہ وہی ہیں جو تمہارے معبودوں کو برا کہتے اور تمہارے بزرگوں کو بیوقوف بتاتے ہیں۔ یہ مشرکین ایک تو سرکش ہیں کہ اللہ کی سچی کتاب اور اس کے رسول (ﷺ) کا انکار کرتے ہیں، دوسرے یہ لوگ اپنے باطل معبودوں پر تو ناز کرتے ہیں اور حقیقی معبود کے ذکر اور رحمان کے نام تک سے چڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو رحمٰن یمامہ (مسیلمہ) کے سوا کسی رحمان کو نہیں جانتے سو ایسے لوگ ہی اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کا استہزا اور تمسخر کیا جائے۔

پھر فرمایا کہ انسان بڑا ہی جلد باز ہے۔ عجلت پسندی اس کی سرشت میں داخل ہے۔ وہ انجام پر غور کئے بغیر ہر معاملے میں جلدی کرتا ہے۔ اس لئے یہ کافر بھی عذابِ الٰہی کے لئے جلدی کرتے ہیں، مگر عادتِ خداوندی یہ ہے کہ وہ ظالموں اور نافرمانوں کی فوراً گرفت نہیں

کرتا بلکہ وہ ان کو ڈھیل دیتا ہے، پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں، اسی لئے ان کافروں کے جواب میں فرمایا کہ تم جلدی مت کرو، میں بہت جلد تمہیں اپنے قہر کی نشانیاں دکھاؤں گا کہ گنہگاروں پر کس طرح سختی ہوتی ہے اور نبی کا مذاق اڑانے والوں کی کس طرح کھال ادھڑتی ہے۔ (ابن کثیر ۱۷۸،۱۷۹/ ۳، عثمانی ۱۱۱/ ۲)

آگ کی حقیقت سے کفار کی بے خبری

۳۸۔۴۱۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

اور وہ (منکرین) کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ وہ (عذاب واقع ہونے کا) وعدہ کب پورا ہوگا۔ کاش کافر جانتے کہ اس وقت نہ تو یہ اپنے چہروں (آگے) سے آگ کو ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی کمروں (پیچھے) سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی بلکہ وعدے کی گھڑی ان کے پاس اچانک آ جائے گی۔ پھر وہ ان کو حواس باختہ کر دے گی پھر نہ تو وہ اس کو ٹال سکیں گے اور نہ ان کو مہلت ملے گی۔ اور (اے نبی) آپ ﷺ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا ہے، پھر جس عذاب کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی ان پر آپڑا۔

يَكُفُّوْنَ : وہ دفع کریں گے۔ وہ روکیں گے۔ کَفٌّ سے مضارع۔

بَغْتَةً : یکایک، ایک دم، اچانک۔

فَتَبْهَتُهُمْ : سو وہ ان کو مبہوت کر دے گی۔ پس وہ ان کے ہوش کھو دے گی۔ بَهْتٌ سے

مضارع۔

فَحَاقَ : پس اس نے گھیر لیا، پس وہ نازل ہو گیا۔ حَیْقٌ و حُیُوْقٌ سے ماضی۔

سَخِرُوْا : انہوں نے مذاق اڑایا۔ انہوں نے ٹھٹھا کیا۔ سُخْرٌ سے ماضی۔

تشریح: مشرکین اللہ کے عذاب اور قیامت کے بارے میں تمسخر اور انکار کے طور پر نہایت بے خوفی سے کہتے تھے کہ عذاب اور قیامت کا وعدہ کب پورا ہو گا۔ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو اس کو جلدی سے لے آؤ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ جہالت کی بنا پر عذاب جلد لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر یہ کافر اس ہولناک وقت کو جانتے تو اس کے مانگنے میں کبھی جلدی نہ کرتے۔ اس وقت اللہ کا عذاب ان کو ہر طرف سے گھیر لے گا۔ نہ یہ لوگ اپنے چہروں کو عذاب سے بچا سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھ کی طرف سے آنے والے عذاب کو دفع کر سکیں گے اور نہ اس وقت ان کو کہیں سے کوئی مدد مل سکے گی۔

اللہ کا عذاب ان کافروں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ وہ ان کو بتا کر اور ان کے مطالبے پر نازل نہیں ہو گا بلکہ وہ عذاب کی گھڑی اور قیامت ان پر اچانک آپڑے گی۔ پھر یہ لوگ اس عذاب کو دیکھ کر حیران و مبہوت ہو جائیں گے اور ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ اس وقت نہ یہ اس کو لوٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے استہزا اور تمسخر سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ ان پر وہی عذاب نازل ہو گیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اطمینان رکھئے جس طرح گزشتہ پیغمبروں کے ساتھ تمسخر کرنے والوں پر اللہ کا عذاب اچانک آیا اسی طرح ان کو بھی عذاب الٰہی اچانک آ پکڑے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۳۹، ۶۴۰ / ۴، روح المعانی ۴۹، ۵۰ / ۱۷)

باطل معبودوں کی حقیقت

۴۲۔۴۳۔ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ O اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ O

(اے نبی!) آپ ان سے پوچھئے کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں تمہاری حفاظت کرتا ہے رحمٰن (کے عذاب) سے بلکہ وہ تو اپنے رب کے ذکر سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں۔ کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود بھی ہیں جو ان کو (عذاب مذکور سے) بچائے رکھتے ہیں۔ وہ تو خود اپنی مدد کی بھی استطاعت نہیں رکھتے، اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی اور ان کا ساتھ دے گا۔

يَكْلَؤُكُمْ : وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ وہ تمہیں بچائے گا۔ كِلَاءَةٌ سے مضارع۔

يُصْحَبُوْنَ :ان کی صحبت اختیار کی جائے گی۔ ان کا ساتھ دیا جائے گا۔ اِصْحَابٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان تمسخر کرنے والوں سے پوچھئے کہ اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں ان پر عذاب نازل کرنا چاہے تو اس عذاب سے ان کو کون بچائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ محض اللہ کی رحمت کی بنا پر اس کے ناگہانی عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس مہربانی پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتے مگر شکر تو کیا وہ تو اس کی یاد ہی سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور اس کی نعمت و احسان کا اقرار تک نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا بیکار ہے۔ ان کے دل میں تو رحمٰن کا خیال ہی نہیں آتا، وہ اس کے عذاب سے کیا ڈریں گے۔

پھر فرمایا کہ کیا ان کے پاس ہمارے سوا ایسے معبود ہیں جو ان کو ہمارے مذکورہ عذاب

سے بچالیں گے۔ حالانکہ جن کو یہ پوجتے ہیں وہ بیچارے ان کو تو ہمارے عذاب سے کیا بچائیں گے وہ تو اپنی حفاظت کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔ اگر ان پر مکھی بیٹھ جائے تو وہ اس کو اڑا بھی نہیں سکتے۔ اور نہ ہمارے مقابلے میں ان کے پاس کوئی ایسا ساتھی ہے جو مصیبت کے وقت ان کا ساتھ دے سکے۔ (مظہری ۶/۱۹۸، مواہب الرحمٰن ۲۹۔۳۱/۱۷)

کفار کی غفلت و غرور

۴۴۔ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○

بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو (دنیا کا) خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر (اسی حالت میں) ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے چلے آرہے ہیں۔ سو کیا وہی لوگ غالب رہیں گے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اپنے انعامات سے جو نوازا اور ان کو طویل عمریں دیں تو اس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے کرتوت پسند ہیں اور وہ ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے۔ ان کے اس خیال کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ تو ان کے اعمال و افعال پسندیدہ ہیں اور نہ اس میں ان کے بتوں کا کوئی عمل دخل ہے بلکہ یہ تو ہماری طرف سے ڈھیل اور مہلت ہے۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمیشہ وہ شتر بے مہار کی طرح آزاد پھریں گے اور اللہ کی طرف سے ان کی کوئی گرفت نہ ہوگی۔

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے کافروں کی کتنی ہی بستیاں ان کے کفر و شرک کے سبب ملیامیٹ کردیں اور زمین کفر یعنی دارالحرب کو ہر طرف سے کم کرتے چلے آرہے ہیں اور اسلام کو کفر پر غلبہ دے رہے ہیں۔ کیا وہ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں پر غالب کررہا ہے۔ کیا یہ لوگ اب بھی اپنے آپ کو غالب سمجھتے

ہیں۔ (ابن کثیر ۱۸۰/ ۳، مظہری ۱۹۸، ۱۹۹/ ۶)

کفار کا حق سے بہرہ ہونا

۴۵۔۴۶۔ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تمہیں وحی کے ذریعے آگاہ کر رہا ہوں۔ بہرے لوگ بات نہیں سنتے جب ان کو آگاہ کیا جائے، اور اگر ان کو آپ کے رب کے عذاب کا ایک جھونکا بھی لگ جائے تو پکار اٹھتے ہیں ہائے ہماری کمبختی۔ بے شک ہم ہی ظالم تھے۔

الصُّمُّ : بہرے، بہرا ہونا، واحد اَصَمُّ.

نَفْحَةٌ : ایک جھونکا، بھاپ، معمولی سا، مصدر مرۃ، جمع نَفْحَاتٌ

تشریح: آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں عذاب کی خبر اپنی طرف سے نہیں دیتا بلکہ مجھ پر جو قرآن نازل ہوا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے عذاب کی اطلاع دی ہے۔ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں میرا کام تو خبر دار کرنا ہے۔ سو میں نے تمہیں عذاب الٰہی سے خبر دار کر دیا ہے۔ اب تم اپنا انجام سوچ لو۔ لیکن یہ کافر حق کی طرف سے ایسے بہرے ہو گئے ہیں کہ اب کچھ نہیں سنتے۔ اس لئے ان کو خبر دار کرنا بے سود ہے۔

پورے عذاب میں مبتلا ہونا تو بہت دور کی بات ہے، اگر ان نافرمانوں کو عذاب الٰہی کی ذرا سی ہوا بھی لگ جائے تو ان کے آنکھ کان سب کھل جائیں گے اور یہ بدحواس ہو کر چلائیں گے، موت کو پکاریں گے اور بے ساختہ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے اور کہیں گے کہ بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے جو ایسی کمبختی آئی۔ ہم نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کر کے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔

عدل وانصاف کی ترازو

۴۷۔ وَنَضَعُ الْمَوَا زِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا ؕ وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا ؕ وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ ○

قیامت کے روز ہم انصاف کی میزانیں قائم کریں گے۔ پھر کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہو گا تو ہم اس کو بھی لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے کے لئے۔

وَنَضَعُ : ہم رکھیں گے۔ ہم قائم کریں گے۔ وَضْعٌ سے مضارع۔

الْمَوَا زِیْنَ : بہت سے ترازو۔ وزن کرنے والے آلات۔ وَزْنٌ سے اسم آلہ، واحد مِیْزَانٌ۔

الْقِسْطَ : انصاف، عدل، برابری، اسم ہے۔ جمع اَقْسَاطٌ۔

مِثْقَالَ : برابر۔ ہموزن، بھاری ہونا، ثِقْلٌ و ثِقَالَةٌ سے فعل بھی ہے اسم بھی۔

حَبَّةٍ : دانہ۔

خَرْدَلٍ : رائی۔ واحد خَرْدَلَةٌ۔

تشریح: قیامت کے روز ہم عدل وانصاف کی ترازو قائم کریں گے اور عدل وانصاف کے ساتھ لوگوں کے اعمال کا فیصلہ کریں گے۔ جس کی نیکیاں بدیوں پر غالب ہوں گی وہ نجات پا جائے گا اور جس کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی اسے ذلیل و خوار کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس روز کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ نہ کسی کا ادنیٰ سا حق تلف ہو گا اور نہ کسی کی برائیوں میں اضافہ ہو گا۔ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا کوئی نیک یا بد عمل ہو گا تو ہم اسے ضرور لا حاضر کریں گے، خواہ وہ عمل کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمان و زمین میں۔ ہم حساب کے لئے کافی ہیں۔ ہمیں کسی ترازو کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمیں ہر چیز کا علم ہے، کوئی چیز

بھی ہم سے چھپی ہوئی نہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۱۴۱-۶ / ۴، مظہری ۱۹۹۔ ۲۰۱ / ۶)

حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا واقعہ

۴۸۔۵۰۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝

اور البتہ ہم نے (حضرت) موسیٰ اور ہارونؑ کو (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی اور روشنی دینے والی اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت والی کتاب دی تھی۔ (پرہیزگار وہ لوگ ہیں) جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت کا بھی خوف کرتے ہیں۔ اور یہ ایک برکت والی نصیحت (قرآن) ہے جو ہم نے نازل کی۔ پھر کیا تم اس کے بھی منکر ہو۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو ایسی چیز عطا کی جو حق و باطل میں فرق کرنے والی اور ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنے والی تھی۔ اس سے مراد توریت ہے جس کی تین صفات بیان کی گئی ہیں۔ ۱۔ جو حق و باطل اور حلال و حرام اور ہدایت و گمراہی کے فرق کو واضح کرتی تھی۔ ۲۔ ان لوگوں کو عظیم الشان روشنی عطا کرنے والی تھی جو حیرت اور جہالت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ ۳۔ پرہیزگاروں کے لئے یہ کتاب نصیحت کی چیز تھی۔ متقی اور پرہیزگار وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور یہی لوگ قیامت سے بھی خوف کھاتے ہیں اور اس کی ہولناکیوں سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

پھر فرمایا اس قرآن عظیم کو بھی ہم ہی نے نازل فرمایا ہے۔ جو ایک عظیم برکت والی نصیحت ہے۔ انوار و برکات کے اعتبار سے یہ کتاب تمام کتبِ سماویہ سے بڑھ کر ہے۔ باطل اس کے قریب بھی نہیں آسکتا۔ سوائے اہلِ مکہ کیا تم اس قدر وضاحت و حقانیت اور صداقت و نورانیت اور خیر و برکت والے قرآن کا بھی انکار کرتے ہو۔ یہ تو اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہیں بنایا اس لئے تمہیں اس کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۴۲/ ۴، مواہب الرحمٰن ۳۵۔ ۳۶/ ۱۷)

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ

۵۱۔۵۶۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْقَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاهٰذِهِ التَّمَا ثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۚ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

اور یقیناً ہم نے (حضرت) ابراہیمؑ کو (ابتدا ہی سے) اس کی نیک راہ عطا فرمائی اور ہم ان کے احوال سے خوب واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن (کی عبادت) پر تم جمے بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ (حضرت ابراہیمؑ نے) فرمایا البتہ تم اور تمہارے باپ دادا یقیناً صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے سامنے حق بات پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو۔

(حضرت ابراہیمؑ نے) کہا بلکہ تم سب کا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اور میں بھی اس کا گواہ ہوں۔

التَّمَا ثِیْلُ : بت۔ مجسمے۔ تصویریں۔ واحد تِمْثَالٌ

عٰکِفُوْنَ : اعتکاف کرنے والے۔ جم کر بیٹھنے والے۔ عُکُوْفٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: بلا شبہ ہم نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے بہت عرصہ پہلے حضرت ابراہیمؑ کو ان کی شان کے لائق خاص ہدایت اور خاص صلاحیت عطا کر دی تھی۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطائے نبوت سے پہلے ہی حق کی معرفت عطا کر دی تھی۔ مفسرین نے آیت کے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ ان کے بالغ ہونے سے پہلے ہی جب کہ حضرت ابراہیمؑ ابھی بچے ہی تھے۔ ہم نے ان کو نبوت عطا کر دی تھی کیونکہ ہم جانتے تھے کہ وہ ہدایت و نبوت کے اہل ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ یہ مورتیاں کیا ہیں جن کو تم پوجتے ہو۔ یہ تو بے جان ہیں نہ تمہیں نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ زمانۂ قدیم سے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔ کیا وہ سب بیوقوف تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ یقیناً تمہارے باپ دادا بھی گمراہ اور کھلی غلطی پر تھے اور تم ان کی اتباع میں ان بے جان پتھروں کو پوجتے ہو اس لئے تم بھی کھلی گمراہی میں ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کی بات سن کر قوم کے لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیا واقعی تم کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا ایسے ہی ہم سے دل لگی کر رہے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ یہ کوئی دل لگی کی بات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک و حاکم ہے جس نے ان کو نیست سے ہست کیا اور میں اس کی شہادت دینے والوں میں سے ہوں کہ میرا اور تمہارا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہی عبادت کے لائق ہے اس کے سوا نہ کوئی رب ہے نہ معبود، تمہارے یہ معبود تو کسی ادنیٰ چیز کے بھی خالق ہیں نہ مالک، پھر یہ معبود و مسجود کیسے ہو گئے۔ (مظہری ۶/۲۰۲، روح المعانی ۵۸۔۶۱/۱۷)

حضرت ابراہیمؑ کا بتوں کو توڑنا

۵۷۔۶۳۔ وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ○ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ○ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ○ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ○

اور اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کی ضرور گت بناؤں گا جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔ پھر (حضرت) ابراہیمؑ نے بڑے بت کے سوا سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تاکہ وہ اسی کی طرف رجوع کریں (بتوں کا حال دیکھ کر) وہ کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ (حرکت) کس نے کی۔ بیشک وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ وہ (آپس میں) کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو جسے ابراہیمؑ کہا جاتا ہے ان (بتوں) کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا۔ سب نے کہا کہ اچھا اسے سب کے سامنے لاؤ تاکہ سب دیکھیں۔ وہ کہنے لگے۔ اے ابراہیمؑ کیا تو نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ (حضرت ابراہیمؑ نے) کہا بلکہ یہ تو ان کے اس بڑے نے کی ہے سو تم ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں۔

جُذٰذًا : ٹکڑے ٹکڑے۔ ریزہ ریزہ، جَذٌّ سے مشتق ہے۔ مفعول کے معنی ہیں۔

فَتًى : نوجوان آدمی۔ خادم۔ غلام۔ جمع فِتْيَانٌ۔

يَنْطِقُوْنَ : وہ کہتے ہیں۔ وہ بات کرتے ہیں۔ نَطْقٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت ابراہیمؑ نے کہا خدا کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر ان بتوں کے پاس سے کہیں چلے جاؤ گے تو میں تمہارے ان بتوں کی خوب گت بناؤں گا۔

بغوی نے مجاہد اور قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات چپکے سے کہی تھی۔ بعض نے سنی اور بعض نے نہ سنی، جنہوں نے سنی انہوں نے بھی اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ پھر جب ان کا سالانہ تہوار آیا تو سب چھوٹے بڑے اور ضعیف و قوی اس میں شرکت کے لئے چلے گئے اور حضرت ابراہیمؑ بت خانے میں پہنچ گئے جہاں تمام بت ایک بڑے کمرے میں قطار میں رکھے ہوئے تھے۔ بت خانے کے دروازے کے سامنے سب سے بڑا بت تھا۔ اس کے برابر میں اس سے چھوٹا پھر اس سے چھوٹا، اسی طرح سب قطار میں رکھے ہوئے تھے۔

پس حضرت ابراہیمؑ نے بڑے بت کو چھوڑ کر دوسرے تمام بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بڑے بت کو باقی رکھنے میں یہ حکمت و مصلحت تھی کہ ان کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ شاید اس بڑے بت نے ان چھوٹے بتوں کو توڑا ہوگا کیونکہ اسے غیرت معلوم ہوئی ہوگی کہ اس کے ہوتے ہوئے یہ چھوٹے بت خدائی کے لائق کیسے ہوگئے۔ اسی لئے حضرت ابراہیمؑ نے کلہاڑا بھی اسی کی گردن میں اٹکا دیا۔

جب وہ مشرکین اپنے میلے سے واپس آئے اور بت خانے میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے بتوں کا حالِ زار دیکھا اور کہنے لگے کہ یہ کون ظالم شخص تھا جس نے ہمارے معبودوں کی ایسی اہانت کی۔ جن لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کی قسم والا جملہ سنا تھا وہ کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کی برائی کرتے ہوئے سنا تھا۔ اس کا نام ابراہیمؑ بتایا جاتا ہے۔ یہ اسی کا کام ہے۔

جب یہ بات نمرود اور اس کے ارکان حکومت کو پہنچی تو وہ کہنے لگے اگر اس نے ایسا کیا ہے تو اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ اس کے قول و فعل کی شہادت دیں۔ جب سب لوگ جمع ہوگئے اور حضرت ابراہیمؑ بھی آگئے تو لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ اے ابراہیمؑ کیا تو نے ہی ہمارے معبودوں کا یہ حشر کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ ان کے اس بڑے نے یہ کام کیا ہے جو صحیح و سالم کھڑا ہے۔ جب اس بڑے کا معبود ہونا ممکن ہے تو کیا یہ ممکن نہیں

کہ یہ کام بھی اسی نے کیا ہو۔ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے تو تم ان چھوٹے بتوں سے پوچھ لو۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو خود ہی بتا دیں گے کہ یہ کس کا کام ہے۔ تمہارے اعتقاد کے مطابق جب یہ تمہاری حاجت روائی کر سکتے ہیں تو یقیناً یہ تمہارے سوال کا جواب بھی دے سکتے ہیں۔ (مظہری ۲۰۳۔۲۰۵ / ۶، روح المعانی ۶۱۔۶۵ / ۱۷)

کفار کی شرمندگی

۶۴۔۶۷۔ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

پھر وہ اپنے دل میں سوچنے لگے اور کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی ظالم ہو۔ پھر وہ (ندامت سے) سر جھکا کر کہنے لگے (اے ابراہیمؑ) بیشک تم خوب جانتے ہو کہ یہ (بت) بولتے نہیں۔ (حضرت ابراہیمؑ نے) کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔

نُكِسُوْا: وہ اوندھے ڈالے گئے۔ ان کے سروں کو جھکا دیا گیا۔ نَكْسٌ سے ماضی مجہول۔

رُءُوْسِهِمْ: ان کے سر۔ واحد رَاْسٌ۔

تشریح: پھر حضرت ابراہیمؑ کی باتوں سے ان کو اپنی غلطی کا احساس پیدا ہوا اور اپنی بیوقوفی پر اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ تم ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے ہو کہ جو بت بول نہیں سکتے اور جو اپنے آپ کو نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ اپنا کوئی دکھ دفع

کر سکتے ہیں، ان کی پوجا کرتے ہو۔ پھر شرم کے مارے انہوں نے اپنے سر جھکا لئے اور کچھ غور و فکر کر کے بات بنائی کہ اے ابراہیمؑ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ یہ بت بے زبان ہیں۔ کچھ بولتے نہیں تو ہم ان سے کیا دریافت کریں۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ کیا اس حقیقت کے بعد بھی کہ یہ بت نہ بولتے ہیں نہ نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں، تم ان کی عبادت کرتے ہو۔ تف ہے تم پر اور اس چیز پر جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جو چیز توڑی اور پھوڑی جا سکتی ہے وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے۔ (روح المعانی ۶۶۔۶۸/ ۱۷، مظہری ۲۰۵۔۲۰۶/ ۶)

حضرت ابراہیمؑ کو زندہ جلانے کا فیصلہ

۶۸۔۷۰۔ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝

وہ (آپس میں) کہنے لگے کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اس (ابراہیمؑ) کو آگ میں جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ (جب انہوں نے ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال دیا تو) ہم نے (آگ کو) حکم دیا۔ اے آگ تو (حضرت) ابراہیمؑ کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔ اور انہوں نے تو ابراہیمؑ کے ساتھ برا کرنا چاہا تھا مگر ہم نے ان کو ناکام کر دیا۔

حَرِّقُوْهُ: اس کو جلاؤ۔ تَحْرِيْقٌ سے امر۔

بَرْدًا: ٹھنڈا ہونا، مصدر ہے۔

كَيْدًا: خفیہ تدبیر۔ مکر۔ فریب۔

تشریح: مشرکین جب دلیل سے عاجز آ گئے اور ان سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتوں کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو آپس میں کہنے لگے کہ ابراہیمؑ کو آگ میں جلا دو جو ہولناک سزا

ہے۔ اپنے معبودوں کی مدد کی صرف یہی ایک صورت ہے ورنہ جب تک یہ زندہ رہے گا ان کی بے حرمتی کرتا رہے گا۔ پھر جب وہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے پر متفق ہوگئے تو انہوں نے ایک ہولناک آگ کا سامان کر کے حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈالدیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جائے تاکہ ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

ان کفار و مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ برائی کا معاملہ کرنا چاہا یعنی ان کو آگ میں جلانا چاہا، سو ہم نے ان کو سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والا بنا دیا۔ اس طرح آگ کا ٹھنڈا اور سلامتی والا ہو جانا حضرت ابراہیمؑ کے لئے باعثِ صد عزت ورفعت ہوا اور کافروں کے لئے باعث صد ذلت واہانت ہوا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۶۴۸۔۶۴۹/ ۴، روح المعانی ۶۸۔۷۰/ ۱۷)

حضرت ابراہیمؑ و حضرت لوطؑ کی ہجرت

۷۱۔۷۳۔ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ○ وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ○ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ○

اور ہم ابراہیمؑ اور لوطؑ کو بچا کر اس سرزمین کی طرف لے آئے، جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت رکھی تھی۔ اور ہم نے اسے اسحٰق عطا فرمایا اور یعقوبؑ اور زیادہ دیا اور ہم نے سب کو نیک بنایا اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو راہِ ہدایت بتاتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور وہ ہماری ہی عبادت کیا کرتے تھے۔

وَھَبْنَا : ہم نے بخشا۔ ہم نے ہبہ کیا۔ وَھَبٌ' وِھْبَۃٌ' سے ماضی۔

نَافِلَۃً : نفل، زیادہ نَفْلٌ' سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت ابراہیمؑ کے آگ سے صحیح و سالم نکلنے کے بعد ہم نے ان کو اور حضرت لوطؑ کو کافروں سے بچا کر شام کے مقدس ملک میں پہنچا دیا۔ جس میں ہم نے اہلِ جہان کے لئے برکت رکھی ہے۔ ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ تمام میٹھا پانی شام کے صخرہ کے نیچے سے نکلتا ہے۔

پھر فرمایا کہ ہجرت کے بعد ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو ان کی درخواست پر ایک بیٹا اسحٰق دیا اور ایک پوتا یعقوب بطور نفل (زیادہ) دیا یعنی بغیر درخواست اور بغیر مانگے دیا۔ ان سب کو یعنی باپ، بیٹے اور پوتے کو نیک بخت بنایا اور سب کو دنیا کا مقتدا و پیشوا بنا دیا تاکہ وہ ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو صحیح راستہ دکھائیں۔ ہم نے ان کو نیک کاموں کے کرنے کی وحی کی خاص طور پر نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی۔ یہ سب خاص ہماری عبادت کرنے والے تھے اور ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔

حضرت لوطؑ کا واقعہ

۷۴۔۷۵۔ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُ فِىْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور ہم نے لوط کو حکمت و علم عطا کیا تھا اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے کاموں میں مبتلا تھے۔ بیشک وہ بری قوم (اور) بدکار تھے اور ہم نے اس (لوطؑ) کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ بیشک وہ نیک لوگوں میں سے تھے۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور ان پر

ایمان لائے تھے۔ بہت نیک و صالح اور عابد وزاہد تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اتباع میں انہوں نے بھی حضرت ابراہیم کے ساتھ ہجرت کی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بستی سے نجات دی جہاں کے باشندے نہایت خبیث اور گندے کام کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و حکمت عطا فرمائی اور ان کی طرف وحی نازل فرمائی اور ان کو نبیوں کے زمرے میں داخل فرماکر سدوم اور آس پاس کی بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ اہلِ بستی ان کی بات ماننے کی بجائے الٹا ان کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے، جس کے نتیجے میں عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے اور فنا کر دیئے گئے۔ ان کی بربادی کے واقعات قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کو ان بدذاتوں کی بستی سے نکال کر اپنی رحمت میں داخل کرلیا کیونکہ بلاشبہ وہ نیک بختوں اور صالح لوگوں میں سے تھے۔

حضرت نوحؑ کا واقعہ

۷۶۔۷۷۔ وَنُوْحًا اِذْنَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

اور نوح (کا واقعہ یاد کرو) جب اس نے اس سے پہلے دعا کی سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور اس کو اور اس کے گھر والوں کو بڑی سخت مصیبت (طوفان) سے نجات دی۔ اور ہم نے ان لوگوں کے مقابلے میں (حضرت) نوح کی مدد کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے۔ یقیناً وہ برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ دین کرتے رہے۔ اس طویل عرصے میں سوائے چند لوگوں کے جو ایمان لے آئے تھے باقی تمام لوگ نہ صرف اپنے کفر و شرک پر قائم رہے بلکہ وہ حضرت نوحؑ کو ہر قسم کی تکلیفیں اور ایذائیں دیتے رہے اور

دوسروں کو بھی آپ کی ایذار سانی پر اکساتے رہے یہاں تک کہ جب حضرت نوحؑ عاجز و بے بس اور ان کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی کہ اب ان کافروں میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ رکھ ورنہ یہ تیرے بندوں کو بہکاتے رہیں گے۔

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ (سورۂ قمر آیت ۱۰)

پس حضرت نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا۔ اے میرے پروردگار میں مغلوب اور عاجز ہوں سو تو میرا بدلہ لے لے۔

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝ (سورۂ نوح آیت ۲۶)

اے میرے رب تو روئے زمین پر بسنے والے کافروں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑ۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی دعا قبول فرمائی اور ان لوگوں کو جو ان کی اتباع کرتے تھے اور ان کے ساتھ ان کی کشتی میں سوار تھے، ان کو ڈوبنے کی بڑی مصیبت سے نجات دی اور قوم کے ان لوگوں کے مقابلے میں جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے، ان کی مدد کی۔ بلاشبہ وہ منکرین و مکذبین بہت ہی برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور روئے زمین پر ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا۔ (عثمان ۲/۱۱۸، ابن کثیر ۱۸۴، ۳/۱۸۵)

حضرت داؤدؑ کا واقعہ

۷۸۔۷۹۔ وَدَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۫ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِیْنَ ۝

اور داؤدؑ اور سلیمانؑ کو بھی یاد کیجئے، جبکہ وہ دونوں کھیت کے معاملے میں فیصلہ کر رہے تھے جبکہ کچھ لوگوں کی بکریاں اس (کھیت) کو رات میں چر

گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھادیااور ہم نے ہر ایک کو حکمت اور علم دے رکھا تھااور ہم نے پہاڑوں کو داؤدؑ کے تابع کر دیا تھاجو تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تابع کیا) اور (یہ سب کچھ) ہم ہی کیا کرتے تھے۔

الْحَرْثِ : کھیتی،

اِذْ نَفَشَتْ :انہوں نے روند دیا۔ انہوں نے چر لیا۔ نَفْشٌ سے ماضی۔

غَنَمُ : بکریاں۔ اسم جنس۔

تشریح: حضرت داؤد علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ نہایت عادل اور منصف تھے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قتادہ اور زہری نے بیان کیا کہ دو آدمی حضرت داؤدؑ کے پاس ایک مقدمہ لائے۔ ان میں سے ایک تو کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس فیصلے کے وقت ہم موجود تھے۔ ہمارے روبرو یہ فیصلہ ہوا۔ کھیت والے نے کہا کہ اس کی بکریاں رات کو میرا تمام کھیت چر گئیں اور کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ حضرت داؤدؑ نے اندازہ لگایا کہ تمام بکریوں کی کل قیمت کھیت کی قیمت کے برابر ہے اس لئے آپ نے حکم دیا کہ تمام بکریاں کھیت کے مالک کو دیدی جائیں۔

حضرت داؤدؑ کے پاس سے دونوں حضرت سلیمانؑ کے پاس آئے۔ حضرت سلیمانؑ نے پوچھا کہ تم دونوں کے مقدمے کا کیا فیصلہ ہوا۔ انہوں نے حضرت داؤدؑ کا فیصلہ بیان کر دیا۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اگر تمہارا مقدمہ میرے پاس ہوتا تو میں دوسرا فیصلہ کرتا۔ جب حضرت داؤدؑ کو حضرت سلیمانؑ کی بات کا پتہ چلا تو انہوں نے حضرت سلیمانؑ کو بلوا کر کہا کہ تم فیصلہ کرو۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ بکریاں کھیت والے کو دیدو اور کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیا جائے۔ کھیت والا بکریوں کے دودھ، اُون اور ان کے بچوں سے اس وقت تک فائدہ اٹھاتا رہے جب تک کھیت بکریوں والے کے پاس رہے۔ بکریوں کا مالک کھیت کو درست کر کے اس میں بیج ڈالدے اور جب کھیتی تیار ہو کر اصلی حالت پر آجائے تو تیار کھیت، کھیت والے کو لوٹا دیا جائے اور بکریوں والا اپنی بکریاں واپس لے لے۔ حضرت داؤدؑ نے اس فیصلے کو بہت پسند کیا

اور اسی کو جاری کر دیا۔ اس وقت حضرت سلیمانؑ کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے فیصلے کا یہ طریقہ حضرت سلیمانؑ کو سمجھا دیا جو فریقین کے حق میں مفید ہو گیا اور ہم نے باپ اور بیٹے دونوں کو علم و حکمت عطا کیا تھا۔ ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کیا۔ دونوں فیصلے حق تھے اور دونوں کا مقصد نقصان کی تلافی تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ ظاہری قیاس کے مطابق تھا کہ رات کے وقت بکریوں کو بند رکھنا اور ان کی نگرانی کرنا بکریوں کے مالک کی ذمے داری تھی مگر چونکہ اس نے بکریوں کی نگہداشت میں کوتاہی کی جس کے نتیجے میں دوسرے کا کھیت برباد ہوا، اس لئے حضرت داؤدؑ نے کھیت والے کو بکریوں کا مالک بنا دیا کیونکہ ان کے نزدیک کھیت کا نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی، فقہا کی اصطلاح میں ایسے فیصلے کو قیاس جلی کہتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے جو فیصلہ فرمایا اس میں ہر ایک کی ملکیت کو اسی طرح برقرار رکھا اور کھیتی کے نقصان کی تلافی بکریوں کے نفع سے کر دی۔ ایسے قیاس کو فقہا کی اصطلاح میں استحسان کہتے ہیں۔ دونوں فیصلے حق تھے مگر حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے علم و حکمت کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا کہ جب وہ خوش آوازی سے زبور پڑھتے تو ان کے ساتھ شجر و حجر اور پہاڑ و پرند سب آواز کے ساتھ تسبیح کرنے لگتے تھے۔ حضرت داؤدؑ نہایت خوش آواز تھے اور یہ خوش آوازی ان کا معجزہ تھا۔ پھر فرمایا کہ علم و حکمت کا عطا ہونا اور پرندوں اور پہاڑوں کی تسخیر یہ سب ہمارا کام ہے، ہم ہی اس کے فاعل ہیں اس لئے ہماری قدرت کے اعتبار سے یہ کوئی عجیب چیز نہیں۔ (روح المعانی ۷۳۔۷۶/۱۷، مظہری ۲۱۱۔۲۱۵/۶)

حضرت داؤدؑ کا زرہیں بنانا

۸۰۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝

اور ہم نے ان کو تمہارے لئے لباس (زرہ) بنانے کی صنعت سکھائی تاکہ تمہاری لڑائی میں تمہیں بچائے۔ (محفوظ رکھے) سو کیا تم (اس نعمت کا) شکر کرتے ہو۔

لِتُحْصِنَکُمْ: تاکہ وہ تم کو بچالے، تاکہ وہ تم کو محفوظ رکھے۔ اِحْصَانٌ سے مضارع۔
بَاْسِکُمْ: تمہاری لڑائی۔ تمہاری سختی۔

تشریح: ہم نے تمہارے فائدے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک خاص قسم کا لباس یعنی زرہ بنانا سکھایا تاکہ وہ لباس جنگ اور دشمن کے مقابلے کے وقت تمہارا بچاؤ اور حفاظت کر سکے اور اس کو پہن کر تم دشمن کے وار سے محفوظ ہو جاؤ۔ کنڈے دار اور حلقوں والی زرہیں سب سے پہلے حضرت داؤدؑ ہی نے بنائیں۔ ان سے پہلے کنڈوں اور حلقوں کے بغیر زرہ بنتی تھی۔

قتادہؒ نے کہا کہ حضرت داؤدؑ سے پہلے زرہ سپاٹ ہوتی تھی۔ سب سے پہلے آپ ہی نے جال دار زرہ بنائی اور کڑیاں جوڑ کر جھول کی شکل دی۔

اللہ تعالیٰ نے لوہے کو حضرت داؤدؑ کے لئے نرم کر دیا تھا۔ آگ میں گرم کئے بغیر ہی، لوہا ان کے ہاتھوں میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور وہ اس سے بہت آسانی سے زرہ بنالیا کرتے تھے۔ یہ بھی ان کا معجزہ تھا۔ پس یہ ایسی نعمت تھی جس پر لوگوں کو اللہ کی شکر گزاری کرنی چاہئے۔ (روح المعانی ۷۶، ۱۷/۷۷)

حضرت سلیمانؑ کا واقعہ

۸۱۔۸۲۔ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ○ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ○

اور ہم نے تیز و تند ہوا کو سلیمانؑ کے تابع کر دیا جو اس کے حکم سے اس

زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور ہم ہر چیز
کو جانتے تھے، اور بہت سے شیاطین بھی ہم نے اس کے تابع کئے تھے۔
جو اس کے حکم سے غوطہ لگاتے تھے۔ اور اس کے سوا اور بھی کام کرتے
تھے اور ان کی حفاظت ہم ہی کیا کرتے تھے۔

عَاصِفَةً : آندھی، زور کی ہوا۔ تند و تیز ہوا۔ عَصْفٌ سے اسم فاعل۔
یَغُوْصُوْنَ : وہ ڈبکی لگاتے ہیں۔ وہ غوطہ مارتے ہیں۔ غَوْصٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمانؑ کے تابع کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ جب ہوا کو تیز چلنے کا حکم دیتے تو وہ تیز چلنے لگتی اور جب آہستہ چلنے کا حکم دیتے تو وہ آہستہ چلنے لگتی۔ ہوا حضرت سلیمانؑ اور ان کے اصحاب کو ایک ہی دن میں یمن سے شام اور شام سے یمن پہنچا دیتی تھی۔ پھر فرمایا کہ یہ بات ہمیں معلوم تھی کہ حضرت سلیمانؑ اس نعمت کے اہل ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اس نعمت پر مغرور و متکبر نہ ہوں گے، بلکہ اس سے ان کی تواضع میں اور اضافہ ہوگا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سرکش جنوں کو بھی حضرت سلیمانؑ کے تابع کر دیا تھا جو سمندروں میں غوطے لگا کر موتی اور جواہر نکال کر لایا کرتے تھے۔ یہ جن اور بھی بہت سے کام کرتے تھے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَّ غَوَّاصٍ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي
الْاَصْفَادِ ○　　(سورۂ ص، آیت ۳۷، ۳۸)

اور ہم نے سرکش جنوں کو ان کا ماتحت کر دیا تھا جو معمار تھے اور غوطہ
خور تھے اور ان کے علاوہ اور شیاطین بھی ان کے ماتحت تھے جو زنجیروں
میں بندھے رہتے تھے۔

پھر فرمایا کہ ہم ہی سلیمانؑ کے محافظ و نگہبان تھے۔ کوئی شیطان انہیں برائی نہیں پہنچا سکتا تھا۔ بلکہ سب ان کے ماتحت اور فرماں بردار تھے۔ کوئی ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا تھا۔ وہ (حضرت سلیمانؑ) ان پر پوری طرح حاوی تھے۔ جسے چاہتے قید کر لیتے تھے اور جسے

چاہتے آزاد کردیتے۔

بغوی نے بیان کیا کہ جب حضرت سلیمانؑ کسی جن کو کسی آدمی کے ساتھ کسی کام پر بھیجتے تو آدمی سے فرمادیتے کہ جب یہ اس کام سے فارغ ہو جائے تو اس کو کسی اور کام پر لگا دینا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کئے ہوئے کام کو برباد کردے۔ جنات کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی کام سے فارغ ہو جاتے اور دوسرے کام میں مشغول نہ ہوتے تو بنے ہوئے کام ہی کو تباہ کردیتے۔
(ابن کثیر ۱۸۷۔۱۸۸/ ۳، مظہری ۲۱۶۔۲۱۸/ ۶)

حضرت ایوبؑ کا واقعہ

۸۳۔۸۴۔ وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّـهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ۝

اور (یاد کرو) ایوبؑ کو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا تھا کہ تحقیق مجھے یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کرلی۔ پھر جو کچھ تکلیف ان کو تھی وہ دور کردی اور ان کو ان کے اہل و عیال عطا فرمائے اور ان کے ساتھ ویسے ہی اپنی خاص رحمت کے طور پر ان کو (مزید اہل و عیال) دیئے تاکہ عابدوں کے لئے نصیحت کا سبب ہو۔

تشریح: ان آیتوں میں حضرت ایوبؑ کی تکلیفوں کا بیان ہے جو طرح طرح کے مصائب سے آزمائے گئے۔ انہوں نے تمام مصائب پر بے مثال صبر کیا۔

حضرت ایوب بڑے خوشحال پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو طرح طرح کے جانور، کھیتیاں، باغات، مال و دولت، اولاد، بیویاں، باندی غلام، غرض سب کچھ خوب دیا تھا۔ اس قدر خوشحالی اور آسائش میں وہ اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش

آئی۔ مال واولاد اور باغ وکھیت وغیرہ سب فنا ہو گئے۔ یہاں تک کہ جسم میں جذام پھوٹ پڑا اور زبان کے سوا جسم کا کوئی حصہ اس مرض سے محفوظ نہ رہا۔ آس پاس والے ان سے گھن کرنے لگے۔ شہر کے ایک ویران حصے میں ان کو سکونت اختیار کرنی پڑی۔ دوست واحباب الگ ہو گئے۔ صرف ایک بیوی ساتھ رہ گئی۔ بس یہی ان کی خدمت کرتی تھیں اور محنت و مزدوری کر کے پیٹ پالنے کا سامان کرتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت امتحان نبیوں کا ہوتا ہے، پھر صالح لوگوں کا پھر ان سے نیچے کے درجے والوں کا، پھر ان سے کم درجے والوں کا،

حضرت ایوبؑ جس طرح نعمت میں اللہ تعالیٰ کے شکر گزار رہے اسی طرح مصیبت میں بھی نہایت صابر و شاکر رہے۔ نہ زبان پر کوئی حرف شکایت، نہ دل میں کبھی شکایت کا خیال گزرا۔ جب بیماری حد سے بڑھ گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ان کو صحت و عافیت عطا کر دی۔ جو اولاد مر گئی تھی اس کو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اور عطا کر دی اور اپنے فضل و مہربانی سے پہلے جیسی خوشحالی بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا فرما دی۔

پھر فرمایا کہ ہم نے جو کچھ ایوبؑ کے ساتھ کیا وہ اپنی خاص رحمت اور مہربانی سے کیا تاکہ عبادت گزاروں کے لئے نصیحت و عبرت ہو۔

(ابن کثیر ۱۸۸۔ ۱۹۰/ ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۲۶۳۔ ۲۶۴/ ۴)

حضرت ذوالکفلؑ کا واقعہ

۸۵۔۸۶۔ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور اسمٰعیل اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ کو بھی (یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ بیشک وہ نیک لوگوں میں سے تھے۔

تشریح: حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ادریسؑ کا ذکر سورۂ مریم میں گزر چکا۔ حضرت ذوالکفلؑ بظاہر تو نبی ہی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کا نام نبیوں کے ساتھ آیا ہے اکثر محققین کے نزدیک وہ نبی تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نبی نہ تھے بلکہ ایک نیک و صالح شخص اور اپنے زمانے کے بہت عادل بادشاہ تھے۔

صبر و تحمل کے اعتبار سے یہ تینوں حضرات اپنے اپنے زمانے میں بے مثال تھے۔ تینوں نے بڑی بڑی تکلیفوں اور آزمائشوں پر صبر کیا۔ حضرت ذوالکفل کو ذوالکفل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوم میں عدل وانصاف کے کفیل تھے۔ دن میں روزہ رکھتے تھے اور رات میں تہجد کے کفیل تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے فقیروں اور مسکینوں کی پرورش کی کفالت اپنے ذمہ لی تھی۔ واللہ اعلم! (مواہب الرحمٰن ۸۹۔ ۹۳/ ۱۷)

حضرت یونسؑ کا واقعہ

۸۷۔۸۸۔ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۗ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کو (بھی یاد کرو) جبکہ وہ (قوم کی حرکتوں پر) غصے ہوکر (اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر) چلدیئے اور انہوں نے سمجھا کہ ہم ان پر قابو نہ پاسکیں گے آخر وہ اندھیروں میں سے پکار اٹھے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ بے شک میں ہی قصور وار ہوں۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو غم سے نجات دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیتے ہیں۔

مُغَاضِبًا: خفا ہونے والا۔ غصہ کرنے والا۔ مُغَاضَبَۃٌ سے اسم فاعل۔

النُّوْنِ : مچھلی کا نام۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو نینویٰ کی طرف معبوث فرمایا تھا جو موصل کے مضافات میں ہے۔ حضرت یونسؑ نے ان کو شرک و بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا مگر وہ حق قبول کرنے کی بجائے اپنے کفر و عناد میں پختہ ہوتے گئے۔ آخر انہوں نے قوم کے لئے بد دعا کی اور ان کی حرکتوں سے خفا ہو کر اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر غصے کی حالت میں شہر سے نکل گئے۔ جاتے وقت قوم کو کہہ گئے کہ تین دن کے اندر عذاب آئے گا۔ ان کے چلے جانے کے بعد قوم کو یقین ہو گیا کہ نبی کی بد دعا ضرور قبول ہو گی اس لئے گھبرا کر سب لوگ بچوں اور جانوروں سمیت جنگل میں چلے گئے۔ ماؤں کو بچوں سے جدا کر دیا۔ جب میدان میں پہنچے تو سب نے رونا چلانا شروع کر دیا۔ بچے، مائیں، آدمی اور جانور سب شور مچا رہے تھے، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

پھر تمام بستی والوں نے سچے دل سے توبہ کی، تمام بت توڑ ڈالے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عہد کیا اور حضرت یونسؑ کو تلاش کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور ان پر سے عذاب کو اٹھا لیا۔ ادھر حضرت یونس بستی سے نکل کر ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ پھر طوفان کی وجہ سے کشتی کے غرق ہونے کا احتمال پیدا ہو گیا، تو کشتی والوں نے بوجھ کم کرنے کے لئے ایک آدمی کو سمندر میں پھینک دینے کا فیصلہ کیا اور اس آدمی کے تعین کے لئے قرعہ ڈالا، جو حضرت یونسؑ کے نام پر نکلا۔ تین دفعہ قرعہ اندازی کی گئی مگر تینوں دفعہ قرعہ حضرت یونسؑ کے نام پر نکلا۔ یہ دیکھ کر حضرت یونسؑ خود ہی دریا میں کود پڑے۔ فوراً ایک مچھلی نے آکر ان کو نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ حضرت یونسؑ کو اپنے پیٹ کے اندر حفاظت سے رکھے اور ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔

اس وقت حضرت یونسؑ نے اللہ کو پکارا اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کیا کہ بیشک میں تیرے حکم کا انتظار کئے بغیر بستی والوں کو چھوڑ کر بستی سے نکل کھڑا ہوا۔ حقیقت میں، میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں جو پناہ دے سکے تو ہر عیب سے پاک ہے۔ پھر اللہ نے ان کی دعا کو قبول فرما لیا اور ان کو مچھلی کا لقمہ بن جانے کے غم سے نجات دیدی۔ چنانچہ

مچھلی نے سمندر کے کنارے پر آکر ان کو اگل دیا اور اللہ کی امانت صحیح و سالم واپس کر دی۔ پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے حضرت یونسؑ کو اس غم سے نجات دی اسی طرح ہم ایمان والوں کو غم سے نجات دیتے ہیں بشرطیکہ وہ اخلاص کے ساتھ ہم کو پکاریں۔

(عثمانی ۱۲۱۔ ۱۲۲/ ۲، مظہری ۲۳۱۔ ۲۳۴/ ۶)

حضرت زکریاؑ کا واقعہ

۸۹۔۹۰۔ وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ز وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ط وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○

اور زکریاؑ کو (بھی یاد کرو) جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔ پھر ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو یحیٰی عطا فرمایا اور ان کے لئے ان کی بیوی کو درست (اولاد کے قابل) کر دیا۔ بیشک یہ لوگ نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور ہمیں امید و خوف کے ساتھ پکارا کرتے تھے اور ہم ہی سے ڈرتے رہتے تھے۔

تَذَرْ : تو چھوڑ۔ وَذْرٌ سے مضارع۔

رَغَبًا : رغبت۔ خواہش۔ توقع، مصدر ہے۔

رَهَبًا : ڈر۔ خوف۔ مصدر ہے۔

تشریح: حضرت زکریاؑ بوڑھے ہوگئے تھے اور ان کی بیوی بھی بانجھ تھیں اس لئے بڑھاپے تک ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، حضرت زکریا کو اپنے رشتہ داروں کی طرف سے دین میں تحریف کر دینے کا اندیشہ تھا اس لئے ایک روز انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و زاری

کے ساتھ دعا کی کہ تو اپنے خاص کرم اور مہربانی سے مجھے ایسی اولاد عطا فرما جو میرے بعد قوم کی خدمت کر سکے اور میری تعلیم کو پھیلا سکے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا کر ان کو حضرت یحییٰ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ یہ تمام انبیا جن کا اوپر ذکر ہوا، سب نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے۔ وہ اپنا وقت برباد نہیں کرتے تھے۔ جب کوئی مصیبت آتی یا کوئی حاجت و خواہش ہوتی تو رغبت و خوف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور وہ اللہ ہی سے ڈرتے رہتے تھے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۰۱، ۱۰۲/ ۱۷)

حضرت مریمؑ کا واقعہ

۹۱۔ وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○

اور اس عورت (مریم) کو بھی یاد کرو جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ پھر اس عورت میں ہم نے اپنی روح پھونک دی۔ اور اس کو اور اس کے بیٹے (حضرت عیسیٰؑ) کو جہان والوں کے لئے نشان قدرت بنا دیا

تشریح: حضرت زکریاؑ اور حضرت مریمؑ کے واقعات میں نہایت درجہ مناسبت ہے۔ حضرت زکریا کے واقعے میں بوڑھے مرد اور بوڑھی اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونے کا ذکر ہے، جبکہ حضرت مریمؑ کے واقعے میں کنواری لڑکی سے شوہر کے بغیر لڑکا پیدا ہونے کا ذکر ہے جو پہلے واقعے سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اس عورت یعنی حضرت مریم کے واقعے کو یاد کرو جس نے اپنی شرمگاہ کو حلال و حرام دونوں سے محفوظ رکھا، سو جبرائیلؑ نے ہمارے حکم سے حضرت مریمؑ کے گریبان کے اندر ہماری ایک خاص پھونک ماری جو حضرت مریمؑ کے جسم کے اندر پہنچ گئی جس سے وہ بغیر شوہر کے حاملہ ہو گئیں اور ان سے کے ایک برگزیدہ نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ہم نے حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے کے

واقعے کو دنیاوالوں کے لئے اپنی قدرت کاملہ کی ایک نشانی بنادیا۔ اس سے سمجھ بوجھ رکھنے والوں کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے صرف عورت کے بطن سے لڑکا پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۶۹ / ۴، مظہری ۲۳۵ / ۶)

توحیدِ خداوندی پر انبیاؑ کا اجماع

۹۲۔۹۴۔ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۡ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ○ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ○ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ○

بیشک تم سب کا دین (دینِ اسلام) ایک ہی دین ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں، سو تم میری ہی عبادت کرو اور لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کر لیا۔ سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔ پھر جو کوئی اچھے کام کرے گا اور وہ مومن بھی ہو گا تو اس کی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔

تشریح: بیشک اصول کے اعتبار سے تمام انبیا علیہم السلام کا دین ایک ہے اور ان سب کی ایک ہی ملت ہے۔ سب توحید پر متفق ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس لئے تم بھی اسی ملت کو اختیار کرو اور اسی پر قائم رہو اور توحید کے بارے میں اختلاف نہ کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۔ (آل عمران، آیت ۸۵)

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ میں ہی تم سب کا رب ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، سو تم صرف میری عبادت کرو۔ کسی اور کی نہ کرو۔ ہم نے تو اصول کے اعتبار سے سب کو ایک ہی دین دیا تھا۔ مگر لوگوں نے اس میں اختلاف پیدا کر لیا۔ چنانچہ بعض اپنے نبیوں پر ایمان لائے اور بعض نہ لائے۔ قیامت کے روز سب کو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے اس وقت تمام اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ نیکوں کو نیک بدلہ اور بروں کو بری سزا۔ پس اگر کوئی شخص ایمان و یقین کی حالت میں نیک عمل کرے تو ہم اس کے اعمال ضائع نہیں کرتے بلکہ ان کی قدر کرتے ہیں۔ ہم کسی پر ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتے بلکہ ہم ہر ایک کے اعمال لکھ لیتے ہیں۔ اس لئے ان میں کسی ردوبدل اور کمی بیشی کا امکان نہیں۔ (روح المعانی ۹۰،۸۹/ ۱۷، ابن کثیر ۱۹۴/ ۳)

معذّب قوموں کی محرومی

۹۵۔۹۷۔ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ O حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ O وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ O

اور جس بستی کو ہم نے (عذاب سے) ہلاک کر دیا ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ (دنیا میں) پھر لوٹ کر آئیں یہاں تک کہ یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جائے اور وہ ہر بلندی سے دوڑے چلے آئیں۔ اور سچا وعدہ نزدیک آ پہنچے گا۔ اس وقت کافروں کی آنکھیں یکایک اوپر لگی رہ جائیں گی اور وہ کہیں گے ہائے افسوس۔ بیشک ہم تو اس سے غافل تھے۔ بلکہ ہم ہی ظالم تھے۔

حَدَبٍ: اونچی جگہ۔ بلندی۔ ٹیلہ۔ مصدر ہے۔

یَنْسِلُوْنَ : وہ نکل پڑیں گے۔ وہ دوڑ پڑیں گے۔ نَسْلٌ سے مضارع۔
شَاخِصَةٌ: پھٹی کی پھٹی رہ جانے والی (آنکھیں)۔ کھلی کی کھلی رہ جانے والی۔ شُخُوْصٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: کافروں کا یہ خیال کہ وہ مر کر خاک میں مل جائیں گے اور نیست و نابود ہو جائیں گے بالکل غلط ہے۔ جس بستی والوں کو ہم نے عذاب یا موت کے ذریعے ہلاک کر دیا تو ایک روز وہ دوبارہ زندہ ہو کر ہماری طرف ضرور لوٹیں گے۔ اس روز قیامت قائم ہو گی اور ان کا حساب و کتاب ہو گا۔ بعض مفسرین یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ ہلاک ہو چکے ان کا اپنے اعمال کی درستی کے لئے دنیا میں دوبارہ واپس آنا ناممکن اور محال ہے۔ ایک دفعہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوگئے تو دوبارہ واپس آکر ایمان لانا اور عمل صالح کرنا تاکہ ان کے پہلے دور کی برائیوں کا کفارہ ہو سکے۔ محال ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ ہلاک ہونے والے اپنی ہلاکت و بربادی اور کفر و شرک کی حالت پر اسی طرح قائم رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہو جائیں اور یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں، جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ اس وقت وہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار کے پیچھے محصور ہیں۔ اور اللہ کی مخلوق ان کے فتنے سے محفوظ ہے۔ قیامت کے قریب اس دیوار کو توڑ کر یہ مفسد قوم وہاں سے ٹڈی دل کی طرح نکل پڑے گی اور ہر طرف پھیل جائے گی۔ یہ لوگ شہروں کو روند ڈالیں گے اور جہاں سے گزریں گے اس کو تباہ کر دیں گے، کوئی طاقت ان کو روک نہ سکے گی۔ اس وقت قیامت کا سچا وعدہ قریب آپہنچے گا۔ پھر خوف و دہشت کی وجہ سے کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ وہ دہشت کے مارے پلک بھی نہ جھپک سکیں گے۔ اور حسرت سے کہیں گے ہائے ہماری تباہی و بربادی ہم دنیا میں اس دن کے بارے میں غفلت میں پڑے رہے اور ہم خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔ کاش دنیا میں ہم اس آفت سے بچنے کی فکر کرتے کیونکہ رسولوں نے تو ہمیں آگاہ کر دیا تھا۔ مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی۔

(عثمانی ۱۲۴ / ۲، مواہب الرحمٰن ۱۰۷۔ ۱۱۲ / ۱۷)

جہنم کا ایندھن

۹۸۔۱۰۰۔ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَھَا وٰرِدُوْنَ ۝ لَوْکَانَ ھٰٓؤُلَآءِ اٰلِھَۃً مَّا وَرَدُوْھَا ؕ وَکُلٌّ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّھُمْ فِیْھَا لَا یَسْمَعُوْنَ ۝

(اللہ تعالیٰ فرمائے گا) بلاشبہ تم اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے، سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ تم سب دوزخ میں جانے والے ہو۔ اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ سب کے سب ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔ وہ اس (جہنم) میں چیخ و پکار کریں گے اور (اپنے شور و غل میں) وہاں کچھ بھی نہ سن سکیں گے۔

حَصَبُ : پتھر، ایندھن۔

زَفِیْرٌ : چیخ و پکار کرنا۔ چلانا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اے مشرکین مکہ بلاشبہ تم اور تمہارے یہ بے جان و بے عقل بت جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۴)

اور اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

تم سب کو اپنے معبودوں سمیت جہنم میں اتار دیا جائے گا۔ بتوں کا جہنم میں ڈالا جانا ان کو عذاب دینے کے لئے نہیں بلکہ مشرکوں پر حجت قائم کرنے کے لئے ہوگا کہ یہ بت اس قدر عاجز و بے بس ہیں کہ تمہاری حفاظت تو کیا کرتے یہ تو خود اپنے آپ کو بھی جہنم سے نہیں بچا سکے۔

اگر یہ بت اور بے جان مورتیں سچے معبود ہوتے تو آگ میں کیوں جلتے۔ حقیقت یہ

ہے کہ عابد (مشرک) اور معبود (بت) دونوں ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ جہنم میں مشرکوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ شدتِ ہول اور عذاب کی سختی سے وہاں خوب چیخیں چلائیں گے۔ اور اپنے چلانے اور شور کے سوا کچھ نہ سنیں گے۔ (عثمانی ۱۲۴/۲، ابن کثیر ۱۹۷، ۱۹۸/ ۳)

مومنوں کا حال

۱۰۱۔۱۰۳۔ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی ۙ اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ ○ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا ۚ وَھُمْ فِیْ مَا اشْتَھَتْ اَنْفُسُھُمْ خٰلِدُوْنَ ○ لَا یَحْزُنُھُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ؕ ھٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○

بیشک ہماری طرف سے جن کے لئے بھلائی مقدر ہو چکی ہوگی وہی لوگ اس سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ تو دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور وہ اپنی من پسند چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ بڑی گھبراہٹ بھی انہیں رنجیدہ نہ کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (اور کہیں گے) یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

مُبْعَدُوْنَ : دور کئے ہوئے۔ اِبْعَادٌ سے اسم مفعول۔

حَسِیْسَھَا : اس کی آہٹ، اس کا کھٹکا۔

فَزَعٌ : گھبراہٹ۔ خوف۔ ڈر۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمْ نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا کہ اللہ کے سوا، عیسٰی، عزیر اور فرشتوں کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ کیا یہ بھی جہنمی قرار پائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۲۳۹)

تشریح: بلاشبہ جو لوگ ایماندار تھے اور انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کئے تھے ان کو آخرت میں ثواب اور نیک بدلہ ملے گا۔ وہ عذاب سے محفوظ اور اللہ کی رحمت سے سرفراز ہوں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جہنم سے اس قدر دور رکھے جائیں گے کہ وہ جہنم میں کافروں کے چیخنے اور چلانے کی آواز بھی نہ سنیں گے اور وہ اپنی مرغوب اور پسندیدہ چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان لوگوں کو نہ موت کی گھبراہٹ ہوگی، نہ نفخے کی، نہ اس وقت کی گھبراہٹ جب جہنم پر ڈھکن ڈھک دیا جائے گا اور نہ ان کو اس وقت کسی قسم کا اندیشہ ہوگا جب موت کو دوزخ اور جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ وہ ہر طرح سے مسرور و خوش ہوں گے۔ جب وہ قبروں سے نکل کر جنت کی طرف جائیں گے تو جنت کے دروازوں پر فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ جس دائمی مسرت و راحت کا وعدہ آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کی زبانی تم سے کیا گیا تھا، یہ اسی کے پورا ہونے کا وقت ہے۔

(ابن کثیر ۱۹۸، ۱۹۹/ ۳، مظہری ۲۳۹۔ ۲۴۲/ ۳)

آسمانوں کا لپیٹا جانا

۱۰۴۔ یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے۔ جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے۔ بیشک ہم اس کو ضرور پورا کریں گے۔

نَطْوِی: ہم تہ کریں گے۔ ہم لپیٹ دیں گے۔ طَیٌّ سے مضارع۔

السِّجِلِّ: کاغذ کا طومار۔ صحیفہ۔ نوشتہ۔ جمع سِجِلَّاتٌ

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں قیامت کے روز آسمانوں کے فنا ہو جانے کا ذکر فرمایا ہے کہ قیامت کے روز نفخۂ اولیٰ کے وقت ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اس سے تم ہماری قدرت و عظمت کا اندازہ کر سکتے ہو۔

ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کو ان کے اندر کی مخلوقات کے ساتھ اور ساتوں زمینوں کو ان کی تمام مخلوقات کے ساتھ اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ایک رائی کے دانے کی مثل ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بلا کسی اصل اور مادے کے پہلی بار مخلوق کو پیدا کیا تھا اسی طرح ہم دوبارہ نئے سرے سے اس کو پیدا کر دیں گے۔ جو خدا پہلی بار پیدا کرنے پر قادر تھا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر اس سے بھی زیادہ قادر ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اس کے وعدے اٹل ہوتے ہیں اور یقیناً پورے ہو کر رہتے ہیں۔ اس کے خلاف ہونا محال ہے۔
(ابن کثیر ۱۹۹، ۲۰۰/ ۳)

مومنوں سے اللہ کا وعدہ

۱۰۵۔۱۰۷۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ○ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○

اور ہم نصیحت کے بعد زبور میں لکھ چکے ہیں کہ بیشک زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔ بیشک اس (قرآن) میں عبادت کرنے والوں کے لئے (ہدایت کا) کافی مضمون ہے۔ اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تشریح: لوح محفوظ کے بعد ہم نے تمام آسمانی کتابوں میں لکھ دیا ہے کہ کامل اطاعت گزار بندوں کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور دنیاوی زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنایا جائے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۲۸)

بلاشبہ زمین اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ بیشک اس قرآن میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے، جنت میں داخل ہونے کا پورا سامان ہے۔ جس طرح مسافر کے لئے زادِ راہ منزل تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح پورا قرآن ان مومنوں کے لئے جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، جنت کا توشہ ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں جو مخلوق کے لئے نعمتِ عظمیٰ ہے۔ پس اس نعمت کی شکر گزاری کرنے والا دنیا و آخرت میں شادمان ہے اور ناقدری کرنے والا دونوں جہان میں ذلیل و رسوا ہے، اگر کوئی بدبخت اس رحمتِ عامہ سے خود ہی نفع نہ اٹھائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ آفتابِ عالم سے روشنی اور حرارت کا فیض ہر طرح پہنچتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی۔ رحمۃ للعلمین کا حلقۂ فیض تو اس قدر وسیع ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے مستفید نہ ہونا چاہے تب بھی اِس کو کسی نہ کسی شکل میں بلا اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں علومِ نبوت کی عام اشاعت سے ہر مسلمان و کافر اپنے ذوق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقع پر صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ آپ ﷺ ان کافروں کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں تو صرف رحمت و ہدایت ہوں۔

ابن جریر میں حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ مومنوں کے لئے تو آپ ﷺ دنیا و آخرت میں رحمت تھے۔ اور غیر مومنوں کے لئے آپ ﷺ دنیا میں رحمت تھے کہ وہ زمین میں دھنسائے جانے سے اور آسمان سے پتھر برسائے جانے سے بچ

گئے جیسا کہ اگلی امتوں کے منکروں پر یہ عذاب آئے۔ (عثمانی ۱۲۶/۲،ابن کثیر ۲۰۱،۲۰۲/۳)

دعوت توحید

۱۰۸۔۱۱۲۔ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝

آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو یہی وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود تو صرف خدائے واحد ہے تو کیا تم بھی اس کو تسلیم کرنے والے ہو پھر اگر یہ نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دیجئے کہ میں تو تمہیں صاف صاف اطلاع دے چکا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ جو تم سے وعدہ ہوا ہے وہ دور ہے یا قریب۔ البتہ اللہ تعالیٰ پکار کر کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے اور مجھے اس کا بھی علم نہیں، ممکن ہے (اس مہلت میں) تمہاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک فائدہ اٹھانا ہو۔ (آخر) نبی نے کہہ دیا اے رب (مجھ میں اور ان کافروں میں) انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں پر مدد طلب کی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

حِيْنٍ : وقت۔ زمانہ۔ مدت۔ جمع اَحْيَانٌ

مُسْتَعَانٌ: وہ جس سے مدد طلب کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا اسم صفت۔ اِسْتِعَانَةٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین و منکرین سے کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو یہی وحی آئی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے۔ سو تم بھی اسی کو تسلیم کرو اور اسی کا حکم مانو۔ اگر یہ لوگ پھر بھی اسلام سے روگردانی کریں اور توحید کا انکار کریں تو آپ ان کو صاف صاف بتا دیجئے کہ میں نے تو تم سب کو وہ وحی اور وہ اطلاع پہنچا دی جو مجھے ملی تھی اور میں نہیں جانتا کہ جس چیز (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ وہ قریب کے زمانے میں پورا ہوگا یا بعید کے زمانے میں لیکن یقین جانو کہ وہ پورا ہو کر رہے گا۔

بیشک ظاہر و باطن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ جو کچھ تم علانیہ طور پر اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بھی خوب واقف ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ بغض و عناد تم اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ تمہارے ظاہر و باطن سے واقف ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرتا، اس تاخیر کی وجہ مجھے معلوم نہیں۔ ممکن ہے عذاب میں یہ تاخیر تمہارے لئے ڈھیل و مہلت ہو کہ تم مزید فتنے اور آزمائش میں پھنس جاؤ یا اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر تم نصیحت پکڑ لو اور ایمان لے آؤ۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے اور میرے جھٹلانے والوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دے یعنی حق کو باطل پر اور صادق کو کاذب پر فتح اور غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بدر کے دن کافروں کی کمر توڑ دی اور مسلمانوں کو فتح عظیم سے سرفراز و سربلند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے ہم اس سے فیصلہ چاہتے ہیں اور کافروں کی خرافات کے مقابلے میں اسی سے مدد مانگتے ہیں۔

(مظہری ۲۴۴۔۲۴۶/۶، عثمانی ۱۲۷/۲)